جامعة اهل البیت ع اسلام آباد

شہیدِ اسلام

شہیدِ اسلام

— مؤلف —

محمد حسن صلاح الدین

پیشکش : شعبۂ نشریات
جامعۃ اہل البیت (ع)
ایف ۴/۷ اسلام آباد۔ پاکستان
پوسٹ بکس نمبر ۲۴۰۵
فون ٨٢٤٢٧٢
٨١٩٥٢٣

نشریات : ۲۱

نام کتاب : شہیدِ اسلام
مؤلف : محمد حسن صلاح الدین
تاریخ طبع : شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ مارچ ۱۹۹۰ء
قیمت : ۲۵/- روپے

پیشکش : شعبۂ نشریات جامعۃ اہل البیت (ع)۔ اسلام آباد
فون : ۸۶۴۲۷۲

انتساب

بسمہ تعالیٰ

جس نے

انقلاب حسینی کا انقلابی پیام سنا ،

عالمی اسلامی انقلاب اور نظام الٰہی کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد ،

دور حاضر کی جاہلیت کے ملبہ پر قائم کی

اور

عاشقان سعادت کے سامنے شہادت کے دروازے ،

جدید تصور اور نئے انداز میں کھولے ،

یعنی

عصر حاضر کے حسین (ع) ، بت شکن تاریخ ۔

قائد انقلاب اسلامی جہاں ،

حضرت امام خمینی قدس سرہ

کے نام

محمد حسن صلاح الدین
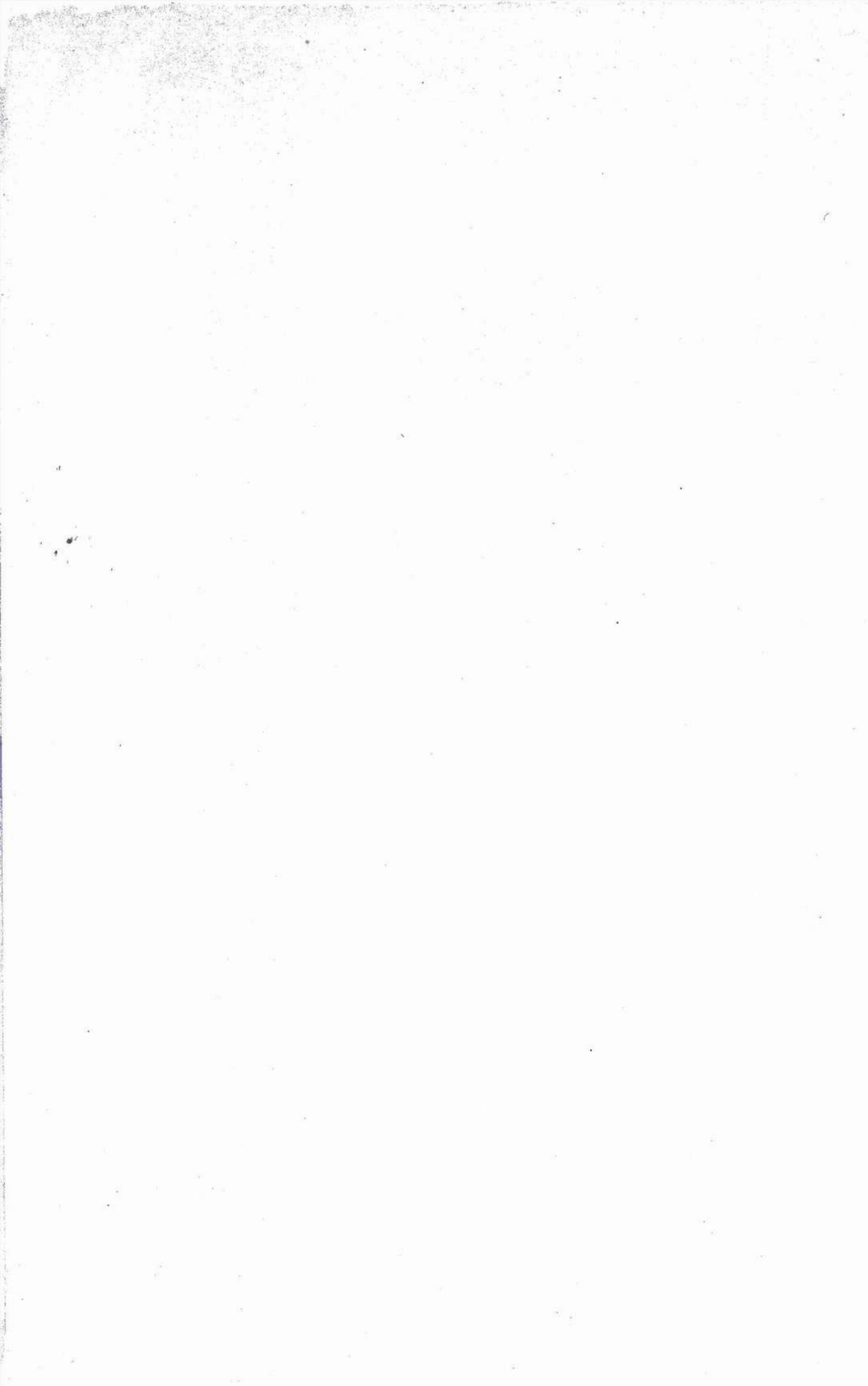
بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

واقعہ کربلا باقی تاریخی وقائع میں ایک ممتاز مقام اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے منفرد وسائل و ذرائع اور بلند و واضح اہداف و مقاصد سے کر تاریخ کی پیشانی پر چمکتے ہوئے ستارہ کی مانند نمایاں ہوا اور ظلم و جبر، لاقانونیت، جاہلیت کے افکار و نظریات، ملوکیت کے تاریک اور اسلام دشمن عناصر کے بنائے ہوئے ظلمت کدوں میں رہنما چراغ بن کر ظہور پذیر ہوا۔

زندگی کے ہر شعبہ میں بے راہروی، ضلالت و گمراہی اور انحراف و تباہی کی کوئی حد نہ تھی، اصلاحِ امت کی تمام امیدیں منقطع ہو چکی تھیں، ظلمت، مایوسی اور تاریک مستقبل کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ اس تشویشناک کیفیت کے عالم میں انقلابِ کربلا تسلی بخش اور امید کی کرن بنا، حق کے متلاشی افراد کی رہنمائی کا سامان اس نے فراہم کیا حق و حقیقت کے آسمان پر چودھویں کے چاند کی طرح سرزمین کربلا سے طلوع ہوا اور قیامت تک نور افشانی کرتے ہوئے پائندہ تابندہ رہے گا۔

اس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ عالم اسلام میں جتنی اہمیت اس عظیم واقعہ کو حاصل ہوئی ہے وہ ابھی تک کسی اور واقعہ کو نہیں ملی۔ اور نہ ہی ملے گی۔ اسی طرح اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ شاید کسی اور موضوع پر نہیں لکھی گئیں۔

انقلابِ کربلا اور شہادتِ عظمیٰ پر مسلسل کتابوں کا لکھا جانا اس بات کی دلیل ہرگز

نہیں بنتی کہ اب اس موضوع پر مزید کوئی کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ انقلاب حسین (ع)، کا موضوع اتنا وسیع اور ہمہ گیر پہلو کا حامل ہے کہ اس کے باوجود یہ تشنۂ بحث اور طالب تحقیق رہتا ہے۔ نیز ابھی تک جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں ان میں صرف بعض پہلو زیر بحث آئے ہیں اور ایسی جامع کتاب جو واقعہ کربلا کے تمام یا اہم ترین پہلوؤں پر مشتمل ہو یا تو بالکل نہیں ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

موجودہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ شاید اس عاجزانہ اقدام سے اس عظیم انقلاب کے بعض ابعاد و جوانب کے سمجھنے میں مدد مل سکے۔

یہ کتاب کس لئے؟

حضرت امام حسین (علیہ السلام) اور حسینی انقلاب کے بارے میں مثبت خیال رکھنے والوں کے تین گروہ ہیں:

(۱) **پہلا گروہ:** یہ گروہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) اور آپ (ع)، کے خاندان کے دلدادہ و عاشقوں کا ہے جو خاندان رسول اکرم (ص) سے بالعموم اور حضرت امام حسین (علیہ السلام) اور آپ (ع)، کے اہل بیت سے بالخصوص بے انتہا عقیدت و محبت رکھتے ہیں مگر غلط فہمیاں، زہر تبلیغ اور مفت جنت کے بلند و بانگ دعوے کچھ ایسے اسباب و عوامل ہیں جنہوں نے اس گروہ کو خاندان اہل بیت (ع)، سے صرف وابستہ کر رکھا ہے جبکہ ان کی زندگی کے عملی پہلو، ان کے پیام و مشن کے تقاضے اور اصلاح امت کے بے مثال کارنامے ایسے گمشدہ حقائق ہیں جن کی تلاش کی ضرورت کا احساس تو درکنار ان کی گمشدگی کا احساس اور اس عظیم سرمایہ حیات و چراغ ہدایت کے ضائع ہونے کا شعور تک بھی یہ گروہ نہیں رکھتا۔

امام حسین (علیہ السلام) اور حسینی انقلاب کے متعلق بھی کم و بیش یہی کیفیت، یہی نفسیات و ذہنی ماحول اور یہی تصورات پایا جاتا ہے۔

حسینی انقلاب کے صرف اس پہلو کا زوردار تذکرہ جو امام حسین (علیہ السلام) آپ (ع) کے رفقاء اور اسیران آل محمد (ص) کی ذات سے مربوط ہوتا ہے، اس مدعا کی روشن دلیل ہے کہ اس گروہ کا تعلق، رجحان اور مسلکی میلان، عملی سطح پر بھی یہی، امام حسین (علیہ السلام) کی ذات گرامی سے زیادہ قریب ہے بہ نسبت آپ (ع) کے انقلاب، مشن اور پیام کے۔

(ii) - **دوسرا گروہ:** اس گروہ کا مقصد امام حسین (علیہ السلام) کی صرف اور صرف انقلابی حیثیت کو ماننا ہے اور یہ اس انقلاب کے حق میں عشق کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ آپ (ع) کو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ شاید تمام القابات کا جامع لفظ حریت و آزادی ہوگا کہ پیکر حریت اور درس آزادی کے بے مثال استاد کے لحاظ سے آپ (ع) کو یہ مانتے ہیں۔

(iii) - **تیسرا گروہ:** اس گروہ کے افراد امام حسین (علیہ السلام) کی ذات آپ (ع) کے خاندان اور انقلاب کے عاشق ہیں اور آپ (ع) کو اپنا واجب الاطاعت امام سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انقلاب حسین (ع) کو امام انقلابات اور ہر مشکل کا حل بھی تصور کرتے ہیں لہٰذا وہ اس کی مزید تشریح و وضاحت کے خواہاں رہتے ہیں تاکہ مزید ادراک اور صحیح فہم کے مواقع فراہم ہوں۔ یہ کتاب اس گروہ کے مزاج کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ حاضر کتاب میں نئے نئے مطالب سمو دیئے گئے ہیں لیکن ایک چیز ضرور نئی ہے اور وہ ہے ترتیب و تنظیم اور امام حسین (علیہ السلام) کے فرامین سے استنباط اور تحریر و تدوین کا اسلوب۔ کتاب ان ابواب پر مشتمل ہے:

پہلا باب: انقلاب حسین (ع) کی نوعیت۔

دوسرا باب : انقلاب حسین (ع) کے عوامل و محرکات۔
تیسرا باب : انقلاب حسین (ع) کے اہداف و مقاصد۔
چوتھا باب : انقلاب حسین (ع) کی بقاء کے علل و اسباب۔
پانچواں باب: انقلاب حسین (ع) کے نتائج و اثرات۔
چھٹا باب : کون غالب کون مغلوب۔
ساتواں باب: قاتلانِ امام حسین (ع) کون ؟
آٹھواں باب: انقلاب حسین (ع) میں جوانوں کا کردار۔
نواں باب: انقلاب حسین (ع) میں خواتین کا کردار۔
دسواں باب: انقلاب حسین (ع) مشعلِ راہ ہے۔

کتاب کے عناوین سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اس کی تالیف کی نوعیت عام نوعیت سے مختلف ہے اور واقعہ کربلا کو بحیثیت ایک تاریخی حادثہ اور روایتی تسلسل کے مطابق قرار نہیں دیا گیا بلکہ میری کوشش یہ رہی ہے کہ آج تک اس واقعہ کے بارے میں تالیف و تحریر کا جو طریقہ رہا ہے اس سے ہٹ کر جدید اسلوب و طرزِ تالیف اختیار کیا جائے تاکہ عصر حاضر کے تقاضوں کا جواب دیا جا سکے۔

اس سوال کا جواب میں قارئین کرام پر چھوڑتا ہوں کہ یہ اسلوب اپنانے میں، میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں ؟ آپ کے قیمتی آراء اور خیالات کا منتظر رہوں گا۔

محمد حسن صلاح الدین

۲۲ ر شوال المکرم ۱۴۰۷ ھجری

باب اوّل

انقلابِ حسین علیہ السلام کی نوعیّت

خاندانی جنگ ✩ طلب حکومت ✩ بغاوت ✩
ناکام انقلاب ✩ شیعوں کا انقلاب ✩ فدا ✩
بنی امیہ اور یزید کے حامی ✩ عظمت صحابہ کا دفاع کرنے
والے ✩ دو متضاد تہذیب و تمدن کا مقابلہ ✩ نظام
جاہلیت کی وضاحت ✩

انقلاب حسین علیہ السلام کی حقیقت اور اس کی تفسیر کے متعلق حضرت امام حسین علیہ السلام کے اپنے نظریات و فرامین پیش کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس موضوع پر دوسروں کے خیالات و تفاسیر بیان کریں تاکہ آئندہ ابواب میں بحث کا موضوع واضح ہو جائے اور یہ کہ اس عظیم اقدام کا تجزیہ و تحلیل ہم کس زاویہ نگاہ سے پیش کر رہے ہیں۔

اس انقلاب کی نوعیت و حقیقت کی تعبیر مختلف شکلوں میں کی گئی۔ کسی نے اسے مادی مفاد کے حصول کا ذریعہ گردانا کسی نے اسے شرعی خلیفۂ مسلمین کے خلاف بغاوت سے تعبیر کیا کسی گروہ نے اسے ناکام انقلاب کا نام دیا اور کسی نے اسے خاندانی جنگ اور کشمکش کا ثمرہ قرار دیا۔

اس مقام پر اس موضوع کا دو پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ انقلاب کی نوعیت کے بارے میں اظہار شدہ نظریات و خیالات کا بیان اور صحیح نظریہ کی وضاحت۔

۲۔ ان نظریات و خیالات کے معتقدین کا تذکرہ

اب ہم ان مختلف نظریات و خیالات کا مختصر جائزہ لیتے ہیں جن کا اظہار مختلف افراد نے اپنے اپنے ذوق اور زاویۂ نگاہ سے انقلاب حسین علیہ السلام کی نوعیت و حقیقت کی تشریح کرتے ہوئے کیا ہے۔

۱۔ خاندانی جنگ

بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان دو خاندانوں میں دشمنی و عداوت زمانہ جاہلیت سے لے کر ظہورِ اسلام

کے بعد تک موجود رہی گویا کہ زمانہ جاہلیت سے دو متوازی خط چلے آرہے تھے۔ خیر و خوبی، اخلاق اور انسان دوستی کے خط پر بنی ہاشم اور بدی، شر، حسد اور غیر اخلاقی راستے پر بنی امیہ گامزن تھے۔ بنی ہاشم کا راستہ فضیلت، جوانمردی اور عدالت و انصاف کی علامت تھا جبکہ بنی امیہ کا راستہ رذالت، بزدلی اور شر پسندی کا نمونہ۔ ان دونوں کا راستہ کا آپس میں ملنا اور ان میں مفاہمت ہونا ناممکن تھا۔ اس نظریہ کی تائید میں یہ واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

بنی ہاشم اور بنی امیہ کے جد اعلیٰ "ہاشم" اور "عبد الشمس" دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے اور ایک کی انگلی دوسرے کی پیشانی سے جڑی ہوئی تھی۔ مجبوراً ان کو کاٹ کر الگ الگ کیا گیا جس سے خون بہنے لگا۔ لوگوں نے اسے بدشگونی قرار دیا اور کہا کہ ان کے درمیان خون ریزیاں ہوتی رہیں گی، جلد یا بدیر۔[1]

مروان بن حکم امام حسین علیہ السلام سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کرتے وقت اس خاندانی دشمنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ولید بن عتبہ سے ان الفاظ میں مخاطب ہوا:

"آل ابی تراب ہماری قدیمی دشمن ہے اور اب بھی وہ اس پر قائم ہے۔"[2]

عبد اللہ بن عمر بھی اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ کرتے ہیں انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو خروج سے منع کیا اور دیگر افراد کی طرح امام حسین علیہ السلام کو یزید کی بیعت کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے کہا:

بنی امیہ کے مظالم اور خاندانی دشمنی آپ سے پوشیدہ نہیں۔[3]

---

[1] طبری ج۱ ص۵۰۴

[2] حیاۃ الامام الحسینؑ ج۲ ص۲۰۱

[3] مقتل خوارزمی ج۱ ص۱۹۱

ظہورِ اسلام کے بعد سے فتح مکہ تک بنی امیہ کے اسلام لانے کے بعد کی عداوت اور خاندانی انتقام کی تفصیل باب دوم میں بیان کی گئی ہے تاریخ اور خاندانی پس منظر کے پیش نظر یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ معرکہ کربلا دو قبیلوں کے درمیان ناگزیر تصادم تھا۔

بعض مفکرین اس نظریہ کا مطالعہ کرنے کے بعد خاندانی جنگ کی نفی کرتے اور واقعہ کربلا کی نوعیت کی اس تفسیر کو غلط سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انکے تجزیہ کے مطابق اس میں اسلام، حق اور حقیقت کا کوئی دخل نہیں رہتا اور عربوں کے باقی قبائلی جنگ وجدال کی طرح کا یہ ایک واقعہ بن جاتا ہے جو نہ تقدس واحترام کا مستحق ہے اور نہ ہی اس کے احیاء اور زندہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

جواب

ہم ان دونوں نظریات کو صدفی صد صحیح مان لینے سے معذور ہیں بلکہ ہم اس کی تفصیل کے قائل ہیں۔ خاندانی انتقام کا جذبہ، واقعہ کربلا میں بنی اُمیہ کی جانب سے ایک محرک تھا جس کی تفصیل باب دوم میں بیان کی گئی ہے

حضرت امام حسین علیہ السلام کی جانب سے واقعہ کربلا کے علل ومحرکات میں خاندانی پس منظر کو کوئی دخل حاصل نہیں تھا۔ اس اقدام کا اصل محرک اسلام کی حفاظت تھا اور اس عظیم انقلاب کی بنیاد صرف اور صرف نظریاتی عوامل پہ قائم تھی۔

چنانچہ تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ بنی ہاشم کی طرف سے کوئی بھی انتقامی اقدام نہیں کیا گیا۔ بلکہ بنی امیہ کے ساتھ ہمیشہ خاص کر ظہور اسلام کے بعد سے اسلامی اصولوں، بلند انسانی اخلاق اور جوانمردی کے عظیم کمالات کے مطابق برتاؤ کیا گیا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز

نہیں کہ خاندانی رقابت اور کشمکش بالکل ختم ہوگئی تھی بلکہ بنی ہاشم اس کشمکش کو نظریاتی اور اصولی کشمکش سمجھتے تھے اور بنی امیہ کے ساتھ ہونے والی ہر جنگ، خصومت اور نزع کو فی سبیل اللہ قرار دیتے تھے۔ اگر ان کی جنگ دیرینہ خاندانی دشمنی پر مبنی ہوتی تو یقیناً یہ روح اسلام اور صریح آیاتِ الٰہی کے منافی ہوتی اور ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کا معصوم خاندان مادی اور باطل نظریہ اپناتا اور پھر اس کا دفاع کرتے ہوئے خاندانِ نبوت کا سب کچھ دے دیتا۔

چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

انا وھم الخصمان اللذان اختصما فی ربھم[1]	ہم اور بنی امیہ فی سبیل اللہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام ایمان تقویٰ اور فضیلت کا مجسمہ ہیں جبکہ بنی امیہ جاہلیت اور مادہ پرستی کا اعلیٰ نمونہ۔ لہٰذا ان کے ساتھ مفاہمت و مصالحت کو مسترد کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام نے مروان بن حکم سے فرمایا۔

فانا قوم عادیناکم فی اللہ ولم نکن لنصالحکم للدنیا[2]	ہم اللہ کی خاطر تم سے دشمنی رکھتے ہیں اور دنیاوی امور کے لئے تم سے مصالحت نہیں کر سکتے۔

خاندانِ بنی ہاشم کو کچھ ایسے مواقع میسر آئے تھے جن سے فائدہ اٹھا کر وہ خاندانِ بنی امیہ کے تمام افراد کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتے تھے۔ اور مشکل حالات میں وہ بنی امیہ کی مدد نہ کرتے جیسا کہ تاریخ گواہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضور اکرمؐ کو یہ حق حاصل تھا کہ آپؐ بنی امیہ کے

---

[1] حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۲ ص ۲۳۴ [2] بحار ج ۴۴ ص ۲۰۷

خاندان کو ان کی سابقہ اسلام دشمنی اور خاندانی رقابت کے جرم میں ختم کر دیتے لیکن انسانی اخلاق اور اسلامی اصولوں کی حکمرانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے آپؐ نے سب کو آزاد کر دیا۔ تاریخ میں ان کو "طلقاء" یعنی آزاد شدگان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[1]

اسی طرح جب مسلمانوں نے حضرت عثمان کے خلاف انقلاب برپا کیا تو بنی امیہ کے افراد خاص کر وہ لوگ جو بنی امیہ کی حکومت میں شامل تھے حضرت علی علیہ السلام کے ہلکے سے اشارے پر قتل کئے جا سکتے تھے نیز جنگ جمل کے خاتمے پر مروان بن حکم کو قیدی بنا کر لایا گیا تو حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی وساطت سے اس کو آزاد کر دیا گیا۔[2]

شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد اہل مدینہ نے بنی امیہ کی حکومت کے خلاف شورش برپا کی اور والی مدینہ سمیت بنی امیہ کے تمام افراد کو مدینہ سے باہر نکال دیا۔ مروان نے عبداللہ ابن عمر سے درخواست کی کہ وہ اس کے اہل وعیال کو اپنی پناہ میں لے لے مگر اس نے انکار کر دیا۔ یہ حضرت امام سجاد علیہ السلام تھے جنہوں نے مروان کے اہل وعیال کو اپنی پناہ میں لیا اور اپنے خاندان کے افراد کی مانند ان کے لئے نان ونفقہ اور حفاظت انتظام کیا۔[3]

یہ تاریخی حقائق حضرت امام حسین علیہ السلام کے ان تمام فرامین وارشادات کے علاوہ ہیں جو معرکۂ کربلا کے خاندانی جنگ نہ ہونے کے واضح ثبوت اور بین دلائل کے حامل ہیں۔ اگر بنی ہاشم بنی اُمیہ کی طرح ذاتیات اور خاندانی رقابت کا شکار ہوتے

---

[1] طبری ج ۲ ص ۱۶۱۔ [2] نہج البلاغۃ، خطبہ ۷۳۔
[3] الامامہ والسیاسہ ج ۱ ص ۱۷۸، طبری ج ۳ ص ۳۵۳، [illegible] ج ۱ ص ۲۴۔

تو ان دونوں قبیلوں کے درمیان کیا فرق رہ جاتا۔ ان دونوں خاندانوں کے درمیان موجود فرق و امتیاز اور ہر ایک کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے یہی ایک واقعہ کافی ہے:

"ایک شخص نے عالم خواب میں حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا: کیا وجہ ہے جب آپ (بنی ہاشم) اقتدار پر قابض ہوتے ہیں تو عفو و درگذر سے کام لیتے ہیں مگر جب آپ کا دشمن (بنی امیہ) حاکم ہوتا ہے تو وہ انسانیت مظالم ڈھاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اس کا راز شاعر ابن صیفی سے دریافت کرو۔ جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: میں نے کل رات ایک شعر کہا تھا جس سے کوئی شخص آگاہ نہیں ہے شاید امام کی مراد یہی شعر ہے:

ملکنا فکان العفو منا سجیۃ ولما ملکتم سال بالدم البطح

وحللتم قتل الاساریٰ ظالماً غدونا علی الاسریٰ نعفو و نصفح

فحسبکم ھذا التفاوت بیننا وکل اناء بالذی فیہ ینضح [1]

(ترجمہ) جب ہم اقتدار پر تھے عفو و درگذر ہمارا شیوہ رہا اور جب تم اقتدار پر قابض ہوئے تو صحرا بھی خون سے سیراب ہوا۔ تم نے قیدی تک کو قتل کیا مگر ہم اس سے درگزر کرتے رہے۔ ہر ایک کی شناخت کے لئے یہی فرق کافی ہے اور برتن کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہی باہر گرتا ہے۔"

۲۔ طلب حکومت

حسینی اقدام کے خلاف پیش کی جانے والی غلط تصویروں میں سے ایک میں

[1] الحکم فی الاسلام ص ۱۰۶، حماسہ حسینی ج ۳ ص ۳۳۲، از راہنمای دانشوران

اس انقلاب کو حکومت و سلطنت طلبی کا ذریعہ بتایا گیا ہے نیز کہا گیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی نگاہ میں اسلام، قرآن مجید اور کوئی اعلیٰ ہدف نہیں تھا بلکہ آپؑ کا مقصد زمام حکومت یزید سے چھین کر اپنے ہاتھ میں لینا تھا۔ جیسا کہ اس طرح کی لاتعداد جنگوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ اسی طرح واقعہ کربلا کی نوعیت بھی حصول طاقت و اقتدار میں منحصر ہوتی ہے۔ اس خیال کے حامی کچھ غیر مسلم مورخین ہیں اور بنی امیہ کے حمائتی ہیں۔

جواب

انقلاب حسین علیہ السلام کی نوعیت کو سلطنت طلبی سے تعبیر کرنا ناقابل قبول خیال ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرامین اور عملی اقدامات کا مطالعہ کرنے سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کبھی بھی حکومت و اقتدار کے خواہاں نہیں رہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں لینا چاہیئے۔ کہ آپ مسلمانوں کے سیاسی قائد بننے کے اہل نہیں تھے۔ آپ اس کتاب کے آئندہ صفحات میں اس بات کے مدلل ثبوت کا مطالعہ کریں گے کہ اس دور میں ذاتی صفات اور قیادت کی شرائط کے لحاظ سے تمام مسلمانوں میں قیادت کے لئے سب سے زیادہ موزوں شخصیت حضرت امام حسین علیہ السلام ہی تھے اس کے علاوہ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اقتدار و حکومت بذاتِ خود کوئی مذموم چیز ہے حکومت ایک ذریعہ ہے اگر اسے باطل اور شیطانی مقاصد کے نفاذ و حصول کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ ایک بت کی حیثیت رکھتی ہے جس سے متقی اور خدا طلب افراد پرہیز کرتے ہیں اور شیطان صفت

اور مادہ پرست افراد اسے غنیمت سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ یزید اور اس جیسے دوسرے افراد اقتدار کے استحکام یا اس کے حصول کے لیے کسی بھی جرم کا ارتکاب کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

چنانچہ حکومت اور اقتدار اگر مرضیٔ خدا کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اسلام کے نفاذ، انسان کی فلاح و بہبود اور اخلاق کے اعلیٰ معیار کی حاکمیت کا وسیلہ ہو تو یہ نہ صرف عقلاً جائز ہے بلکہ محبوب عند اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ بعض اوقات اس کے حصول کی سعی و کوشش کرنا ہر مسلمان کے لئے اپنی قدرت کے مطابق شرعی فریضہ بھی تصور کیا جاتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو حکومت حاصل کرنے کا خواہشمند قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ اس انقلاب کا اصلی ہدف، یزیدی حکومت کو عسکری شکست دے کر خود متمکن خلافت ہونا قرار دیا جائے اور اس میں ناکامی کی صورت میں آپ کے اقدام کو ناکام انقلاب مان لیا جائے جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ باب سوم میں حکومت اسلامی کی تشکیل کے ذیل میں قدرے تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت سے آگاہ تھے اور وقتی کامیابی کے خواہاں نہیں تھے نیز بیان کردہ دلائل و قرائن سے واضح ثبوت ملتا ہے کہ فوجی کامیابی کا کوئی امکان بھی نہیں تھا تو طلب حکومت و سلطنت کا کیا معنیٰ؟

مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نہ کردی باچنیں سامان سفر
دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد
دوستاں او بہ یزداں ہم عدد

آخر میں مزید وضاحت کے لئے اس کلام کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو حضرت امام حسین اور حضرت علی علیہما السلام سے تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ منقول ہے:

"اللھم انک تعلم انہ لم یکن الذی کان منا منافسۃً فی سلطان ولا التماس شیئٍ من فضول الحطام ولکن لنرد المعالم من دینک ونظھر الاصلاح فی بلادک فیامن المظلومون من عبادک وتقام المعطلۃ من حدودک"[1]

"بار الہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہم سے (جنگ و پیکار کی صورت میں) ظاہر ہوا، اس لئے نہیں تھا کہ ہمیں تسلط واقتدار کی خواہش تھی یا مالِ دنیا کی طلب تھی بلکہ یہ اس لئے تھا کہ ہم دین کے نشانات کو (پھر ان کی جگہوں پر) پلٹائیں اور تیرے شہروں میں امن وبہبودی کی صورت پیدا کریں تاکہ تیرے ستم رسیدہ بندوں کو کوئی کھٹکا نہ رہے اور تیرے وہ احکام پھر سے جاری ہو جائیں جنہیں بیکار بنا دیا گیا ہے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کی مانند اس کلام میں اپنے نظریات کی وضاحت فرماتے ہیں۔ ان دونوں ہستیوں کا مقصد، حکومت وسلطنت برائے حکومت و سلطنت حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے قیام وانقلاب کے پسِ پشت اصلی مقاصد اور پاک و منزہ اہداف حکم فرما تھے۔ وہ حکم الٰہی کا اجرا، بدعت کا خاتمہ اور معطل شدہ نظام خداوندی

---

[1] تحف العقول ص ۱۷۲، نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۱۳۱ ص ۱۸۹

کا احیاء چاہتے تھے۔

۳۔ بغاوت

بنی امیہ کے حامیوں کی جانب سے انقلاب حسینؑ پر غیر آئینی اقدام کا الزام لگاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس کی نوعیت خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت اور فوج کشی کی ہے۔ چنانچہ جناب "شوکانی" نقل کرتے ہیں۔

"کچھ علما حد سے گزر گئے اور وہ فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اقدام کو شرابی، نشے باز اور حرمتِ شریعت مطہرہ کی ہتک کرنے والے یزید بن معاویہ، ان پر اللہ کی لعنت ہو، کے خلاف بغاوت سمجھتے ہیں۔"[1]

اسی طرح بنی امیہ پرست دیگر افراد جن میں "ابوبکر بن عربی" وغیرہ شامل ہیں۔ یزیدی حکومت کو شرعی و آئینی حکومت تسلیم کرتے ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام کے باطل شکن اور تاریخ ساز انقلاب کو بغاوت اور فوج کشی سے تعبیر کرتے ہیں۔ یزیدیوں نے یہاں تک کہا ہے:

"لقد قتل الحسین بسیف جدہ"[1]

"بے شک حسینؑ اپنی جد کی تلوار سے قتل ہوئے ہیں"۔

جواب

۱۔ بنی امیہ کے ہواداروں کے اس خیال اور سلفِ صالح کی پیروی کرنے کی

---

[1] نیل الاوطار ج ۷، ص ۱۴۷، از ثورۃ الحسینؑ فی الوجدان الشعبی ص ۳۲

مزمت کے موقف کے درمیان تضاد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اس وقت کے علما، صحابہ، تابعین اور سیاست دان سب متفق القول تھے کہ حضرت امام حسینؑ حق پر تھے۔ انہوں نے یزید کے اس غیر انسانی اقدام کی مذمت کی اور کسی نے بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے اقدام کو خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت نہیں سمجھا جیسا کہ خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۱۷۹ پر مولانا مودودی رقمطراز ہیں:

"اگرچہ ان (حسینؓ) کی زندگی میں اور انؓ کے بعد بھی صحابہ و تابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ قول ہمیں نہیں ملتا کہ آپؓ کا خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعل حرام کا ارتکاب کرنے جا رہے تھے۔"

۲۔ یزید کی بیعت اور اس کا مسندِ خلافت پر متمکن ہونا غیر آئینی تھا۔ لہٰذا اس پر خروج کرنے کو بغاوت نہیں کہا جا سکتا۔ بغاوت اس بلا وجہ قیام اور فوجی شورش کو کہا جاتا ہے جو آئینی اور شرعی خلیفہ کے خلاف ہو۔ یزید بن معاویہ نہ تو مسلمانوں کا منتخب خلیفہ تھا۔ اور نہ اس میں خلیفہ بننے کی صفات و شرائط تھیں۔ بلکہ وہ ایک ناصب و جابر حاکم تھا۔ جس کا مقابلہ کرنا ہر مسلمان کے لیے عین عبادت تھا۔

۳۔ اگر یزید کے خلاف کیے جانے والے اس اقدام کو بغاوت سے تعبیر کیا جائے تو قیامت تک اس حدیث کے مفہوم کا کوئی مصداق نہیں ملے گا۔ جس میں ظالم بادشاہ کے خلاف قیام کرنے کو افضل جہاد کہا گیا ہے۔

۴۔ انقلاب حسین علیہ السلام کے خلاف اس قسم کے الزامات و اعتراضات کا مقصد یزید سے پہلے کے حکمرانوں اور پھر یزید کا دفاع کرنا ہے۔ چنانچہ اس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

۴۔ ناکام انقلاب

بعض افراد نے حسینی اقدام کو ناکام اقدام قرار دیا ہے گویا ان افراد نے اہداف انقلاب کا تعین خود اپنی طرف سے کیا اور پھر اس کے عدم تحقق کی صورت میں اسے ناکام اور ناپختہ واقعہ سے تعبیر کرتے ہیں ان کے مطابق آپؑ کا ہدف حصولِ اقتدار تھا اور بس چونکہ سلطنت حاصل نہیں ہوئی اس لئے یہ پورا اقدام ناکام ثابت ہوا۔ دوسری طرف یہ افراد ہر چیز کی افادیت کو مادی دائرہ میں محدود کرتے ہیں اور فتح و شکست کا معیار، عسکری پہلو کو قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے انقلاب حسینؑ کی کامیابی یا شکست کی بحث، غالب و مغلوب کے عنوان سے کی ہے۔ چنانچہ طلب ملک کے متعلق اسی باب میں جائزہ لیا گیا ہے۔

۵۔ شیعوں کا انقلاب

بنی امیہ ان کے حامیوں اور پھر ہر ظالم حاکم نے انقلاب حسینؑ کے پھیلاؤ اور ہمہ گیر ہونے کے خوف سے اس کے خلاف ایک اور ناپاک سازش کی جس کے ذریعے انقلاب حسینؑ کو صرف شیعوں سے مخصوص کر دیا گیا۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حسینی اقدام کو سنی عقاید و نظریات کے خلاف شیعہ مذہب کی تائید سمجھا جاتا ہے اور اس وقت بھی شیعہ، سنی فسادات اور فرقہ وارانہ جنگ و نزاع سے لطف اندوز ہونے والے افراد واقعۂ کربلا کو اپنے لئے بہت بڑا خطرہ محسوس کرتے ہیں

جواب

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اقوال و فرمودات میں یہ بات کہیں نظر نہیں آتی کہ

آپ کا انقلاب ایک مذہب کے حق میں اور دوسرے مذہب کے خلاف تھا بلکہ آپ کا ہدف کل اسلام کی نجات تھا اس لئے کہ یزیدی نظام صرف مذہب شیعہ کے لئے خطرہ نہیں بنا تھا بلکہ اس سے روحِ اسلام اور اسلامی نظام کی بنیادوں کی بیخ کنی کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔

اس وقت شیعہ اور سنی بحیثیت مذہب موجود نہیں تھے نظریاتی اور عملی اختلافات ضرور پائے جاتے تھے۔ مختلف خیالات وجود پا چکے تھے۔ لیکن آج کل کی طرح دو متوازی مذاہب کا وجود نہ تھا۔ ان تمام اختلافات کے باوجود مسلمان صرف اسلام کے گرد گھومتے تھے اور اسلام پر متوقع خطرات کو ہر ایک اپنے لئے خطرہ تصور کرتا تھا۔ لہذا اس دور کی تمام سیاسی اور علمی شخصیات کا مؤقف حضرت امام حسین علیہ السلام کے اقدام اور خروج کے حق میں تھا اور جس کسی نے حضرت کو خروج سے روکا بھی تو اس لئے کہ اسلحہ و قوت اور عسکری و اجتماعی حالات کے مطابق وہ اس اقدام کو نامناسب سمجھتا تھا۔ آپؑ کی شہادت سے قبل اور بعد میں بھی کسی نے آپ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ یہ شیعہ مذہب کا اقدام ہے جو سنی مذہب کے خلاف کیا گیا ہے اس کے علاوہ یزیدی نظام کا دفاع کرنے والے افراد اسے مذہبی رنگ دیتے ہیں ہمارے خیال میں بنی امیہ کا نظام اصل میں جاہلیت کا نظام تھا اور سنی مذہب سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اہل تسنن کو چاہیئے کہ تعصب و فرقہ واریت کے طوق سے آزاد ہو کر اپنے مذہب کو یزیدی مذہب سے الگ کریں اور یزید و بنی امیہ کے نظام کو سنی مذہب کا جزو تصور کرنے کی ہرگز کوشش نہ کریں ایسا کرنا خود سنی نظریات کی توہین ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا انقلاب پوری امت اسلامیہ کی نجات ، نظام الہٰی کی برقراری اور انسانیت کی آزادی کا پیغام لے کر آیا تھا لیکن اس انقلاب سے پوری امت اسلامیہ نے اس طرح فائدہ نہیں اٹھایا جس کے حضرت امام حسینؑ خواہشمند تھے۔ البتہ شیعیان علی علیہ السلام نے اس اقدام کو ہمیشہ اپنا نصب العین سمجھا اور اسے اسلام کی بقاء و استمرار کی شہ رگ قرار دے کر اپنا سارا وجود اس انقلاب کی نذر کر دیا اور انقلاب کے ہر مخالف سے نبرد آزما ہوئے۔ لہٰذا الزام تراش افراد کی جانب سے سانحۂ کربلا کو صرف شیعوں سے مخصوص کرنا اس سازش کا ایک حصہ ہے جو اس اقدام کے خلاف ایک منظم منصوبے کے تحت جاری و ساری ہے۔

تیغ لا چوں از میان بیروں کشید از رگ ارباب باطل خوں کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت سطر عنوان نجات ما نوشت

یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ برادران اہلِ سنت کی بڑی تعداد یزیدی نظام کو غیر اسلامی اور اس کے مؤقف کو وحشیانہ و بہیمانہ قرار دیتی ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے غم میں سوگوار ہوتی ہے۔

۶۔ فدا

انقلاب حسین علیہ السلام کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے آپؑ کے غمگساروں کی بڑی تعداد اس نظریہ کی قائل ہے کہ آپؑ کی شہادت کا مطلب اپنے جد بزرگوار حضرت رسول خداؐ کی گنہگار امت کے گناہوں کو معاف کرانا تھا۔ لوگ خواہ کتنے ہی زیادہ اور سخت ترین گناہوں کے مرتکب ہو جائیں اور کوئی بھی گناہ کبیرہ

کئے بغیر نہ چھوڑیں، ان کو تمام گناہوں سے معافی دلا کر جنت میں پہنچانے کی ضمانت حضرت امام حسین علیہ السلام نے دی ہے اور لوگوں پر جو فرض ہے وہ آپ کی مصیبت، بیان کرتے ہوئے رونا، رلانا، ماتم کرنا اور عزاداری کی مجالس منعقد کرنا ہے۔

جواب

میرے خیال میں یہ تفسیر باقی تمام تفاسیر سے زیادہ خطرناک ہے۔ دیگر انحرافی تفاسیر اور غلط بیانیاں تو غالباً امام حسین علیہ السلام کے دشمنوں کی سازش ہیں لیکن یہ تفسیر خود آپ کے ماننے والوں کی جانب سے پیش کی گئی ہے بیرونی دشمن نے تو انقلاب حسین علیہ السلام پر سامنے سے وار کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ یہ تفسیر نادانستہ سہی، انقلاب کے اہداف و مقاصد پر اس کی پشت سے خنجر کا وار کرنے کے مترادف ہے اس نظریئے سے کتنے ہی منفی اثرات ہماری زندگی پر مرتب ہوتے اور ہو رہے ہیں اس غلط تفسیر سے آپ کے اکثر عقیدت مند انقلاب حسینی کے حقیقی چہرہ سے ناآشنا رہے اور کتنے ہی لوگ بے عمل اور نام کی حد تک مکتب حسینی سے وابستہ ہیں۔ بہت سے لوگ دین، عبادت، مذہب اور نجات کو صرف سال میں ایک دو مناسبات سے آپؑ کے نام نامی پر منعقدہ مجالس میں شرکت کرنے میں منحصر سمجھتے ہیں اور شریعت کے باقی احکام، حلال و حرام اور واجبات وغیرہ کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت کا تذکرہ تو کجا کبھی کبھار تو اس کے خلاف نعرے لگاتے اور عمل کرتے نظر آتے ہیں اور پھر یہی حضرات بڑے فخر سے اپنے آپ کو مکتب حسینی کا پیرو بھی بتاتے ہیں۔

سانحہ کربلا انسان سازی کا مکتب ہے، انفرادی و اجتماعی تربیت گاہ ہے اور

انسانی زندگی کے ہر پہلو کی تعمیر و اصلاح کا بے مثال ذریعہ ہے

اس غلط تفسیر کرنے والوں کے نزدیک انقلاب حسین علیہ السلام اور اس کا ذکر، لاقانونیت اور انسانی وجود کی تباہی و بربادی کا مکتب ہے یہ انسان کے روحانی کمالات اور قربِ خداوندی کے حصولِ کے لئے راہنما و رہبر ثابت ہونے کی بجائے ان کی غلط تفسیر کے باعث اس راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے اور اس تفسیر کی مدد سے، صفات، کردار، نظریات اور اخلاق و سلوک کے اعتبار سے لاتعداد مجرم، گناہ گار اور بے عمل افراد کی تربیت کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ گویا اسلامی قانون اور احکام قرآن کو پامال کرنے والوں کی تعداد کم تھی انقلاب حسین علیہ السلام نے ان کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔

یہ تفسیر انقلاب حسینؑ پر کتنا بڑا الزام ہے اور یہ نہ صرف قیام حسینؑ کے اغراض و مقاصد کے ساتھ سراسر غداری ہے بلکہ خود امام حسین علیہ السلام کی توہین ہے دوسرے الفاظ میں اسلام و قرآن کے تابناک نظام اور آئمہ معصومین کے فرامین کو خیرباد کہنا ہے چنانچہ یہ نظریہ ائمہ معصومینؑ کی عملی زندگی کے سراسر خلاف ہے۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام پینتیس (۳۵) سال تک شہداء کربلا پر آنسو بہاتے رہے اور باقی آئمہؑ جن میں حضرت امام باقرؑ، امام صادقؑ اور امام رضاؑ (ع) سرفہرست ہیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی مجالس منعقد کرتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مجسمہ عمل بھی تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام مجسمہ عمل تھے۔ مکمل نظام اسلامی کا منہ بولتا نمونہ تھے اور آپؑ دوسروں کو اسی منزل تک لانا چاہتے تھے۔ اور اسی لئے یہ خونریز اور بے مثال انقلاب برپا کیا اس کی تفصیل باب سوم میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

ان کے علاوہ اور بھی نظریات واقوال ہیں لیکن وہ کسی نہ کسی لحاظ سے مذکورہ نظریات سے ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا جاتا۔

انقلاب حسین علیہ السلام کی بیان شدہ نوعیت وتفاسیر سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ نظریہ پیش کرنے والے کون تھے۔ غلط تفسیر کرنے والے یا اسے ناکام اور ناپختہ سمجھنے والے ان گروہوں میں منحصر ہیں۔

۱۔ **بنی امیہ اور یزید کے حامی:** اس گروہ میں محمد خضری مصری وغیرہ شامل ہیں جو قیام حسینی کو خلیفۃ المسلمین کے خلاف تحریک قرار دیتے ہیں۔ خضری نے اپنی کتاب "الدولتہ الاموبہ" میں ان حقائق کا کبھی انکار کیا ہے اور کبھی ان میں شک و شبہ پیدا کیا ہے جو عامۃ المسلمین کے نزدیک مسلمات میں سے ہیں اس نے کوشش کی ہے کہ واقعہ کربلا، واقعہ حرّہ (مدینہ) اور واقعہ مکّہ میں یزید کو بے گناہ سمجھا جائے اور جو کچھ ہوا اس کی ذمہ داری یزید کے مخالفین پر آئے۔

۲۔ **عظمت صحابہ کا دفاع کرنے والے:**

بنی امیہ کے ہوادار یزید کو حق بجانب قرار دیتے ہیں جس کا لازمہ حسینی اقدام پر تنقید ہے کیونکہ اس واقعہ میں بعض صحابہ کا عنصر پایا جاتا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک اصحاب رسولؐ ہر عیب و نقص سے پاک و مبرا ہیں اور ان کے غلط کام کو صحت پر محمول کرنا جزو ایمان تصور کیا جاتا ہے لہذا واقعہ کربلا میں ملوث اصحاب کی وہمی عظمت کی خاطر آل رسولؐ اور نواسہ رسول کی توہین آمیز تنقید بھی کی جائے تو ان کے نزدیک کوئی مسئلہ نہیں۔ چنانچہ جناب غزالی اور ان کے ہم خیال یہ کہتے ہیں:

"واعظین (مقررین) اور غیر واعظین کے لئے قتل حسین کے واقعات نقل کرنا حرام ہے۔

اور یہ کام اصحاب رسولؐ سے نفرت و عداوت کا سبب بنتا ہے [۱]"۔

یہ اصحاب کون تھے جن کا واقعہ کربلا سے کسی نہ کسی وجہ سے واسطہ تھا اور جنھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے اسباب فراہم کئے جناب غزالی نے ان کے نام تو بیان نہیں کئے مگر آپ اس کتاب کے آئندہ صفحات پڑھ کر ان سے ضرور آشنا ہو جائیں گے۔

۳۔ اسلام و مفہوم شہادت کی اہمیت و افادیت سے ناواقف اور ہر چیز کی کامیابی، مادی مظاہر میں منحصر کرنے والے افراد۔ جن میں اغیار (اکثر یورپی مورخین) کے علاوہ مسلمانوں کے کچھ افراد بھی شامل ہیں۔

۴۔ راحت طلب اور مفت میں جنت کا خواب دیکھنے والے افراد۔

۵۔ مفت پیسہ کمانے والے۔

۷۔ دو متضاد تہذیب و تمدن کا مقابلہ

سانحہ کربلا کی نوعیت، مادی مفاد اور ذاتی اغراض کی حدود سے باہر ہے مادہ اور مادیات کے دائرے سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے خلاصہ یہ کہ اس عظیم قیام اور تاریخ کی بے مثال جنگ و نزاع کی نوعیت اور اس کی تفسیر دو نظریہ ہائے حیات کے درمیان ناگزیر تصادم ہے ایک طرف جاہلیت کے نظریات، ثقافت اور تہذیب و تمدن تھا جس کے پروپیگنڈا اور امت اسلامیہ پر نافذ کرنے کا بیڑا یزید بن معاویہ نے اٹھایا تھا جبکہ دوسری طرف اسلامی ثقافت اور تہذیب و تمدن تھا جس کی حفاظت اور

۱۔ صواعق المحرقہ ص ۳۲۵، البدایہ ج ۸ ص ۲۲۳

تبلیغ فرزندِ رسولؐ حسینؑ ابن علیؑ پر لازم تھی۔

پورے اسلامی معاشرے کے کلیدی مواقع پہ جاہلیت کے افکار و عقاید کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی، جاہلانہ و طاغوتی ثقافت اور تہذیب و تمدّن کی بنیاد مستحکم سے مستحکم تر ہوتی جا رہی تھی۔ خلافتِ رسولؐ کے مقدّس منصب پر اسلام کے دیرینہ دشمن قابض ہو چکے تھے جو اس کی توہین و تباہی کی کوشش کر رہے تھے اور اپنے اس انتقامی عمل سے لطف اندوز ہوتے ہوئے وقتاً فوقتاً اپنے ناپاک عزائم کبھی علی الاعلان بیان کرتے تھے اور کبھی ڈھکے چھپے۔ بلاجرم قتل و غارتگری، خونریزی، جہالت، پراگندگی، تفرقہ بازی، وحشیانہ پن اور اخلاقِ رذیلہ و اعمال قبیحہ اس نظام بربریت کا جزو لاینفک تھا۔ اور جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے مشاہدہ کیا کہ روح جاہلیت و مادیت پر قائم شدہ نظام حکومت، اخلاق، نظریات، عقاید، اقدار اور باہمی معاملات غرضیکہ مسلمانوں کی پوری زندگی میں زہر قاتل بن کر تیزی سے سرایت کر رہا ہے اور اسے روکنے، اس کا ازالہ کرنے والا کوئی نہیں ہے تو آپؑ نے پوری جاہلیت کا مقابلہ کرتے ہوئے قیام کیا اور باطل کی تمام قوتوں کو للکارا تاکہ اس پھندے سے مسلمانوں اور بشریت کو نجات دلا سکیں۔

جاہلیت کے اس ہمہ گیر فساد تباہی کو ختم کرنے اور اسلامی نظریات، عقاید، ثقافت، تہذیب و تمدّن اور اخلاق، مختصر یہ کہ مکمل نظام الٰہی کی برقراری و حفاظت کا آپؑ نے بیڑا اٹھایا۔ اس لئے مذکورہ ان دو نظریات اور ان کے حامیوں کے درمیان میدانی جنگ و جدل منظرِ عام پر آنا ناقابلِ اجتناب حقیقت تھی۔ فرزند رسولؐ حضرت امام حسین ابن علی (علیہما السلام) اس ہدف کی راہ پر دل و جان سے گامزن ہوئے تاکہ اسلام کے نظریات اور اصولوں کو حیات ابدی بخش دیں۔

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید

نظام جاہلیت کی وضاحت

بنی امیہ کے نظام حکومت کو جاہلانہ نظام سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس عہد میں بسنے والے تمام افراد غیر مسلم تھے۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی معاشرے پر حاکم سیاسی، تعلیمی، عدالتی، اقتصادی اور اخلاقی وغیرہ نظام غیر اسلامی ہوں تو اس معاشرے کے تمام افراد بھی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اس کے برعکس یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اگر وہ تمام نظام اسلامی ہوں تو اس کی قلمرو میں زندگی بسر کرنے والے سب لوگ مسلمان ہوں گے اس لئے کہ افراد کے عقاید و نظریات کی نوعیت سیاسی و معاشرتی نظام سے مختلف بھی ہو سکتی ہے اور متفق بھی۔

چنانچہ ہجرت سے قبل مکہ کا نظام اور معاشرہ دونوں جاہلیت پر استوار تھے۔ جب کہ حضرت رسول اکرمؐ سمیت کچھ موحدین بھی موجود تھے۔ دورِ حاضر میں اسلامی جمہوریہ ایران کے علاوہ تمام اسلامی ممالک کے سیاسی اقتصادی، تعلیمی، اخلاقی اور قضائی مجموعی نظام کا ڈھانچہ غیر اسلامی اصول و نظریات پر مبنی ہے۔ لہذا اس قسم کے نظاموں کو جاہلی نظام سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن یہ جائز نہیں کہ مذکورہ ممالک میں بسنے والے مسلمانوں پر بھی اسی حکم کا اطلاق ہو۔

اسلام میں ہر چیز کا ہدفِ تخلیق، سمت کا تعین، حاکمیت کی نوعیت اور اس کے اہداف، معاشرے اور افراد کی فلاح و بہبود کے احکامات، اطاعتِ حاکم کی حدود، راعی و رعیت کے

تعلقات کے اصول، حاکم کے آئینی حیثیت حاصل کرنے کے طریقے اور بیت المال مسلمین کے متعلق قانون غرضیکہ ہر صغیرہ وکبیرہ کے بارے میں اسلام کا خاص نظریہ وحکم موجود ہے لہذا ہر وہ نظام جو اسلامی اصول ونظریات پر مبنی نہ ہو یا اس کے مخالف ہو لا محالہ جاہلیت کے نظریات وافکار پر قائم ہوتا ہے. جیسا کہ قرآنی آیات شاہد ہیں:

۱۔ "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین"۔ (آل عمران: ۸۵)

"اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواستگار ہوگا۔ وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ روز قیامت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔"

۲۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔ (مائدہ: ۴۴)

"اور جو لوگ اس کے مطابق حکم نہ کریں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا وہی کافر ہیں۔"

۳۔ "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون" (مائدہ: ۴۵)

"اور جو لوگ اس کے مطابق حکم نہ کریں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا وہی ظالم ہیں"۔

۴۔ "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون"۔ (مائدہ: ۴۷)

"اور جو لوگ اس کے مطابق حکم نہ کریں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا وہی فاسق ہیں"۔

۵۔ افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون"۔ (مائدہ: ۵۰)

کیا وہ جاہلیت کا (غیر اسلامی) فیصلہ ڈھونڈتے ہیں اور یقین کرنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے"۔

ہم مذکورہ بیانات کی روشنی میں بنی امیہ کی حکومت کو جاہلیت کی حکومت سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ اس کے نظریات وافکار کا واحد سرچشمہ جاہلیت کے مفاہیم اور

تہذیب و تمدن تھا جس کا آغاز دورِ یزید سے سالہا سال قبل ہو چکا تھا مگر اس کے دور میں جاہلیت عروج پر پہنچ چکی تھی اور کوئی چیز ڈھکی چھپی نہ رہی تھی۔ اس کی تفصیلات اس کتاب کے آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمایئے گا۔ اور یہ کتاب اس نظریہ کی بنیاد پر انقلاب حسین علیہ السلام کا تجزیہ و تحلیل پیش کرے گی۔

تیغ، بہرِ عزت دین است و بس
مقصد او حفظِ آئین است و بس

ماسوا اللہ را مسلمان بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

باب دوم

انقلابِ حسینؑ کے عوامل و محرکات

اقدام یزید کے عوامل ⁂ عوامل قریب ⁂ استحکام حکومت ⁂ یزید کی ولیعہدی ⁂ نظام جاہلیت صرف حسینؑ سے پریشان کیوں؟ خلاصہ کلام ⁂ تجدید بیعت ⁂ فرمانِ بیعت ⁂ ہر فریق کی جداگانہ حکمتِ عملی ⁂ حضرت امام حسینؑ کو شبانہ طلب کرنے کی وجوہات ⁂ پہلی تدبیر ⁂ دوسری تدبیر ⁂ موقفِ مروان کی وضاحت ⁂ اعلان انقلاب ⁂ مکہ میں قتل کا منصوبہ ⁂ آخری منصوبہ ⁂ سیاسی چال ⁂ قرابت نامطلوب تھی ⁂ انتقام ⁂ جسمانی انتقام ⁂ ابوسفیان کا اسلام ⁂ والئ مدینہ کی خوشی ⁂ اسلام سے دشمنی اسلامی نظام کا خاتمہ ⁂ ابوسفیان کا قبولِ اسلام ⁂ یزید کا کردار ⁂ نظام جاہلیت کی برقراری ⁂ عوامل بعید ⁂ سقیفہ کے نتائج ⁂

انحراف ٭ اختلاف و افتراق ٭ حکومت پر قبضہ کرنے کا عام موقع ٭ علوم آل محمد علیہم السلام سے ملتِ اسلامیہ کی محرومی ٭ شوریٰ ٭ شام پر معاویہ کی طویل حکومت مرکزی حکومت کا معاویہ کے ساتھ سلوک ٭ خالد کی معزولی ٭ ابوہریرہ کی برطرفی ٭ سعد بن ابی وقاص ٭ انحراف ٭ اقتصادی انحراف ٭ سیاسی انحراف ٭ فقہی انحراف ٭ مرکزی حکومت کے متوازی حکومت ٭ مرکزی حکومت کے ہر مخالف کی پناہ گاہ ٭ دہشت گردی ٭ عمال معاویہ کے کارنامے ٭ بیت المال المسلمین سے لوگوں کے ضمیر خریدنا ٭ وضع احادیث ٭ حدیث ساز فیکٹری ٭ سب وشتم ٭ احکام اسلامی میں کھلم کھلا تبدیلی ٭ نماز جمعہ ٭ شراب نوشی ٭ سودی معاملہ ٭ حرام ملبوسات کا استعمال ٭ زیاد کا استلحاق ٭ یزید کی ولیعہدی ٭ حکومت بنی امیہ کے برے نتائج ٭ نظام جاہلیت کے بارے میں امام حسین علیہ السلام کا موقف ٭ حسینی کانفرنس ٭ دور یزید ٭ حسینی اقدام کے عوامل ٭

سانحۂ کربلا ۶۱ ہجری میں رونما ہوا اور ابھی تک اس کے اسرار و رموز انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہیں، ان کو الفاظ و عبارات کی شکل دینا کاتب و مورخ کی قدرت و فکر سے بہت باہر ہے۔ بس اتنا کہا جاسکتا ہے کہ انقلاب حسینؑ اپنے اہداف و مقاصد اور عظمت، ذرائع و وسائل، انسانی بیداری اور اس کے مثبت آثار و نتائج کے لحاظ سے بے مثال کارنامہ ہے تاہم ہر فرد اپنے خیال و استطاعت کے مطابق عظمت و بلندی کے اوقیانوس، بحر اسرار و رموز، اخلاقی دروس اور انسانی کردار سازی کے اس بے نظیر نمونہ کے بارے میں قلم اٹھانا سعادت سمجھتا ہے۔

یہ ایک فطری سوال ہے جو ہر انسان کے ذہن میں انسان ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس انقلاب اور عظیم اقدام کے محرکات و عوامل کیا ہیں؟ اس سوال کا جواب ایک لفظ میں نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ واقعہ کربلا وقتی امور یا عوامل اور محرکات کے نتیجے میں وجود پذیر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کے عوامل و محرکات نہایت گہرے ہیں اور یہ تاریخی وقائع و حوادث کے تسلسل کا قہری نتیجہ تھا۔ لہذا اس زاویہ نگاہ سے اور تاریخی پس منظر کی روشنی میں اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔[1]

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی شخصیت یا تاریخ کے بڑے یا چھوٹے حادثے کو سمجھنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ اس کے مد مقابل کا بغور جائزہ لینا ہے۔ اس حادثے یا شخصیت کے حریف کو صحیح طرح سمجھنا اور اس کے اہداف وعزائم، افکار و نظریات کا درست اندازہ لگانا اس حادثے یا شخصیت کا چہرہ نمایاں کرنے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ہر چیز اس کی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ لہذا قیام امام حسین علیہ السلام کے محرکات کیا تھے؟ آپؑ

---

[1] اس کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں پیش ہوگا۔

کے مقاصد کیا تھے؟ ان سوالوں کا جواب آپؑ کے حریف یزید بن معاویہ کے اہداف وعزائم کا جائزہ لینے سے واضح ہو جاتا ہے۔

واضح رہے کہ سانحہ کربلا کو وجود دینے میں پہل یزید نے کی تھی چنانچہ اس نے اپنے والد کی ہلاکت کے فوراً بعد والیٔ مدینہ ولید بن عتبہ کو مامور کیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر[1] سے جبراً بیعت طلب کرے بصورت دیگر ان کے سر قلم کر دیے جائیں [2]

یزید کے اس عاجلانہ اور شدید حکم کے عوامل واسباب کیا تھے؟

کیا صرف بیعت سے انکار کرنا آپ کے قتل کا جواز فراہم کر سکتا ہے؟۔

خاص کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ سختی اور تشدد کی سیاست اپنانے کی کیا وجہ تھی؟

باب اوّل میں بیان کر چکے ہیں کہ واقعۂ کربلا دو قبیلوں کے دیرینہ اختلافات کے نتیجے میں ہونے والا تصادم نہیں تھا بلکہ دو نظاموں اور تہذیب و تمدن کے درمیان نزاع و کشمکش کا جبری نتیجہ تھا۔ یہ دو نظریات کی جنگ تھی۔ یزید اور اس کے خاندان کو اگر سماجی و فکری پس منظر اور ان کے افکار و نظریات کی روشنی میں دیکھا جائے تو کچھ ایسے عوامل و محرکات نظر آتے ہیں جنہوں نے یزید کو اس کے باپ معاویہ کی موت کے بعد جلد از جلد کوئی اقدام کرنے پر آمادہ کر دیا تاکہ وہ اپنے نظریات و مفاد کا تحفظ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی کرسی کو درپیش خطرہ بھی ٹال سکے۔

ح ۱ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا نام بھی ان افراد میں شامل ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا انتقال عہد معاویہ ۵۸ھ میں ہو چکا تھا (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۹)

ح ۲ طبری ج ۳ ص ۳۲۹

اقدام یزید کے عوامل

عموماً ہر حادثہ کے دو قسم کے عوامل ہوا کرتے ہیں :

ا۔ عوامل قریب ۔　　　　　　　　اا۔ عوامل بعید ۔

سانحہ کربلا کے عوامل قریب میں درج ذیل عوامل شامل ہیں :

ا۔ استحکام حکومت ۔

ب۔ خاندانی انتقام ۔

ج۔ اسلامی نظام کا خاتمہ ۔

د۔ نظام جاہلیت کا نفاذ و برقراری ۔

عوامل بعید وہ ہیں جو امت اسلامیہ میں تفرقہ اندازی، اختلافات پیدا کرنے اسلامی نظام اور قانون سے انحراف اور بالآخرہ بنی امیہ کو خلیفہ کے عنوان سے تخت نشین کرنے کا باعث بنے۔ اس قسم کے انحرافات کی بنیاد درج ذیل ہے :

ا۔ واقعہ سقیفہ

ب۔ شوریٰ

ج۔ وہ تمام فکری، سیاسی، اقتصادی، عقایدی اور عملی انحرافات اور غیر عادلانہ رویہ جو خطِ امامت سے منحرف ہونے کا نتیجہ ہیں ۔

د۔ شام پر معاویہ کی طویل حکومت

ان علل و اسباب کا جائزہ لینے کے بعد ہم دیکھیں گے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے نزدیک اسباب و محرکات درکار تھے ۔

عوامل قریب

۱۔ استحکام حکومت

عموماً ہر نئی حکومت ضعیف و کمزور ہوا کرتی ہے۔ کسی حکومت کی مشنری میں مکمل تبدیلی یا کم سے کم سربراہ تبدیل ہونے اور اس کے تمام اختیارات کی منتقلی، نئی حکومت کے لئے ایک عرصہ تک باعث پریشانی بنی رہتی ہے۔ اس دوران جدید حکومت نہایت سخت اقدامات اور تدابیر کرتی ہے تاکہ امور مملکت مکمل طور پر حسب معمول چل پڑیں۔

دوسری طرف حزب مخالف کو موقع ملتا ہے کہ وہ صدائے مخالفت بلند کرے اور عوام کو سابقہ حکومت کی خامیوں، زیادتیوں اور ناانصافیوں سے آگاہ کرے تاکہ اس غیر یقینی اور متزلزل حالات میں وہ عوام کی تائید حاصل کر سکے۔

چنانچہ اگر نئی حکومت اور جدید مشنری سابقہ حکومت کے ایما پر آئی ہو اور اس کے پاس سابقہ حکومت کی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کے دلائل موجود ہوں۔ تو حزب مخالف دونوں حکومتوں کو یکساں طور پر نشانۂ تنقید بنائے گی اگر نئی حکومت سابقہ حکومت کی نعم البدل ہو اور سابقہ حکومت کی کوششوں سے اس نئی حکومت کی بنیاد رکھی گئی ہو تو لامحالہ حزب مخالف جدید حکومت کے وجود کو سابقہ عہد کے گناہوں میں سے ایک گناہ اور اسے اس کا دوسرا وجود تصور کرے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ حزب مخالف کو اس وقت اور زیادہ تقویت ملے گی۔ جب نئی حکومت عوام کی نگاہ میں غیر آئینی ہو اور اسے عوام پر جبراً مسلط کیا گیا ہو۔ لہذا مخالف پارٹیوں یا ناراض افراد کی جانب سے اس پر تنقید اور اس

کی مذمت زیادہ سے زیادہ ہوگی۔

یزیدی حکومت میں یہ تمام بری صفات موجود تھیں اور اس میں کسی خوبی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اولاً وہ حکومت غیر قانونی تھی ثانیاً امت اسلامیہ کے نزدیک اس کا مقابلہ کرنا قرآن اور تعلیمات اسلامی کے مطابق ایک فریضہ تھا۔ اگر اس سے مقابلہ و جہاد نہ بھی ہوتا تو بھی یہ مسلم تھا کہ کم از کم یزید کی بیعت توڑ کر مسلمانوں کی مرضی کے مطابق کسی با صلاحیت فرد کو بحیثیت حاکم یا خلیفۃ المسلمین منتخب کیا جائے۔ گویا خلیفہ کے تعین کا اسلامی اصول، صرف خاندانی وجاہتوں، نسلی رشتوں اور طاقت کے بل بوتے پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اوصاف تقویٰ و ایمان اور مسلمانوں کی خیر سگالی کے عنصر کو مدنظر رکھا گیا ہے یزید بن معاویہ ان تمام اوصاف و کمالات سے عاری تھا جو حاکم اسلامی میں ہونا لازمی ہیں اس وقت لوگوں کی زبانیں اگر خاموش تھیں تو تلوار کے خوف سے نہ کہ خدا کے خوف سے۔

بنی امیہ کی نئی حکومت، جس کا مطلق العنان سربراہ یزید تھا۔ مندرجہ بالا امورات سے دو چار تھی۔ اس نے سابقہ حکومت کی ہدایت اور مدینہ میں یزید کی بیعت کے وقت چشم دید واقعات اور اپنے مشاہدات سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ نئی حکومت کو صرف اور صرف مدینہ سے خطرہ ہے لہذا اس خطرے کو جلد از جلد دور کرنا چاہیے چنانچہ یزید نے اپنے کام کا آغاز مدینہ ہی سے کیا۔

سابقہ حکومت کا کردار

نظام جاہلیت کی جو حکومت یزید کو ورثے میں ملی تھی وہ کوئی کم خرچ حکومت نہیں

تھی۔ معاویہ نے اس کے استحکام اور اس کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے مال و دولت پانی کی طرح بہایا۔ اور پوری قوت و طاقت سے اس کی حفاظت کی۔ ایک طرف تو انہوں نے بیت المال المسلمین کے دروازے کھلے رکھے اور سیم و زر سے بہت سے لوگوں کو خرید لیا یا کم سے کم ان کی زبانیں بند کر دیں دوسری طرف اقتدار کے لالچیوں کو سرکاری عہدوں کا لالچ دے کر اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اس کے علاوہ حق پرست اور باطل کے سامنے نہ جھکنے والوں کو تیز تلوار کا خوف دے کر ان کو زبان کھولنے کی جرأت تک نہ ہونے دی۔

معاویہ نے اس اموی حکومت، جو جاہلیت کا اعلیٰ اور واضح نمونہ تھی کی بنیاد ڈالنے اور اسے مستحکم و غیر متزلزل بنانے کے لئے کیا کیا جرائم نہ کئے اور اس کے لئے انہوں نے انسانی اور اسلامی اصولوں کو بھی پامال کیا۔ انہوں نے یہ سب کچھ منظور کیا لیکن اپنے ہدف سے دستبردار نہیں ہوئے۔ حکومت جاہلیت کی خاطر مسلمانوں کے آئینی خلیفہ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت سے انکار کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے خلاف انہوں نے بغاوت تک کی اور جنگ صفین میں مرنے والے ہزاروں افراد کی ذمہ داری بھی قبول کی۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے زیر حکومت شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں بلا جرم قتل و غارت اور دہشت گردی کا بازار گرم رکھا جس میں معاویہ کے صرف ایک جرنیل "بسر بن ابی ارطاۃ" نے تیس ۳۰ ہزار مسلمانوں کو شہید کیا۔ یہ ان افراد کے علاوہ ہیں جن کو جلا دیا گیا تھا۔[1]

یہ کارروائی اس روش کے علاوہ تھی جو معاویہ نے اپنے حریفوں کو خاموشی سے

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۷

قتل کرنے کی اپنا رکھی تھی۔ جس پر ایک منصوبے کے تحت مکمل طور پر عمل ہو رہا تھا۔ اور اسی کے تحت حضرت امام حسن علیہ السلام سمیت دیگر بہت سی مقتدر شخصیات کو قتل کیا گیا۔

امر واقع یہ ہے کہ نظام جاہلیت کی حکومت کی برقراری اور استحکام کے عوامل و اسباب مسلمانوں کے خون، بیت المال مسلمین سے عطیات اور انسانی اصولوں کی خلاف ورزی و پامالی میں پائے جاتے ہیں۔ لہذا یہ کہنا درست ہے کہ یزیدی حکومت جاہلیت خود معاویہ کی پوری زندگی کا نچوڑ تھی۔ چنانچہ معاویہ کو اپنی زندگی کے آخری لمحات تک یزیدی حکومت کی فکر تھی اور وہ مرض الموت تک اس کو درپیش متوقع خطرات کی نشاندھی کرتے رہے۔

اپنے آخری وقت میں معاویہ نے اپنی ان تمام کوششوں کا تذکرہ کیا جو انہوں نے اقتدار و سلطنت کے استحکام کے لئے کی تھیں چنانچہ انہوں نے یزید سے مخاطب ہو کر کہا:

بیٹا! میں نے تمہیں کوچ و مقام کی زحمتوں سے بچا لیا۔ اور تمہارے لئے تمام انتظامات مکمل کر لئے، تمام دشمنوں کو تمہارے سامنے سرنگوں کر دیا، پوری عرب قوم کی گردن تمہارے آگے جھکا دی اور سب کو تم پر متفق کر دیا ہے مگر اس امر خلافت میں جو تمہارے لئے مکمل ہے مجھے قریش کے چار آدمیوں سے کھٹکا ہے۔ حسین ؑ بن علی ؑ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر۔[1]

یزید کو یہ ہدایت انہوں نے براہ راست کی تھی، مگر اس سے بھی انہیں دلی اطمینان نہیں ہوا دوسری بار وہ تاکیدی وصیت کرنا چاہتے تھے مگر اس وقت یزید دمشق سے باہر

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۶۰۔ البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۱۱۵۔ تذکرہ الخواص ص ۲۱۲۔۲۱۳

مقام "حوارین" پر شکار اور عیش و نوش میں مصروف تھا۔[1]

زندگی کے آخری لمحات میں ہر فرد کو آخرت کی فکر ہوتی ہے اور توبہ، استغفار اور ذکر خدا کا سلسلہ اس کی زبان پر جاری رہتا ہے۔ مگر یہ معاویہ ہیں جنہیں کوئی فکر لاحق تھی تو یزیدی حکومت کے استحکام کی تھی انہوں نے اس کی مضبوطی کی خاطر جائز و ناجائز مختلف تدابیر اختیار کرنے کی ہدایات مسلسل جاری رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پریس آفیسر "ضحاک بن فہری" اور پہرہ داروں کے سردار "مسلم بن عقبہ"[2] کو بلا کر یہ وصیت یزید تک پہنچانے کا حکم دیا:

اہلِ حجاز کے ساتھ مراعات سے کام لینا۔ جو لوگ وہاں سے دارالسلطنت میں آئیں ان کے ساتھ احترام سے پیش آنا اور وہاں کے جو اشراف یہاں سے دور ہیں وقتاً فوقتاً ان کی بھی خبر گیری کرتے رہنا۔ اہلِ شام کو اپنا دست و بازو اور چشم دگوش بنائے رکھنا اور انہیں صوبہ شام سے باہر زیادہ عرصہ تک نہ رہنے دینا کہ کہیں دوسرے مقامات کے اخلاق و اوصاف ان میں سرایت کر جائیں ..... مجھے اس (یزید) کے خلاف صرف چار آدمیوں سے خوف ہے[3]۔" (مذکورہ چار افراد کا نام لیا)

یزید کی ولیعہدی

معاویہ کا مذکورہ کردار استحکام سلطنت کے لئے ان کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھا

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۶۳۔ الفتوح ج ۴ ص ۲۶۵۔

[2] مسلم بن عقبہ وہی شخص ہے جس نے یزید کے حکم پر مدینہ رسولؐ میں قتل عام کیا تھا۔

[3] الاخبار الطوال ص ۲۳۷۔ طبری ج ۳ ص ۲۶۰، مگر طبری میں عبدالرحمٰن کا نام نہیں ہے۔

مگر اس کے علاوہ انہوں نے سرکاری سطح پر بھی بے انتہا کوشش کی کہ یزیدی حکومت کو آئینی حیثیت حاصل ہو جائے اور وہ ان کے تخت وتاج کا وارث بنے ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ ان کے بیٹے یزید کو ان کا جانشین مقرر کیا جائے اس سلسلے میں مذکورہ کوششوں کے ذریعے وہ ایک حد تک ماحول ہموار کر چکے تھے۔ فی الحال وہ یزید کو سرکاری طور پر ولیعہد بنانے کے تمہیدی مراحل میں مصروف تھے۔ معاویہ کو پرواہ نہیں تھی کہ یزید کو ولیعہد بنانے سے اس معاہدہ صلح کی خلاف ورزی ہو رہی ہے جس پر اس نے خود دستخط کئے تھے اور اسے اپنے ہاتھ سے امام حسن علیہ السلام کے حوالے کیا تھا۔ اس معاہدہ کی رو سے کسی کو ولیعہد بنانے یا جانشین مقرر کرنے کا حق اسے حاصل نہیں تھا لیکن یہ سیاسی چال تھی ان کی سیاست کا مفہوم غیر اسلامی (جاہلیت کے) نقطہ نگاہ سی یہی تھا جو وہ خود کر رہے تھے۔

اسی طرح اس امر کی بھی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی کہ یزید جیسے بدکردار فرد کو مسلمانوں پر مسلط کرنے سے ان تمام شرائط اور اصول حکمرانی کی نفی ہوتی ہے جن کا حاکم اسلامی میں ہونا اسلامی نظام سیاست کی رو سے لازمی قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ بھی معلوم ہے کہ بنی امیہ کب اسلامی نظریات واصول زندگی اور تعلیمات قرآن کے پاسبان تھے؟

معاویہ نے اس حقیقت کو بھی درخور اعتنا نہ سمجھا کہ یزید کی ولیعہدی میں پوری اسلامی امت کی تباہی پوشیدہ ہے۔

بنی امیہ اور وہ اشخاص جنہوں نے مصلحت کی خاطر اسلام قبول کیا اور مسلمانوں سے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے سر تسلیم خم کیا ہو، مسلمانوں کے خیر خواہ بن بھی کیسے سکتے ہیں؟

معاویہ نے محسوس کر لیا کہ اپنے مخالفین کا قلع قمع کرنے کے بعد میدان خالی ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کو اپنی میراث بنا لیں اور وہ ایسا طریقہ سوچ رہے تھے جس کے ذریعے وہ اپنی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنا سکیں گویا کہ نقشہ موجود، ماحول ایک حد تک آمادہ اور اعوان و انصار کی بھی کوئی کمی نہ تھی صرف طریقہ نفاذ کی ضرورت تھی۔

اس جمود و تعطل کو عرب کے مشہور سیاستدان مغیرہ ابن شعبہ نے توڑا اور یزید کی ولیعہدی کی پیشکش کی۔[1]

اس پیشکش پر معاویہ بہت خوش ہوا اور اس کے صلے میں انہوں نے اسے کوفہ کی گورنری پر برقرار رکھا اس نے معاویہ کو اطمینان دلایا کہ یزید کی ولیعہدی کی قبولیت کے لئے کوفہ کا ماحول سازگار کرنے کی ذمہ داری اس کی ہے اور بصرہ میں یہ کام زیاد (معاویہ کا سیاسی بھائی) انجام دے گا۔ ان دو مقامات کے بعد تیسرا کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں یزید کی ولیعہدی کی مخالفت کی جرأت کی جا سکے۔

مغیرہ کوفہ کی گورنری کی بحالی پر خوشی و مسرت کے عالم میں کوفہ واپس آیا اور کوفہ کے ضمیر فروش اور بنی امیہ کے ہواداروں میں سے دس افراد کو تیس ہزار درہم رشوت دے کر ایک وفد کی شکل میں اپنے بیٹے "موسیٰ ابن مغیرہ" کی زیر قیادت دمشق بھیجا۔ اس وفد نے

---

[1] الامامہ والسیاسہ ج ۱ ص ۱۴۲، طبری ج ۳ ص ۲۴۸۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۷۹۔
بعض حضرات کا قول ہے کہ اس ولیعہدی کا اصل محرک مغیرہ ہے اگر وہ یہ تحریک نہ چلاتا تو قیامت تک انتخاب کا اصول برقرار رہتا (شہید انسانیت ص ۱۵۰ ؛ خلافت ملوکیت ۱۵۰) میرے خیال میں یہ تاریخ، معاویہ کی نفسیات کے خلاف ہے۔ "ابن کثیر" کی روایات کے مطابق اس نے یزید کے بچپن ہی سے اس کیلئے خلافت کا وعدہ کر رکھا تھا۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں "البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۱۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق معاویہ سے یزید کی نامزدگی کی درخواست کی۔ معاویہ اس درخواست کی حقیقت اور اس کا محرک خوب سمجھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے موسیٰ سے علیحدگی میں پوچھا:

"سچ بتاؤ! تمہارے باپ نے ان لوگوں کے دین وایمان کو کتنے میں خریدا ہے؟

موسیٰ نے جواب دیا: تیس ہزار درہم میں۔ معاویہ نے کہا: معاویہ نے کہا تب ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے"[1]

اسی زمانہ میں معاویہ نے تمام اسلامی ممالک کی بڑی بڑی ہستیوں کو بظاہر مشاورتی کونسل کا اجلاس منعقد کرنے کے لئے طلب کیا مگر ان کا اصل مقصد اس میں یزید کا معاملہ پیش کرنا تھا چنانچہ انہوں نے اس اجلاس کے انعقاد سے قبل "ضحاک بن قیس فہری" کو خلوت میں بلا کر سمجھایا کہ میرا خطبہ تمام ہوتے ہی تم کھڑے ہو کر یزید کی تعریف کرنا اور یزید کو ولیعہد بنانے کی تحریک پیش کرنا۔

اس کے علاوہ معاویہ نے چند ضمیر فروشوں کو بلا کر حکم دیا کہ وہ سب ضحاک کی بات کی تائید کریں اس گروہ میں یہ افراد شامل تھے۔

۱۔ عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی ۲۔ عبداللہ بن مسعدہ فزاری ۳۔ ثور بن معن سلمیٰ اور ۴۔ عبداللہ بن عصام اشعری۔

حسب پروگرام اجلاس منعقد ہوا۔ تقریریں اور جوابی تقریریں ہوتی رہیں۔ اکثر لوگوں نے خوشامدانہ تقریریں کیں اور یزید کی ولیعہدی کو ایک مناسب اقدام قرار دیا۔ اس کی تعریف اور ثناخوانی کا یہ عالم تھا کہ وہ خود اپنے بارے میں ایسی تعریف اور اوصاف کا تصور تک نہیں

---

[1] تاریخ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۱۴۔ خلافت و ملوکیت ص ۱۴۹

کرسکتا تھا۔

اجلاس میں چاپلوسی اور غلامی کا پہلو نمایاں تھا۔ صرف عراق کے وفد کے قائد احنف بن قیس" کی جانب سے کھلم کھلا مخالفت ہوئی اور اس نے اس اقدام کو معاہدہ صلح کی خلاف ورزی قرار دیا اور کہا کہ جب تک حسنؑ بن علیؑ زندہ ہیں عراق میں کوئی فرد یزید کی بیعت نہیں کرے گا۔ "ضحاک بن قیس" نے "احنف بن قیس" کی مخالفت کی اور پیش کردہ تحریک کا سختی کے ساتھ بھرپور دفاع کیا۔ اس کارنامے کے صلے میں اسے کوفہ کی گورنری پر فائز کیا گیا اور عبدالرحمٰن" کو "الجزیرہ" کا والی بنایا گیا۔

دوران اجلاس ایک گوشے سے یزید بن مقنع نے کھڑے ہو کر ولیعہدی کی تحریک کی تائید کرتے ہوئے ہاتھ کے اشاروں اور زبان سے کہا۔

"امیرالمؤمنین یہ (معاویہ) ہیں اور اگر یہ مر جائیں تو یہ (یزید) ہیں اور جو اس سے انکار کرے تو اس کے لئے یہ (تلوار) ہے۔"

معاویہ نے یہ کلام بہت پسند کیا اور کہا۔

"اجلس وانت سید الخطباء واکرمهم"[1]

بیٹھ جاؤ! اور تم خطیبوں اور مقررین کے سالار ہو۔"

غوث ولالچ سے مغلوب اس ماحول میں معاویہ نے اپنے خیال کے نفاذ کا کام شروع کیا اور لوگوں سے یزید کی بیعت طلب کی۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے آکر معاویہ و یزید دونوں کو سلام کیا اور پھر کہا:

---

[1] الامامہ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۴۳-۱۴۸۔ حیاۃ الحسن ج ۲ ص ۲۲۳-۲۲۸۔ مروج الذھب ج ۲ ص ۳۷۔ العقد الفرید ج ۴ ص ۱۶۲۔ اس میں امام حسنؑ کا نام نہیں ہے۔

اے امیر المومنین! اگر آپ یہ کام نہ کرتے تو مسلمانوں کے بہت سے امور ضائع ہو جاتے"۔

معاویہ نے "احنف بن قیس" سے پوچھا۔

ابو بحر! (قیس کی کنیت) تم کیا کہتے ہو؟

انہوں نے کہا:

"اخاف اللہ اذا کذبت واخافکم اذا صدقت"

یعنی "اگر جھوٹ بولوں تو خدا کا ڈر ہے اور اگر سچ بولوں تو آپ کا ڈر ہے، ہمارا کام تو بس یہ ہے کہ جو حکم ملے اس پر "سمعنا واطعنا" کہہ دیں[1]۔

معاویہ نے تمام اسلامی ممالک میں لوگوں سے یزید کی بیعت لینے کے لئے اپنے گورنروں کو احکامات ارسال کر دیئے جن کی گورنروں نے تعمیل کی لیکن مروان جو اس وقت مدینہ کا حاکم تھا۔ اس مراسلے کو پڑھتے ہی غیظ و غضب سے بر افروختہ ہو گیا اور اس نے فوراً دمشق جا کر معاویہ سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا وہ وہاں پہنچا اور یزید کی نااہلیت بیان کرتے ہوئے اس نے کہا:

"آپ چھوکروں کو امیر و سردار بنانے سے باز آئیں۔ آپ کی قوم میں ایسے افراد موجود ہیں جو یزید سے زیادہ موزوں ہیں۔"

معاویہ نے حسب معمول اسے دھوکہ دینے سے دریغ نہ کیا اور کہا:

"مروان! خفا نہ ہو۔ یزید کے بعد ہم نے تمہیں ہی اس کا ولیعہد قرار دیا ہے"۔

یہ جواب سن کر مروان خوش اور اس کا غصہ ختم ہو گیا وہ مدینہ واپس آیا اور بزرگ صحابہ کو جمع کر کے ان میں ایک زوردار تقریر کی جس میں یزید کو نیک کردار اور باعمل فرد قرار دیا۔ لیکن

---

[1] العقد الفرید ج ۴ ص ۱۶۱، ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۵۰، تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ۳۳۰، البدایۃ والنہایہ ج ۸ ص ۸۰

اہلِ مدینہ کی طرف سے یزید کی بیعت اجماعاً مسترد کردی گئی۔

دوسری طرف معاویہ نے "مروان" سے نہ صرف ولیعہدی کی وعدہ خلافی کی بلکہ مدینہ کی گورنری سے بھی اسے معزول کردیا۔[1] اور اس کی جگہ "ولید بن عقبہ" کو لے آیا۔ جس نے مرکزی حکومت کو مدینہ کی صورت حال سے آگاہ کیا۔ اب معاویہ نے خود مدینہ جاکر حالات پر قابو پانے کا فیصلہ کیا۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ معاویہ نے اس سے قبل بھی اس مقصد کے لئے مدینہ کا سفر کیا تھا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا اور مدینہ کی تمام با اثر شخصیات نے جن میں حضرت امام حسین علیہ السلام، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمر وغیرہ شامل تھے، یزید کی بیعت کو مکمل طور پر ناجائز اور قیصر وکسریٰ وہرقل کی مثل قرار دیا۔ معاویہ نے انہیں دھمکایا بھی لیکن وہ سب اپنے اسی موقف پر قائم رہے۔

معاویہ نے اس مرتبہ ۵۶ھ میں دوبارہ مدینہ کا رُخ کیا اور مخالفین بیعت سے اس کی کافی گفت وشنید ہوئی جو لاحاصل رہی معاویہ کو مدینہ کے حالات کی سنگینی کا بشدت سے احساس ہوا۔ اس نے ہر با اثر آدمی سے بیعت تسلیم کرانے کی اپنی مہم جاری رکھی۔ کبھی معاویہ کا انداز نرم ہوتا اور کبھی سخت مگر کامیابی کے کوئی آثار نہیں تھے بالآخرہ وہ تین دن کے لئے گوشہ نشین ہوگیا اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کردیا تین دن کے بعد اس نے لوگوں کو مسجد نبویؐ میں جمع کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے یزید کی تعریف پر مشتمل اپنی تقریر میں کہا:

" اے اہلِ مدینہ! عالم اسلام کے تمام علاقوں میں یزید کی بیعت کا کام مکمل ہوچکا

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۳۸

ہے. صرف آپ (اہل مدینہ) نے اس کی بیعت میں تاخیر کی ہے۔ اگر میرے علم میں کوئی ایسا فرد ہوتا جو یزید سے بہتر ہے تو میں خود اس کی بیعت کر لیتا۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام نے کھڑے ہو کر فرمایا:

اللہ کی قسم! تم نے ایسے شخص کو چھوڑ دیا ہے جو یزید سے کردار اور خاندان دونوں لحاظ سے بہتر ہے۔"

معاویہ سمجھ گیا کہ اس سے آپؑ کی کیا مراد ہے۔ چنانچہ اس نے کہا:

"اپنے اس کلام سے آپؑ کی مراد خود آپؑ سے ہے۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"ہاں"۔

معاویہ رسوا ہو گیا۔ کیونکہ مسلمانوں کا بچہ بچہ یہ جانتا تھا کہ یزید فاسق و فاجر اور زانی ہے اسے خیر الناس قرار دینا کسی طرح بھی حقیقت پر مبنی نہیں ہے اور مدینہ منورہ میں بلند اخلاق، باکردار اور صاحب کمالات ایسی ہستیاں موجود ہیں جن کو چھپایا نہیں جا سکتا

معاویہ گھر واپس آیا اور مخالفین کو تنہائی میں بلا کر اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے کہا:

"اب تک تو میں تم لوگوں سے درگزر کرتا رہا ہوں۔ خدا کی قسم! اب اگر تم لوگوں میں سے کسی نے میری بات کی تائید یا تردید میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسرا لفظ زبان سے ادا ہونے کی نوبت نہیں آئے گی اور تلوار اس کے سر پر پڑ چکی ہو گی۔

پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو حکم دیا:

"ان میں سے ہر ایک پر دو دو آدمی مقرر کرو اور ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار ہو اور ان

ص۱ الامامہ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۶۲

میں سے جو کوئی میری بات کی تائید یا تردید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دو"

پھر وہ ان کو لے کر مسجد میں آیا اور اعلان کیا :

"یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ ہیں جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا۔ یہ یزید کی ولیعہدی پر راضی ہیں اور انہوں نے بیعت کر لی ہے لہذا تم لوگ بھی بیعت کر لو[1]"

نظام جاہلیت صرف حسین علیہ السلام سے پریشان کیوں؟

معاویہ نے اپنے مخصوص ذرائع، جھوٹ، تہدید، منافقت اور قتل و غارتگری پر مشتمل ہوا کرتے تھے استعمال کئے تاکہ ہر صورت میں حکومت یزید کو متوقع خطرات سے بچایا جا سکے اور اس کے استحکام کے اسباب فراہم کئے جا سکیں لیکن وہ اپنے تشدد اور جبری اقدامات سے بھی مطمئن نہیں تھا۔ مخالفت و مزاحمت کا خطرہ ہمیشہ مجسم ہو کر اس کے سامنے آتا رہتا تھا اور یہ بھی صرف اور صرف حسین ابن علی (علیہما السلام) کی ذات مبارک سے تھا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جس سے خود معاویہ بھی واقف تھا کہ حسینؑ بن علیؑ ہمہ گیر اور پرکشش شخصیت ہیں اور عالم اسلام کا مطمع نظر حسین علیہ السلام ہی ہیں جو ہر لحاظ سے غیر معمولی ہستی ہیں۔ لہذا معاویہ یہ بات اظہر من الشمس سمجھتا تھا کہ اگر بنی امیہ کی حکومت کو کوئی خطرہ ہے تو اس کا سرچشمہ صرف امام حسین علیہ السلام ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام

---

[1] یہ واقعہ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۵۲ کے مطابق مکہ میں اور الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۶۳ کے مطابق مدینہ میں پیش آیا۔

اور دیگر احزاب مخالف کے قائدین میں نمایاں فرق یہ تھے :

۱۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلے میں کوئی فرد ایسا نہیں تھا جو عالم اسلام میں آپؑ کی مانند مقبول، باکردار اور با اثر ہو[۱]

۲۔ حسین بن علی (علیہما السلام) ایسی جامع اور غیر متنازعہ ہستی ہیں جو تمام یا اکثر سیاسی قائدین کو یکجا اور اپنے گرد جمع کر سکتی ہیں۔ کیونکہ اس دور کے اکثر مشہور سیاسی و سماجی افراد خاندان بنی ہاشم ہی کے تھے۔ جیسے عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن جعفر اور محمد ابن حنفیہ۔ یہ تمام افراد حضرت امام حسین علیہ السلام کے اشارے پر چلتے تھے۔ باقی "عبداللہ ابن زبیر" اور "عبداللہ ابن عمر" دونوں حضرات، حضرت امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں عوامی حمایت حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے۔

۳۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ہستی معاویہ کی سیاسی چالوں اور دنیا کے مال و دولت کے باوجود ناقابل تسخیر تھی آپ کسی صورت میں بھی ظالم اور غیر اسلامی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ لیکن دیگر سیاستدانوں کا مسئلہ کچھ اور تھا یہ امکان ضرور تھا کہ کم سے کم ان کو مخالفت کرنے سے روکا جا سکتا ہے یا ان کی مخالفت میں کمی لائی جا سکتی ہے اگرچہ یہ ان کی خاموشی کی صورت میں ہی ہو۔

چنانچہ "عبداللہ ابن عمر" کو حاکم وقت کی جانب سے ایک لاکھ درہم بھیجے گئے تاکہ وہ بیعت کی مخالفت کرنے سے دستبردار ہو جائیں[۲]۔ ابتداء میں تو انھوں نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ مگر آخر وہ ثابت قدم نہ رہ سکے اور اسے وصول کر کے وہ نہ صرف

۱۔ اس کا تذکرہ اسی کتاب کے باب چہارم میں کیا گیا ہے۔

۲۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۳۵۰۔

خاموش ہو گئے بلکہ بیعت بھی کر لی۔[1]

عبدالرحمٰن بن ابی بکر بھی اگر زندہ ہوتے تو لامحالہ ام المؤمنین عائشہ سے الگ مؤقف اختیار نہ کرتے۔ حضرت عائشہ کا مؤقف نرم تھا اور مخالفت پر مبنی نہیں تھا۔[2]

لہٰذا احزاب مخالف کے سربراہوں میں صرف حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کی ذات ایسی تھی جو حاکم نظام کے لئے مزاحمت اور خطرہ پیدا کر سکتی تھی۔

یزید سے لوگوں کی نفرت اور اس کی نااہلیت معاویہ سے پوشیدہ نہیں تھی یہ اور بات ہے کہ معاویہ اور بنی امیہ کے حواریوں نے یزید کی تعریف و مداحی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن اس کے باوجود حقیقت تبدیل نہ ہوئی اور یزید پھر بھی یزید رہا کچھ اور نہ بن سکا۔

حاکم نظام نے قتل و غارت، دہشت گردی، جائیدادوں کو ضبط کر کے اور ضمیر فروشوں کے ضمیر خرید کر غرض ترغیب و تہدید کے ہر ممکنہ ناجائز وسائل و ذرائع کے استعمال سے جو ماحول ہموار کیا تھا۔ یقیناً وہ ماحول دیرپا نہیں تھا اور کسی موقع پر اس کے آتش فشاں کی طرح پھٹ جانے کا خطرہ بدستور قائم تھا۔

معاویہ بے انتہا پریشان تھا کہ اس نازک موقع پر مزید کیا اقدامات کئے جائیں اس کی پریشانی کا اندازہ، اس کے تین دن کے لئے غائب ہو جانے سے بخوبی کیا جا سکتا ہے لہٰذا معاویہ نے مدینۃ الرسولؐ سے رخصت ہونے سے پہلے آخری احتیاطی حربہ بھی استعمال کیا جو خاص بنی ہاشم کے لئے تھا یہ حربہ اقتصادی تھا۔

اس واقعہ کی تفصیل "الامامہ والسیاسہ" میں موجود ہے ہم اس کا خلاصہ

ف۱ سنن بیہقی ج ۸ ص ۱۵۹۔ فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۹ منقول از حیاۃ الامام الحسنؑ ج ۲ ص ۲۴۴

ف۲ حیاۃ الامام الحسنؑ ج ۲ ص ۲۳۹۔

نظر قارئین کرتے ہیں:

"معاویہ نے بیت المال سے تمام لوگوں کو ان کا حصہ دے دیا، لیکن بنی ہاشم کو کچھ نہ دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ ابن عباس نے اس کا تعاقب کیا اور مکہ سے پہلے ایک مقام "روحاء" پر اسے جالیا اور بیت المال سے بنی ہاشم کے حق کا مطالبہ کیا۔ معاویہ نے انہیں کہا: میرے پاس تمہارا کوئی حق نہیں ہے جب تک کہ حسین علیہ السلام بیعت نہیں کر لیتے۔ عبداللہ ابن عباس نے کہا: عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمر اور ان کے قبیلوں کے عطیے تو ان کی طرف سے انکار بیعت کے باوجود بند نہیں ہوئے اور ہمارے ساتھ یہ ناروا سلوک کیوں؟ معاویہ نے کہا: لست کفیوکم (یعنی) تم ان کی طرح نہیں ہو۔ اللہ کی قسم! جب تک حسین علیہ السلام بیعت نہیں کر لیتے تم کو ایک درہم بھی نہیں ملے گا[1]"

معاویہ نے یہ حربہ اس سے پہلے بھی استعمال کیا تھا، مگر اس وقت صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کو بیت المال کے حصے سے محروم رکھا تھا۔ یہاں تک کہ آپ پر معاشی زندگی تنگ ہوگئی تھی[2]

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(اقبال)

خلاصہ کلام

یہ تھی عہد معاویہ میں جاہلیت کی حکومت کے استحکام کے لئے کئے جانے

---

[1] الامامہ والسیاسۃ ج ا ص ۱۶۴ ۔ [2] العقد الفرید ج ا ص ۱۵۹-۱۶۰

والے اقدامات کی ایک جھلک جو مختصراً پیش کی گئی۔ اگر معاویہ ابن ابوسفیان کے پاس مذکورہ اقدامات کے علاوہ کچھ اور ذرائع و وسائل بھی ہوتے جن سے نظام بنی امیہ کے تحفظ کی ضمانت فراہم ہو سکتی تو وہ انہیں بھی استعمال کرنے سے دریغ نہ کرتے قطع نظر اس کے کہ خود یہ وسائل شرعی اعتبار سے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک زندگی کا سب سے بڑا مقصد حصول اقتدار اور اس کی حفاظت تھا اور اس مقصد کی خاطر وہ ہر چیز کا استعمال جائز سمجھتے تھے۔

معاویہ نے اقتدار کے حصول، یزید کو اس کی منتقلی اور اس کی حفاظت و استحکام کے لئے جو طریقے اختیار کئے تھے ان میں ہر چیز کا نمونہ پایا جاتا ہے لیکن ایک چیز کا ان میں نام و نشان تک نہیں تھا اور وہ ہے اسلام کے وہ اصول و ضوابط، جو حکمرانی و حکمران اور رعیت کے درمیان متبادل طور پر وضع کئے گئے ہیں۔ بہر حال معاویہ سے جو کچھ ہو سکتا تھا وہ انہوں نے نہایت جد و جہد سے کیا۔

سنہ ۶۰ھ ماہ رجب کی یکم پندرہ یا بائیس تاریخ کو معاویہ مر گئے۔[۱]

اب اس نظام کی حفاظت کی ذمہ داری یزید پر آ گئی۔ اس نے تخت نشینی کے بعد کیا تدابیر و اقدامات کئے اب اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

تجدید بیعت

معاویہ کی موت کے وقت یزید دمشق میں نہیں تھا وہ شکار اور لہو و لعب کی خاطر "حوارین" گیا ہوا تھا "حوارین" میں اسے معاویہ کے مرنے کی خبر ملی جس کے بعد وہ دمشق روانہ ہو گیا۔ لوگوں نے جب اس کی شکل اور حلیہ دیکھا تو اس کے معایب بیان کرنے لگے:

"ھذا الاعرابی الذی ولاہ معاویہ علی الناس"[1]

"معاویہ نے اس صحرانشین کو لوگوں پر حاکم مقرر کیا ہے ؟ !"

معاویہ کی موت کے بعد جاہلیت کے نظام کا ایک مرحلہ گزر گیا اور اس کے ساتھ ہی دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا۔ حکومت جاہلیت کا سربراہ بدل گیا۔ جاہلیت کے نظریات و افکار، تہذیب و تمدن کی حفاظت و نگہداری اور اس کی بنیادوں کو زیادہ سے زیادہ مضبوطی اور استحکام بخشنے کی ذمہ داری اب دوسرے حاکم یزید بن معاویہ پر عائد ہوئی۔

یہ حقیقت نئے حکمران اور جدید حکومت سے پوشیدہ نہیں تھی کہ معاویہ نے حصولِ اقتدار اور اقتدار کی حفاظت کے لئے جو کچھ کیا تھا اس سے مسلمان راضی نہیں ہیں۔ خاص کر یزید کی ولیعہدی کے لئے جو بیعت لی گئی تھی اس کی افادیت اور اس کے موثر ہونے میں کافی خدشات پائے جاتے تھے۔ لہٰذا وہ تمام متوقع خطرات جن کو ختم کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز ذریعہ استعمال کیا گیا تھا، اب بھی موجود تھے

جدید حکومت کی نظروں سے وہ تلخ حالات اوجھل نہیں ہوئے تھے جو ولیعہدی کی بیعت لیتے وقت مدینہ میں پیش آئے تھے۔ لہٰذا جدید حکومت کے استحکام کی خاطر یہ فیصلہ کیا گیا کہ سب سے پہلے مدینہ میں پیدا ہونے والے متوقع خطرات کا خاتمہ کیا جائے کیونکہ امت مسلمہ کے بااثر افراد اور احزاب مخالف کے قائدین مدینۃ الرسولؐ میں ہی قیام پذیر تھے۔

مدینہ سے آغاز کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ مدینہ کو دوسرے مسلم علاقوں پر یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ اس میں مذہبی و علمی افراد و صحابہ کی اکثریت رہتی تھی جس کی وجہ سے مدینہ پر قابو پانا

---

[1] حیات امام الحسینؑ ج ۲ ص ۲۴۳، منقول از تاریخ اسلام ج ۱ ص ۲۶۷

نہائت وزنی حقیقت ثابت ہو سکتی تھی ۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ دوسرے تمام علاقوں کے مسلمانوں کی نظریں مدینہ کے حالات حرکت اور جنبش پر مرکوز تھیں۔ خاص کر اہل عراق تو پہلے ہی سے حضرت امام حسین علیہ السلام سے رابطہ قائم کر چکے تھے اور فوجی اعتبار سے کوفہ واحد شہر تھا جو شام (بنی امیہ کے مرکز) سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ لہذا اہل مدینہ خاص کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو جسمانی یا روحانی طور پر ختم کرنے سے اس بات کی ضمانت مل سکتی تھی کہ فی الحال اور کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو احزاب مخالف کی قیادت کر سکے ۔

ان وجوہات کی بناء پر جدید حکومت کی نظر انتخاب اہل مدینہ سے تجدید بیعت اور حضرات امام حسین علیہ السلام، عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمر سے ابتدائی بیعت لینے پر پڑی ۔

فرمانِ بیعت

مرکزی حکومت نے والیٔ مدینہ ولید بن عقبہ کو دو فرامین ارسال کئے۔ ایک فرمان عمومی تھا جس میں اہالی مدینہ سے بالعموم تجدید بیعت کا مطالبہ کیا گیا[1]۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا مراسلہ بھی تھا۔ جس میں بالخصوص حضرت امام حسین علیہ السلام سمیت عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمر سے بیعت لینے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور بیعت سے انکار کرنے کی صورت میں ان کی گردنیں مارنے اور ان کے سروں کو یزید کے پاس بھیجنے کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا[2]۔

---

[1] مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۱۸۰، لیکن دوسرے مصادر کے مطابق اس میں صرف مرگِ معاویہ کی اطلاع تھی ملاحظہ ہو۔ طبری ج ۳/۲۶۹، الانساب الاشراف ج ۱ ص ۱۲۴، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۷

[2] تاریخ الیعقوبی ج ۲ ص ۲۴۱

دیگر مدارک کے مطابق ان چند افراد کو سختی کے ساتھ بیعت پر مجبور کرنے اور بیعت لیئے بغیر کوئی موقع نہ دینے کا حکم دیا گیا تھا۔[1]

ولید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو راتوں رات بلا بھیجا اور آپؑ بنی ہاشم کے مسلح نوجوانوں کو ولید کے گھر کے باہر منتظر رہنے کا حکم دے کر خود دربار میں تشریف لے گئے ولید نے معاویہ کے مرنے کی خبر سنانے کے بعد آپ سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا آپ نے جواب میں فرمایا:

"مجھ جیسے شخص کی خفیہ بیعت کو غالباً تم کافی نہ سمجھو گے جب تک یہ اعلانیہ نہ ہو جس وقت تم مجمع عام میں مرگ معاویہ کا اعلان کرو اور تمام لوگوں سے یزید کی بیعت لو اس وقت مجھ سے بھی کہنا تاکہ یکسوئی کے ساتھ اس قضیہ کا فیصلہ ہو جائے۔"[2]

ولید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس مدلل کلام کو قبول کر لیا اور آپ کو جانے کی اجازت دے دی مروان بن حکم، جسے ولید نے مشورہ کے لئے بلا رکھا تھا، اس وقت موجود تھا اور خاموشی سے بات چیت سن رہا تھا۔ جب اس نے ولید کو تشدد کی بجائے معقول حکمت عملی اختیار کرتے دیکھا تو بے ساختہ بول اٹھا:

"ولید! کیا غضب کرتے ہو۔ اگر حسین علیہ السلام اس وقت تمہارے ہاتھ سے نکل گئے اور بیعت نہ کی تو پھر ایسا موقع نہیں ملے گا جب تک طرفین کے بہت سے لوگ قتل نہ ہو جائیں۔ لہذا ان کو جانے نہ دیا جائے جب تک یہ بیعت نہ کر لیں یا ان کو قتل نہ کر دیا جائے۔"

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۶۹ - تذکرۃ الخواص ص ۲۱۳، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۶۔
[2] طبری ج ۳ ص ۲۷۰ - البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۷، تذکرۃ الخواص ص ۲۱۴۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب مروان کا یہ شر انگیز مشورہ سنا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"اے پسر زرقا! تیری یا ولید کی کیا مجال کہ مجھے قتل کرے"[1]

پھر آپؑ ولید سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"اے امیر! ہم اہل بیتِ نبوت اور معدن رسالت ہیں۔ ہمارے گھر میں ملائکہ کی آمد و رفت ہوتی رہی ہے ہم سے آغاز ہوا اور ہم پر اختتام ہوگا۔ یزید ایک فاسق، شرابی قاتلِ نفس محترمہ ہے اور وہ علی الاعلان فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے پس مجھ جیسا یزید جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا۔ لیکن ہم صبح تک انتظار کرتے ہیں اور تم بھی کرو۔ ہم بھی دیکھتے ہیں اور تم بھی دیکھو کہ خلافت و بیعت کا حقدار کون ہے۔"[2]

مرکزی حکومت کا یہ پہلا اقدام تھا جس کے ذریعے تاج و تخت، میخواری، نشہ بازی کی حفاظت اور غیر آئینی حکومت کے استحکام کے اسباب فراہم کرنے کی کوشش کی گئی اس شاہی فرمان کا لب لباب اور نچوڑ صرف اور صرف جاہلیت کے تمدن و نظریات کی عکاسی کرتا ہے۔

مگر یہ کیا غضب ہے یزید جیسے بدکردار، شراب خوار، زانی اور فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے شخص کی بیعت سے انکار یا اسے تسلیم نہ کرنا کیا کسی کے قتل کا جواز فراہم کرتا ہے؟

کسی حاکم، خواہ آئینی حیثیت کا حامل ہی ہو۔ کی بیعت سے انکار کرنا اگر بذات خود جرم مان بھی لیا جائے تو کیا اس جرم کی شرعی نقطہ نگاہ سے صرف اور صرف یہ سزا ہے کہ مجرم کو قتل کردیا جائے؟ اور اس طرح قتل کیا جائے جس میں قانونی طور طریقے کا نام و نشان تک نہ ہو؟

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۷۰۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۷۔

[2] مقتل الحسینؑ محسن الامین ص ۲۳۔ الفتوح ج ۵ ص ۱۸۔ نقل از حیاۃ الحسینؑ ج ۲ ص ۲۵۵۔

البتہ طاغوتی نظام میں ہر اس حرکت، اقدام اور جنبش جس میں اس کی ذات و نظام پرستی اور اندھی تقلید کا عنصر نہ ہو کی سزا، قتل اور پھانسی کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ ورنہ کسی کی حکومت کو تسلیم نہ کرنا کوئی ایسا جرم تو نہیں ہے جس سے استحقاقِ قتل حاصل ہو جائے۔

ولید بن عقبہ والئ مدینہ جو ایک حلیم الطبع انسان تھا۔ اس حقیقت کا معترف تھا چنانچہ مروان نے جب نرم روش اور عدم تشدد پر تنقید کی تو اس نے کہا:

"سبحان اللہ! میں حسین علیہ السلام کو قتل کر دوں؟ صرف اتنی سی بات پر کہ وہ کہتے ہیں کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم! مجھے یقین ہے جو شخص حسین علیہ السلام کے خون کا مجرم ہو گا، وہ روزِ قیامت خدا کے یہاں میزانِ عمل میں انتہائی ہلکا ہو گا[1]"

اس کے علاوہ یزید سے پہلے کی حکومتوں میں بھی ایسے افراد موجود تھے جنہوں نے حکومتِ وقت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ مگر وہ برسرِ پیکار بھی نہیں تھے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں چند افراد نے بیعت نہیں کی تھی اور وہ آزاد بھی رہے[2]

ہر فریق کی جداگانہ حکمتِ عملی

نئی حکومت کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے مخالفین خاص کر حضرت امام حسینؑ کو خفیہ طور پر قتل کر دیا جائے۔ اس طرح ان افراد کو قتل کرنے کی ذمہ داری کسی نہ کسی شکل میں دوسرے افراد پر عائد کرنے میں حکومت کامیاب ہو سکتی تھی جس سے نہ صرف تمام مسلم علاقوں کو گمراہ کیا جا سکتا تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خون کا انتقام لینے کے بہانے تمام مخالفین کا صفایا

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۷۰۔ البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۱۴۷

[2] مروج الذھب ج ۳ ص ۲۴-۲۵۔

کرنے کا بھی جدید حکومت کو سنہری موقع مل جاتا۔ بہرحال مرکزی حکومت کی جانب سے والیٔ مدینہ کو دو مراسلے، ایک عام اور ایک خاص بھیجنے سے اس امکان کو تقویت ملتی ہے کہ مرکزی حکومت اپنے مخالفین کے قتل کے جرم میں براہِ راست ملوث ہونے اور قانونی طور پر اس کی ذمہ داری تسلیم کرنے سے گریزاں تھی اس کی تفصیل بعد میں پیش کی جائے گی۔

اس کے برعکس حضرت امام حسین علیہ السلام کی حکمت عملی اور حکومت کے ساتھ آپ کی روش یہ تھی کہ آپ کی شہادت رائیگاں نہ جائے اور جو کچھ پیش آنا ہے وہ علی الاعلان اور مسلمانوں کے سامنے انجام پائے یزیدی نظام اسے چھپا نہ سکے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا منصوبہ یہ بھی تھا کہ تصادم اور جنگ وجدال کا آغاز بنی امیہ کی جانب سے ہو اور اپنی طرف سے پہل کرنا آپ زیادہ سودمند نہیں سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ تیسری طرف امام عالی مقام کے پیشِ نظر یہ بھی تھا کہ جب آپ کا تاریخ ساز اور باطل شکن انقلاب واقدام میدان عمل میں منظرِ عام پر آئے گا تو بنی امیہ کے مظالم، غیر انسانی اخلاق و سلوک اور اسلام کے خلاف اس کے تمام عقائد وعزائم کی حقیقت زیادہ سے زیادہ واضح اور نمایاں ہو جائے گی اس کے ساتھ ساتھ آپؑ کا برحق ہونا صرف اسلام کی حمایت میں قیام واقدام کرنا، مسلمانوں کو حکام کے جور وستم سے نجات دلانا مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کرنا انسان کو اس حریت وآزادی سے ہمکنار کرتا ہے جو فطرتِ انسان میں پوشیدہ اور جس کی تائید اسلام کرتا ہے اس طرح یہ تمام عناصر بھی واضح اور آشکار ہو جائیں گے۔

لہٰذا حکومت وقت نے اپنے نقطۂ نظر اور سیاسی روش کے تحت حضرت امام حسین علیہ السلام کو مدینہ میں معاویہ کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی طلب کیا تاکہ اس نازک تاریخی موڑ کا حل بآسانی نکل آئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو شبانہ طلب کرنے کی دیگر وجوہات

۱۔ حاکم نظام شاید یہ سوچتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کوئی نہ کوئی خفیہ سمجھوتہ اور سازباز کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بالفرض محال اگر امام حسین علیہ السلام ان سے کوئی مثبت وعدہ کر لیتے تو وہ لامحالہ اس کی پابندی کرتے اور ہرگز اس کی خلاف ورزی نہ کرتے۔

۲۔ شاید حاکم نظام کے پیش نظر یہ بھی تھا کہ چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام معاویہ کی موت سے بے خبر ہیں اور انہیں یہ سوچنے اور اٹل فیصلہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا کہ معاویہ کی موت کے بعد کیا اقدام اور موقف اختیار کیا جائے۔ لہذا آپؑ کو خلوت میں بلا کر وفاتِ معاویہ کی خبر دی گئی اور پھر بیعت کا مطالبہ کیا گیا تاکہ بخیال خود حضرت امام حسین علیہ السلام حیرت زدہ رہ جائیں اور شش و پنج میں مبتلا ہوں کہ اب کیا روش اختیار کی جائے اس طرح ایک طرف آپ کو ناگہانی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے تو دوسری طرف آپؑ بنی امیہ کی تہدید اور دھمکیوں سے دوچار ہو کر حکومتِ وقت کے حق میں کوئی نرم اور لچکدار رویہ و مؤقف اختیار کر لیں۔

لیکن حاکمِ وقت اس حقیقت سے غافل تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا نظریہ آج بھی وہی ہے جو کل تھا۔ آپؑ نئی اور سابقہ حکومت کے درمیان میں کسی قسم کی تفریق کے قائل نہیں تھے۔ آپؑ جانتے تھے کہ دونوں حکومتوں کے نظریات اور اہداف ایک ہی ہیں اصولِ حکمرانی بھی ایک ہے اور نظام بھی ایک۔ تبدیلی صرف حاکم میں آئی ہے نہ کہ حکم میں جاہلیت کا ایک مرحلہ گزر گیا۔ اور اب دوسرا مرحلہ شروع ہوا ہے۔ لہذا معاویہ کا مرنا حضرت امام حسین علیہ السلام

کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقابلہ فرد یا افراد سے نہیں بلکہ اس نظام سے تھا جو جاہلیت کے نظریات کا مجسمہ تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام منتظر تھے کہ کھلے میدان میں نظام جاہلیت سے مقابلہ ایسے حاکم کے ذریعے ہو جو معاویہ کی تدبیر و سیاست، دور اندیشی، تجربات اور گمراہ کن شیطانی عناصر سے محروم ہو اور جس کی حقیقت، ناپاک عزائم اور بد کرداری کا چرچا زبان زد عام و خاص ہو۔ یزید ہر بری صفت، غیر اخلاقی حرکات، فسق و فجور اور اسلام دشمنی کی مکمل علامت تھا۔ اس کے علاوہ وہ معاویہ کی تدابیر و سیاست سے بھی محروم تھا۔

دوسرے لفظوں میں بحیثیت حاکم یزید جاہلیت کے تہذیب و تمدن اور جبر و تشدد پر مبنی نظام کا نمائندہ تھا اس لئے مسئلہ یزید کی بیعت کرنے یا نہ کرنے کا نہیں تھا بلکہ اس کا تعلق اسلام کی بقا یا نابودی، مسلمانوں کی عزت یا ذلت، حاکم نظام کے تقدس یا عدم تقدس اور پوری انسانیت پر مظالم ڈھانے کے جواز یا اس کی رہبری اور نجات کے ان اسباب و وسائل کو فراہم کرنے سے تھا جن کا ربط اس قسم کے حیاتی اور اہم ترین مسائل سے تھا۔ لہذا حضرت امام حسین علیہ السلام کسی اعتبار سے بھی یزید کی بیعت کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حاکم وقت کا یہ خیال بالکل بے بنیاد تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو سوچنے کا موقع دیئے بغیر مسئلہ بیعت کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کے بارے میں معاویہ کی زندگی ہی میں اپنے موقف کی وضاحت کر چکے تھے اور آپؑ کسی قیمت پر یزید کو بحیثیت حاکم تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا جب آپؑ کو دربار ولید میں طلب کیا گیا تو ابن زبیر کے جواب میں آپؑ نے

اسی وقت اس حقیقت کی نشاندہی کردی جو بعد میں صحیح ثابت ہوئی آپ نے فرمایا:

"میرا خیال ہے کہ ان کے ظلم کا دیوتا ہلاک ہوگیا ہے۔ قبل اس کے کہ یہ خبر لوگوں میں پھیل جائے، ہمیں اس وقت بیعت کے لئے طلب کیا گیا ہے۔"[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں آپؑ کو شہید کرنے کا منصوبہ پہلے ہی تیار کیا جا چکا ہے۔ اس منصوبہ کو ناکام بنانے کے لئے آپؑ نے احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ کیونکہ خاموشی اور خفیہ طریقے سے قتل ہونا آپؑ کی حکمت عملی کے خلاف تھا اور اس طرح کی شہادت سے وہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے تھے جن کے آپؑ خواہاں تھے۔[2]

پہلی تدبیر

حضرت امام حسین علیہ السلام نے پہلی احتیاطی تدبیر یہ اختیار کی کہ دربار ولید میں جاتے وقت بنی ہاشم کے جوانوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تاکہ اگر طاقت کے استعمال کی ضرورت پڑے تو اس سے دریغ نہ کیا جائے اور حاکم کے منصوبے کو ناکام بنا دیا جائے۔

دوسری تدبیر

ولید نے جب اپنے دربار میں آپؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو آپؑ نے ہر لحاظ سے حکمت و تدبیر پر مبنی موقف اپنایا اور ولید کے احساسات، شعلۂ انتقام اور مخالفت کی آگ کو نہ

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۷۰، تذکرۃ الخواص ص ۲۱۳۔

[2] اس مطلب کی مزید وضاحت باب سوم میں پیش کی گئی ہے۔

بھڑکاتے ہوئے اتنا موزوں جواب ارشاد فرمایا جسے سنتے ہی ولید کا سر تسلیم خم ہوگیا حضرت امام حسین علیہ السلام نے صریحاً بیعت کرنے یا نہ کرنے کی بات نہیں کی بلکہ اس معاملہ کو صبح تک ٹال دیا۔ اس سے آپؑ کا مقصد یہ بھی تھا کہ اسے مخالفت کا کوئی قانونی ثبوت فراہم نہ ہو جائے چنانچہ آپؑ، اس جواب سے قانونی نقطہ نگاہ سے قانونی گرفت میں نہیں آتے تھے کیونکہ آپ کی گفتگو نہ انکار بیعت پر دال ہے نہ تسلیم پر۔ اس قسم کا موقف اختیار کرنا کسی بھی حالت و شکل میں قانونی جرم تصور نہیں کیا جا سکتا۔

یہ الگ حقیقت ہے کہ فریقین سابقہ تجربات و مواقف سے یہ حتمی نتیجہ اخذ کر چکے تھے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کسی قیمت پر بھی یزید کو تسلیم نہیں کریں گے۔ ظلم و تشدد کا دیوتا معاویہ جب اپنی زندگی میں آپؑ کا سر تسلیم خم نہیں کرا سکا تو یزید کی کیا مجال تھی کہ وہ آپؑ کو جھکا سکتا۔

موقفِ مروان کی وضاحت

یہ واقعہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جب ولید کے دربار سے جانے کے لئے اٹھے تو مروان جس کی طبیعت فتنہ پرور، شر پسند اور فسادی تھی، نے ولید کو قتلِ امامؑ پر اکسایا۔ مروان نے یہ حرکت کیوں کی اور اس کے عوامل و محرکات کیا تھے محققین نے تفصیل سے اس کا تجزیہ و تحلیل کیا ہے لیکن ہم صرف دو وجوہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

پہلی وجہ

مروان خاندان رسالت کو اپنا پرانا اور سخت ترین دشمن سمجھتا تھا[1] اور حضرت

---

[1] حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۲ ص ۲۵۱، نقل از الفتوح ج ۵ ص ۱۲-۱۳

امام حسین علیہ السلام نورِ چشم و فرزند رسول اعظمؐ اور تربیت یافتہ قرآن تھے آپؑ حضرت علی علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے بنی امیہ کے سرکردہ مشرکین کا خاتمہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ مروان کے خاندان کو رسول اکرمؐ کے حکم پر مدینہ سے باہر جلا وطنی کی زندگی بسر کرنا پڑی تھی اور یہ افراد رسول اکرمؐ کی طرف سے ملعون، مطعون، مطرود اور رحمتِ خدا سے دور تھے۔

لہذا مروان ولید کے توسط سے عدم بیعت کا بہانہ بنا کر آپ کو قتل کر کے دراصل انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی اس حرکت سے مرکزی حکومت کو بھی یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ وہ ابھی تک حکومت کا خیر خواہ ہے گویا کہ مروان اپنی سیاست کے ذریعہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا یاد رہے معاویہ نے اپنے آخری عہد میں کسی پرخاش کی بنا پر مروان کو مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا تھا۔

دوسری وجہ

ولید اور مروان کے درمیان پرانی دشمنی تھی۔ مروان کا خیال تھا کہ اگر ولید آپؑ کو قتل نہیں کرتا تو اسے صوبائی حکومت کے خلاف شکایت کرنے کا موقع مل جائے گا جس کے نتیجہ میں مدینہ کی گورنری اسے دوبارہ حاصل ہو سکتی ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تب بھی کم سے کم ولید ضرور معزول ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یزید کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے ولید کو ماہ رمضان میں گورنری کے منصب سے معزول کر دیا۔[1]

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۷۲۔

اعلان انقلاب

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے اور بنی امیہ نے جارحیت میں سبقت لے لی۔ تشدد اور میدانی مقابلہ کا آغاز بنی امیہ کی جانب سے ہوا جس کے حضرت امام حسین علیہ السلام کافی عرصہ سے منتظر تھے۔

مروان، جو ولید کے مشیر کی حیثیت سے وہاں موجود تھا، کی جانب سے قتل کے مشورے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ اپنے عزم و ارادہ اور فرض شناسی کا اظہار کرتے ہوئے اس کو دندان شکن جواب دیں اور اس کے لئے اس سے زیادہ مناسب موقع کوئی اور نہ تھا آپؑ نے یزیدی حکومت کے متعلق منفی موقف اختیار کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بیعت اور مسلمانوں کی رہبری کے لئے خود اپنے آپ کے موزوں ہونے کا بھی اعلان فرمایا اور بتا دیا کہ یزید ہر حیثیت میں حاکم بننے کی صلاحیت سے محروم ہے

یہیں سے انقلاب حسین علیہ السلام کا آغاز ہوتا ہے۔

مکہ میں قتل کا منصوبہ

مدینہ میں حاکم نظام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کو روحانی یا جسمانی طور پر خفیہ طریقے سے قتل کرنے کا منصوبہ ناکام ہو گیا اور آپؑ خاندان رسالت سمیت مدینہ چھوڑ کر عازم مکہ ہوئے۔

شام میں مرکزی حکومت کو جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے مدینہ سے ہجرت

کرجانے کی اطلاع ملی تو اس نے مکہ میں آپؑ کو قتل کرنے کا دوسرا خفیہ منصوبہ تیار کیا جس کے تحت یزید نے آپؑ کو قتل یا گرفتار کرنے کے لئے عمرو بن سعید بن عاص کی زیر قیادت ایک عظیم لشکر مکہ روانہ کیا[1] اور اس کام کے لئے تیس[۳۰] کمانڈوز کو مامور کیا گیا۔[2]

حضرت امام حسین علیہ السلام کو مکہ میں خفیہ طور پر قتل کرنے کے منصوبے کا صریحاً تذکرہ ابن عباس نے یزید کے نام اپنے جوابی مراسلے میں کیا ہے۔ چنانچہ یزید کے سیاہ کارنامہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

"میں ہرگز نہیں بھول سکتا کہ تم نے حسینؑ کو حرم رسولؐ سے حرم خدا کی طرف نکلنے پر مجبور کر دیا اور حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے اپنے نمک خوار وہاں بھیجے۔"[3]

لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب دیکھا کہ مکہ کا امن و امان درہم برہم ہونے والا ہے اور حاکم نظام اپنے منصوبہ کو عملی شکل دینے کے لئے تیار ہے تو آپؑ حج کو عمرہ منفردہ میں تبدیل کر کے حرم خدا سے ہجرت فرما گئے۔[4]

چنانچہ راستہ میں جب "فرزدق" سے ملاقات ہوئی اور اس نے حج ترک کر کے اتنی جلدی عراق کو روانگی کا سبب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

"لو لم اعجل لأخذت"[5]

"اگر اتنی جلدی نہ کرتا تو وہیں گرفتار کر لیا جاتا۔"

---

[1] المقرم ص ۱۶۳، النعمانیہ ج ۳ ص ۲۳۷، [2] معالی السبطین ص ۱۵۷، منتخب طریحی ج ۲ ص ۴۳۵۔ [3] یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۹۔

[4] بحار ج ۴۴ ص ۳۶۳۔

[5] بحار ج ۴۴ ص ۳۶۵، طبری ج ۳ ص ۲۹۶۔

آخری منصوبہ

ایک طرف تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے بنی امیہ کے منصوبہ کو خاک میں ملاتے ہوئے مکہ سے ہجرت فرمائی دوسری طرف یہ ہجرت خود اہل کوفہ کی خواہش اور ان کی طرف سے ہزاروں دعوت نامے ملنے کے بعد واقع ہوئی جس سے یقیناً حاکم نظام کو تشویش ہوئی کہ اب کیا کیا جائے بالآخرہ یزید نے اپنی حکومتِ جاہلیت کا تحفظ اور اس کے نظریات و اقدار کی نگہداری اسی میں دیکھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو ہر صورت میں قتل کر دیا جائے۔ لہذا یزید نے اپنے باپ معاویہ کی ھدایت کے مطابق ابن زیاد کو بصرہ کے علاوہ کوفہ کا بھی حاکم بنادیا اور اس کے ساتھ حضرت امام حسین بن علی (علیہما السلام) کو قتل کرنے کی تاکید پر مبنی شاہی فرمان بھی جاری کیا اس کی نص یہ ہے:

"قد بلغنی ان اهل کوفة قد کتبوا الی الحسین فی القدوم علیهم، وانه قد خرج من مکة متوجها نحوهم وقد بلی به بلدک من بین البلدان وایامک من بین الایام، فان قتلته، والا رجعت الی نسبک والی ابیک عبید، فاحذر ان یفوتک."[1]

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ حسینؑ کو اہلِ کوفہ نے دعوت نامے بھیجے ہیں اور آپؑ مکہ سے ان کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تمہارا صوبہ اور عہد حکومت باقی شہروں اور عہد حکومتوں سے احسین علیہ السلام کے معاملے میں آزمایا جارہا ہے اگر تم نے حسینؑ کو قتل کر دیا

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۲۔

(تو یہی مطلوب ہے) ورنہ تم اصلی نسبت اور حقیقی باپ عبید کی طرف پلٹا دیئے جاؤ گے۔ آگاہ رہو کہ یہ موقع تمہارے ہاتھ سے جانے نہ پائے۔"

یہ تھی نئی اور پرانی حکومتوں کی ان کوششوں اور مساعی کی ایک جھلک جو استحکام حکومت کے سلسلے میں کی گئیں۔ لیکن نئی حکومت کا یہ پہلا اقدام تھا کہ جس کے ذریعہ اس نے اپنے باپ کی روش وسیاست پر چلتے ہوئے اپنے مخالفین خاص کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو خفیہ اور حالت میں قتل کرنے کا مرحلہ وار منصوبہ تیار کیا مگر حسین بن علی (علیہما السلام) اپنے مؤقف پر پہاڑ سے زیادہ مضبوطی سے ثابت قدم رہے اور بے مثال طریقے سے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں اس دین اور مقدس اسلام کی خاطر دے دیا۔

اپنے بے مثال خفیہ اور مرحلہ وار منصوبے کے ذریعے حضرت امام حسین علیہ السلام کے رحشیانہ قتل کے بعد جدید حکومت کا یہ خیال خام تھا کہ اب اس کو استحکام حاصل ہو گیا ہے اور متزلزل و غیر مطمئن دلوں کو قرار و پائیداری نصیب ہو گئی ہے اور اب کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ یزید کے تخت و تاج کو چیلنج کرے مگر یزید اس نکتہ سے غافل تھا:

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے

یہ پہلی ایسی سیاسی غلطی تھی جو یزید سے سرزد ہوئی حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کر کے اس نے نہ صرف بنی امیہ کے جاہلیت پر مبنی اقتدار کو قیامت تک کے لئے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکوایا بلکہ وہ خود اپنے سارے خاندان کی تباہی کا بھی باعث بن گیا۔

سیاسی چال

اس بحث کے آخر میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کا ذکر اکثر

کتب تواریخ میں آیا ہے یہ کہ معاویہ نے اپنی وصیت میں یزید کو حضرت امام حسین علیہ السلام سے نہ الجھنے اور آپؑ سے نیک برتاؤ کرنے کے لئے کہا تھا۔

"ان اهل العراق لن يدعوا الحسين حتى يخرجوه، فان خرج عليك وظفرت به فاصفح عنه فان له رحما ماسة وحقا عظيما۔"[1]

"بے شک اہل عراق حسینؑ کو حجاز سے نکالے بغیر نہیں چھوڑیں گے اگر وہ خروج کریں اور تم ان پر غالب آؤ تو ان سے صرف نظر کرنا کیونکہ وہ قریبی رشتہ داری اور عظیم حق رکھتے ہیں۔"

بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ طویل وصیت نامہ جس کے بعض مندرجات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے سراسر جعلی ہے یا کم سے کم اس کی صحت مشکوک ہے اس روایت کی صحت کا اندازہ لگانے کے لئے اس کے ان جملوں کا جائزہ لیتے ہیں جو حضرت امام حسین علیہ السلام سے مربوط ہیں۔ اس میں معاویہ نے یزید کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے حق قرابت کی رعایت کرنے کی تاکید کی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ خود اس نے کہاں تک اس حق کا خیال رکھا تھا اور اس کی وصیت میں یہ سفارش کہاں تک نیک نیتی پر مبنی ہے۔ کیا وہ واقعی حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے سے گریز کرتا تھا یا اس وصیت سے اس کا مقصد کچھ اور تھا یعنی دراصل قتل حسین علیہ السلام اسے مطلوب تو ضرور تھا لیکن براہ راست اس کی ذمہ داری لئے بغیر۔

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۶۰، ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۵۹، تذکرۃ الخواص ص ۲۱۳۔ ابن اثیر کی روایت میں یہ الفاظ (وہ رسولؐ سے رشتہ قرابت بھی رکھتے ہیں) بھی شامل ہیں۔

قرابت نامطلوب تھی

مذکورہ کلام کو معاویہ کی نیک نیتی پر حمل کرنے میں سخت تامل درکار ہے بلکہ خود اس کی زندگی، سیاسی روش اور سابقہ مواقف کی روشنی میں یہ کہنا اور استنتاج حق بجانب ہوگا کہ قرابت رسول اور قرابتِ بنی امیہ دونوں اس کے پیشِ نظر نہیں تھیں اس دعویٰ کے دلائل یہ ہیں :

۱۔ معاویہ نے اپنی زندگی کے کسی بھی دور میں اس قرابت کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا کیونکہ جو قرابت حضرت امام حسین علیہ السلام کو حاصل تھی وہی حضرت علی علیہ السلام اور باقی خاندان رسالت کو بھی حاصل تھی۔ مگر کیا یہ معاویہ نہیں تھا۔ جس نے حضرت علی علیہ السلام سے جنگ لڑی اور آپؑ پر سب و شتم کرنے کو جزو دین قرار دیا [۱]

۲۔ اگر یزید کو کی جانے والی یہ سفارش حقیقی ہوتی تو یقیناً وہ اس کی خلاف ورزی نہ کرتا جیسا کہ اس نے معاویہ کی سفارش کے مطابق اہل مدینہ کی شورش کو فرو کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ (مشرف) کو بھیجا تھا [۲] یہ واقعہ سانحہ کربلا کے بعد پیش آیا تھا اور اس میں ہزاروں بے گناہ افراد مارے گئے تھے تاریخ میں یہ واقعہ "حرہ" کے نام سے مشہور ہے (اس کی تفصیل باب پنجم میں بیان کی گئی ہے) اسی طرح کوفے کی گورنری پر ابن زیاد کا تقرر معاویہ کی وصیت کے مطابق عمل میں آیا تھا [۳]

---

[۱] تفصیل باب دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

[۲] العقد الفرید ج ۴ ص ۳۷۱، تاریخ خلیفہ خیاط ج ۱ ص ۲۲۹۔

[۳] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۸ - طبری ج ۳ ص ۲۸۰۔

۳۔ اگر معاویہ نے امام حسین علیہ السلام سے معترض نہ ہونے کی سفارش قرابت کی بنا پر کی تھی تو حضرت امام حسن علیہ السلام بھی تو اسی رشتہ کے مطابق واجب الاحترام تھے۔ پھر حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دے کر شہید کرانے کا اس نے جواز کہاں سے حاصل کیا۔

۴۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت امام حسین بن علی (علیہما السلام) کی شہادت کے اسباب خود معاویہ نے فراہم کئے تھے مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس جرم عظیم میں یزید براہ راست ملوث ہو۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھا کہ اس جرم میں اس کے ملوث ہونے کا لازمی نتیجہ پوری امتِ اسلامیہ کا مرکزی حکومت کے خلاف کھڑا ہو جانا ہے جو لامحالہ یزیدی حکومت کو استحکام و دوام بخشنے کی بجائے اس کے زوال و نابودی کے اسباب فراہم کرنے کے مترادف ہے۔

فرزندِ رسولؐ حسینؑ بن علیؑ کی شہادت میں براہ راست ملوث ہونے سے بدنامی، نفرت اور زوالِ سلطنت کے علاوہ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا تھا دوسری طرف حسین علیہ السلام کا اپنی موجودگی کے باوجود یزیدی حکومت کو تسلیم نہ کرنا بھی اموی حکومت کے لئے ایک بڑا چیلنج تھا اور آہستہ آہستہ اس کی غیر آئینی حیثیت کا علم پوری امتِ مسلمہ میں پھیل جاتا جس سے مرکزی حکومت کو نامطلوب نتائج کا سامنا کرنا پڑتا۔

لہذا معاویہ نے اس پیچیدہ مسئلہ کا حل اپنے مخصوص سیاسی حربے ایک تیر سے دو شکار کرنے میں پایا۔ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل بھی کرنا چاہتا تھا اور مرکزی حکومت کو اس جرم کی براہِ راست ذمہ دار بننے سے بھی بچانا چاہتا تھا۔ اس مطلب پر واضح دلیل اسکی یہ وصیت ہے کہ ابن زیاد کو کوفے کے نظم و نسق پر مکمل کنٹرول دینے کیلئے اسے وہاں کا گورنر بنا دیا جائے یہ وصیت سرجون مسیحی کے ذریعے یزید کو بھیجی گئی تھی۔ معاویہ ابن زیاد کی نفسیات اور حالات سے پوری طرح آگاہ تھا۔

اس کی درندگی اور وحشیانہ پن کا اسے مکمل یقین تھا۔ اس لئے قتل حسین علیہ السلام کا کام اس سے لیا جا سکتا تھا اور یزید نے یہ کام اس سے لیا۔

اس مطلب کی تائید اس مختصر حکم نامے سے ہوتی ہے جو اس نے معاویہ کی ہلاکت کے بعد والئ مدینہ کو بھیجا تھا۔ اس میں امام حسین علیہ السلام سمیت عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے سختی سے بیعت لینے اور بیعت سے انکار کی صورت میں ان کی گردن زنی کا تاکیدی حکم تھا۔

عام لوگوں سے بیعت لینے کے لئے علیحدہ عام مراسلہ اور قریش میں سے اپنے نامور مخالفین کے لئے مطالبہ بیعت پر مشتمل علیحدہ ایک خاص حکم نامہ جاری کرنے سے نہ صرف ان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ یزید اپنے مخالفین کے قتل کی براہ راست ذمہ داری قبول کرنے سے کنی کتراتا تھا۔ کیونکہ اس چھوٹے حکم نامے کو غیر سرکاری دستاویز گردانا جا سکتا تھا۔

یزید اپنے اس منصوبے میں ناکام رہا اور مرکزی حکومت کے براہ راست حکم پر حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا اور جب اس جرم کی سنگینی اس کے نامطلوب اثرات کو اس نے محسوس کیا اور پوری امت اسلامیہ میں اس کے خلاف مذمت و نفرت کی لہر دوڑ گئی تو اس نے ابن زیاد کو اس جرم کا ذمہ دار ٹھہرانے کی ناکام کوشش کی۔

انتقام

بنی امیہ کی جانب سے سانحہ کربلا کے جرم کے ارتکاب کا ایک محرک بنی ہاشم کے خلاف جذبہ انتقام تھا۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام کی جانب سے اس عنصر کا کوئی دخل نہیں تھا۔ جیسا کہ اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انتقام کس چیز کا اور کیوں ؟ نیز اس انتقام کی کتنی صورتیں ہیں۔

بنی امیہ جو نظام جاہلیت کا حامی تھا۔ نظام اسلام اور اس کے علمبرداروں سے دو قسم کا انتقام لینا چاہتا تھا۔

i ۔ جسمانی انتقام ۔

ii ۔ روحانی انتقام ۔

دوسرے لفظوں میں وہ اسلام کو سرے سے ختم کر دینا چاہتا تھا جو کہ اس کا روحانی انتقام تھا ۔ روحانی انتقام پر بحث آگے چل کر "اسلام کا خاتمہ" کے عنوان سے کی جائے گی ۔

جسمانی انتقام سے مراد اسلام کے ان جانبازوں سے انتقام لینا ہے جنہوں نے ابتدائے اسلام میں اپنے مخالفین (بنی امیہ وغیرہ) کے ناپاک عزائم کامیاب نہیں ہونے دیئے تھے ۔

ا۔ جسمانی انتقام

بنی امیہ اور بنی ہاشم کی خاندانی نفرت و کشمکش کا جائزہ گزشتہ صفحات میں لیا جا چکا ہے تاہم زیر بحث موضوع سے مربوط چند واقعات کا ذکر ضروری ہے ۔

قبل اسلام کی تاریخ میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خاندانِ بنی امیہ، خاندان بنی ہاشم کے مقابلے میں شکست خوردہ شر و فساد اور غیر اخلاقی و غیر انسانی صفات سے متصف تھا۔ اور خاندانِ بنی ہاشم انسان دوستی اور اخلاق میں اپنی مثال آپ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام و وحی کی نعمت اور عالمی بہبودی کا پیام خاندان بنی ہاشم سے

مخصوص کیا اور اپنے نظام عدل و انصاف اور حق کی تبلیغ کی ذمہ داری حضرت رسولِ اسلامؐ جو خاندانِ بنی ہاشم سے ہیں پر عائد کی ۔ یہ بات بنی امیہ کو قطعاً گوارا نہ تھی ۔ لہٰذا اسلام کے مخالف عرب کے تمام قبائل میں سے بنی امیہ نے نمایاں کردار ادا کیا کیونکہ وہ نزولِ وحی کو بنی ہاشم کی ابدی فتح اور اپنی دائمی شکست سمجھتا تھا ۔ مکہ میں رسول (ص) کو اذیت پہنچانے اور پھر آپؐ کو قتل کرنے کے منصوبہ کا بڑا محرک ابوسفیان تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بچاتے ہوئے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے مدینہ ہجرت کر جانے پر مامور کیا ۔

رسولِ اسلام صلعم باقی مسلمانوں سمیت مدینہ آ گئے لیکن مشرکین و دشمنانِ اسلام نے آپؐ کو یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا اور کئی بار مدینہ پر فوج کشی کی گئی ابوسفیان ان تمام دشمنوں میں پیش پیش تھا ۔ ہر مرتبہ شکست کھانے سے بنی امیہ کو افرادی قوت کا کافی نقصان اٹھانا پڑا ۔

جنگِ بدر میں بنی امیہ کے عتبہ ، شیبہ ، ولید اور ابوسفیان کے بیٹے حنظلہ کو سپاہیانِ اسلام حضرت حمزہ رضؓ بن عبدالمطلب ، عبیدہ بن حارث اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے موت کے گھاٹ اتارا[1] اور ابوسفیان کے دوسرے بیٹے عمرو کو قیدی بنا لیا گیا تھا[2] ۔

سنہ ۳ ھجری کو جنگِ احد پیش آئی ۔ ابوسفیان حسبِ معمول انتقامی کارروائی میں مصروف تھا ۔ عداوت و دشمنی کی انتہا تھی کہ زوجہ ابوسفیان " ہندہ " مکہ کی دیگر عورتوں کے ہمراہ

ص۱ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۵ ، ارشاد ص ۳۹ ، کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۸۵ ، الاغانی ج ۴ ص ۱۸۹ ۔

ص۲ سیرۃ ابن ہشام ج ۳ ص ۴ ۔

میدان جنگ میں سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ڈھول بجا رہی تھی[1] جب جناب حمزہ شہید ہو گئے تو معاویہ کی ماں اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو کر ان کا جگر نکلوا کر چبانے کی کوشش کی[2]

ابوسفیان کا اسلام

مذکورہ قسم کے معرکوں میں بنی امیہ کو ہر بار شکست و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں یہ احساس ہو گیا کہ میدانِ جنگ میں اسلام اور سپاہیانِ اسلام کو شکست دینا ناممکن ہے لہذا انہوں نے جنگ و جدال کا انداز بدل دیا۔ فتح مکہ کے بعد اس شکست خوردہ خاندان نے ناقابلِ شکست افواج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اسلام کا میدانی دشمن اب مارِ آستین بن کر اسلام کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گیا تاکہ اسلام کی آڑ لے کر کفر و الحاد کے تیشے سے اسلام کی جڑ پر وار کر سکے اور وہ اس مقصد کے حصول کے لئے مناسب موقع ملنے کا منتظر رہا۔ چنانچہ حضرت عثمان کے سامنے اور حضرت حمزہؓ کی قبر پر اس نے جو کچھ کہا وہ اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ درحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ اسلام کو نیست و نابود اور بہتر اسلحہ حاصل کرنے کے لئے اس کی یہ ایک چال تھی جو کہ دشمنی کا انداز بدلنے کے مترادف ہے۔

معاویہ کا موقف ابوسفیان کے موقف سے کچھ مختلف نہیں تھا۔

یزید کا موقف اظہر من الشمس ہے کہ جب اسیرانِ آلِ محمد دمشق لائے گئے تو

---

[1] طبری ج ۲ ص ۶۴۔
[2] ابن ہشام ج ۳ ص ۹۶۔

انتقام کی خوشی میں اس کے کہنے پر پورے شہر کو سجایا گیا تھا۔ لوگ جشن منا رہے تھے۔ ڈھول بجاتے ہوئے گا نے گا رہے تھے۔[1]

سہیل بن سعد کا واقعہ مشہور ہے۔ وہ جب شام پہنچا تو لوگ جشن منا رہے تھے استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ اسیرانِ کربلا آئے ہوئے ہیں اور شہیدانِ کربلا کے سروں کی تشہیر ہو رہی ہے۔

یزید نے اس جشن پر ہی اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اپنے ما فی الضمیر کا علی الاعلان اظہار ان اشعار میں کیا:

"اگر میں آلِ محمد سے انتقام نہ لیتا تو گویا میں خاندانِ بنی امیہ سے ہی نہ ہوتا"[2]

یزید کے اشعار کے مضامین بھی تقریباً وہی ہیں جو اس کی ماں "ہندہ" نے جناب حمزہ کی شہادت کے بعد کہے تھے۔[3]

والئ مدینہ کی خوشی

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچی اس وقت عمر بن سعید بن عاص الاشدق مدینہ کا گورنر تھا۔ جب شہادت کی خبر عام ہوئی تو ہر جانب سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ بنی ہاشم کے گھروں سے خواتین کی گریہ وزاری کی اس قدر

---

[1] مقتل الخوارزمی ج ۲ ص ۶۰۔ امالی الصدوق مجلس۔ ۳۱۔

[2] تمام اشعار کا ترجمہ باب چہارم "یزید کی غیر معقول حیثیت" کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

[3] عقد الفرید ج ۱ ص ۲۲۵۔

دلگرفتہ غمناک اور دل لہو کر دینے والی آوازیں اس سے پہلے کبھی نہیں سنی گئی تھیں۔
عمر بن سعید نے جب رونے کی آواز سنی تو ہنسنے لگا اور بہت کچھ کہا۔ پھر اس نے حضرت رسول اعظم ص کے روضہ کی طرف رُخ کر کے کہا :

"یوم بیوم بدر یا رسول اللہ (ص)"

"آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے یا رسول اللہ ص"

یزیدیوں نے آل رسول سے شماتت برتنے اور انتقام لینے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ والئی مدینہ عمر بن سعید نے حکم دیا کہ بنی ہاشم کے گھروں کو تباہ و مسمار کر دیا جائے اور ایسا ہی کیا گیا۔ [1]

مروان کا نشۂ انتقام

مروان بن حکم، طرید رسول اللہ (ص)، جس کے خاندان کو رسول اکرم ص نے مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا، کو باقی بنی امیہ کی طرح شہادت حسین علیہ السلام سے بہت خوشی ہوئی اور جاہلیت کے کینہ و عداوت اور نشۂ انتقام میں آ کر اس نے کھل کر اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور آل رسول ص کو شام لائے جانے کے وقت وہ دمشق میں تھا۔ سر امام حسین علیہ السلام سے ایک لکڑی کے ساتھ گستاخی کرتے ہوئے وہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا جن سے اس کے خیالات کی عکاسی ہوتی ہے:

یاحبذا بردک فی الیدین	ولونک الاحمر فی الخدین
کانہ بات بعسجدین	شفیت منک النفس یاحسین [2]

---

[1] المقرم ص ۴۳۸، منقول از اغانی ج ۴ ص ۱۵۵، [2] مقتل المقرم ص ۴۵۹، ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۷۱،

(ترجمہ) "کتنا خوب ہے کہ تیرا سکون (میرے) ہاتھ میں ہے۔

اور کتنا خوبصورت ہے تیرے رخساروں پر لال رنگ (خون)

گویا وہ سوتے کا ٹکڑا ہے۔ اے حسین تیرے

قتل سے میرے نفس کو سکون ملا ہے۔

المقرم میں لکھا ہے:

"بردک" یعنی سکون سے مراد قتل ہے اور یہ کام گویا خود مروان نے انجام دیا ہے۔"

شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے دن بنی امیہ کا جشن سرور و نشاط منانا کوئی تعجب خیز نہیں ہے بلکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو حیرت و استعجاب کا سوال پیدا ہوتا تھا۔

اسلام و قرآن کا دفاع باقی مسلمانوں نے بھی کیا لیکن بنی ہاشم، خاص کر ابوطالبؑ نے مکہ میں اور آپ کے فرزند رشید حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ہر محاذ پر اسلام و قرآن کے دفاع میں عظیم الشان اور نمایاں کردار ادا کیا انہوں نے مکہ میں رسول اعظمؐ کی موجودگی میں اسلام دشمنوں، جن میں قریشی و غیر قریشی افراد اور بنی امیہ کا سردار ابوسفیان بھی شامل تھا کو اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہونے نہیں دیا اسلام جب مدینہ میں پھیل گیا اور وہاں ایک اسلامی حکومت تشکیل پا گئی تو اس کا دفاع کرنے والوں میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا نام سرفہرست ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی تلوار کے ذریعے بنی امیہ کے نامور افراد سمیت تمام اسلام دشمن عناصر کا قلع قمع کیا گیا قریش کے شیاطین بالخصوص بنی امیہ کو ذلت آمیز شکست ہوتی رہی یہ ایسا معاملہ نہیں تھا جسے وہ بھول جاتے آتش انتقام ان کے دلوں میں بھڑکتی رہتی تھی یہاں سے قریش اور بنی امیہ خاندان بنی ہاشم کو جن کے سر

اسلام کی نشر و اشاعت اور پھر اس کے دفاع کا سہرا تھا بغض و عداوت اور حسد کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور ہر ایک نے اپنی اپنی باری پر ان سے انتقام لیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام بنی امیہ کے نزدیک واحد ہستی تھی اور آپؑ کے علاوہ اور کوئی فرد ایسا موجود نہیں تھا جس سے حقیقی انتقام لیا جاتا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام ان تمام ہستیوں کا مجموعہ تھے جن سے بنی امیہ انتقام لینا چاہتے تھے۔ ایک طرف نواسۂ رسولؐ کی حیثیت میں رسول اکرم (ص) کا انتقام آپؑ سے لینا تھا۔ دوسری طرف ابوطالب کے پوتے، علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بیٹے، فرزندِ توحید، اسلام کے صاف و شفاف نظام کا مجسمہ اور اسلام کے حقیقی مدافع ہونے کی حیثیت میں آپؑ کا قتل درحقیقت ان سب سے انتقام لینا تھا۔ لہذا بنی امیہ نے جشن منایا اور ابھی تک یزید کے پیروکاروں کے درمیان یہ سلسلہ جاری ہے۔

"لو لم یکن فی قلبہ احقاد جاھلیۃ واضغان بدریہ لاحترام الرأس لما وصل الیہ ولم یضربہ بالقضیب وکفنہ ودفنہ واحسن الی آل رسول اللہ "[1]

"اگر اس کے دل میں جاہلیت کی کینہ توزی اور جنگ بدر کی یاد نہ ہوتی تو یقیناً وہ حسین بن علی (علیہما السلام) کے سر مبارک کا احترام کرتا اور اس کے ساتھ گستاخی نہ کرتا۔ اور اس کے کفن و دفن کا بندوبست کرتا اور اہل بیتؑ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا"۔

---

[1] تذکرۃ الخواص ص ۲۶۰، الصواعق ص ۳۲۱۔

ب۔ روحانی انتقام

حسین بن علی (علیہما السلام) سے دوسری قسم کا انتقام لینا بھی مقصود تھا پہلی قسم کا انتقام جسمانی اعتبار سے اور دوسری قسم کا انتقام روحانی اور نظریاتی لحاظ سے تھا۔

اسلام سے دشمنی

اسلام کا نور جب جزیرۃ العرب میں ظاہر ہوا تو ایک جامع کامل نظام اور انسانیت کی رہبری و قیادت کا مالک ہونے کی بنا پر اس نے ان تمام عادات اور رسومات پر پانی پھیر دیا جو اس وقت عرب میں رائج تھیں بت پرستی سے لے کر غیر اخلاقی سلوک و عادات تک اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ بنی امیہ باقی اعراب کی مانند برے اخلاق و عادات کے مالک تھے۔ بلکہ وہ جنسی بداخلاقی و بے راہروی اور پیشہ ورانہ فن میں بہت مشہور تھے ان کے بعض گھروں کے دروازوں پر جنسی بد سلوکی اور زنا کی دعوت دینے والی عورتوں کا خاص نشان لگا ہوتا تھا کہ جو چاہے اپنی مرضی کر لے۔

اسلام نے ان تمام اعمال و افعال سے لوگوں کو سختی کے ساتھ روکا یہ انسانی طبیعت میں شیطانی صفت کا ایک پہلو ہے کہ وہ حرفِ حق اپنے رقیب اور مدمقابل سے سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا خواہ اسمیں اس کی بہتری ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا ہمیشہ وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ مدمقابل کے نظریہ اور کارنامے کو ہر حال میں ناکام بنا دیا جائے۔

بنی امیہ بخوبی جانتے تھے کہ ہر جگہ یوم سیاہ سے ان کے دوچار ہونے کا اصلی

سبب صرف اسلام ہے یعنی مادی اور نفسیاتی سطح پر انہیں جن پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کا راز صرف اور صرف تعالیم اسلام میں مضمر ہے لہذا اس اصلی اساس و بنیاد کو میدان سے ہٹانا لازمی ہے جو ان کی ذلت و خواری اور توہین کا سرچشمہ ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بنی امیہ کے اکثر و بیشتر افراد فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور اسلام اس وقت تک ان کے طبائع میں داخل نہیں ہوا تھا کیونکہ قبولِ اسلام ان کی ذہنی تبدیلی کا نتیجہ نہیں بلکہ میدان جنگ میں مسلسل شکست و ناکامی کے بعد ان کی مجبوری تھا۔

لہذا رسول اسلام ؐ نے بنی امیہ کے ساتھ دو مختلف رویے اختیار کئے ایک یہ کہ ان کو اسلام کی طرف مائل اور ان کے دلوں میں اسلام کو جاگزیں کرنے کے لئے تالیفِ قلوب کے عنوان سے جنگ حنین میں مالِ غنیمت سے ابو سفیان، اس کے دونوں بیٹوں "معاویہ" اور "یزید" ہر ایک کو ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا دیئے ؎۱

ان کی اسلام دشمنی کو کم سے کم کرنے کے لئے حضور اکرم ؐ نے فتح مکہ کے موقعہ پر ابو سفیان کے گھر کو پناہ گاہوں میں سے ایک پناہ گاہ قرار دیا۔ لیکن اسلام کی صاف و شفاف اور دلکش تعلیمات بنی امیہ کے دلوں پر اثر انداز نہ ہو سکیں اس لئے نہیں کہ اسلام میں خامی تھی بلکہ وہ خود اسلام کے قابل نہیں تھے۔

حضور اکرم (ص) دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی تقدیر و سرنوشت اور اسلام کی تعلیمات سے یہ لوگ کھیلیں گے۔ اس لئے آپ (ص) دوسرا رویہ اختیار کرتے ہوئے

؎۱ فقہ السیرہ محمد غزالی ص ۲۹۰، نقل از فضائل امام علی علیہ السلام۔

احتیاطی تدابیر کے طور پر بنی امیہ کی حقیقت بیان اور ان کے عزائم کا پردہ چاک فرمایا کرتے تھے تاکہ جب بنی امیہ مسلمانوں پر حکومت کرنے کی کوشش کرے تو امت مسلمہ کو فرامین رسول ص یاد آجائیں اور وہ ان کو اپنا حاکم نہ بنائے، اسے اسلامی اقدار و عقاید کی پامالی کا موقع فراہم نہ کرے اور ان کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرے لہذا کتب حدیث و تواریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بنی امیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں تھا جس کی قرآن و سنتِ رسول ص میں مذمت نہ کی گئی ہو۔

خاندان بنی امیہ کے بارے میں جو مذمت آئی ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک عمومی جس میں خاندانِ بنی امیہ کے تمام افراد شامل ہیں۔ دوسری یہ کہ اکثر افراد کی فرداً فرداً نام و علامت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے، جیسا کہ رسول اعظم (ص) نے فرمایا:

۱۔ "شر العرب بنو امیہ و بنو حنیفہ و ثقیف" [1]

"عرب میں سب سے برے بنی امیہ، بنی حنیفہ اور بنی ثقیف ہیں۔"

۲۔ "کان ابغض الاحیاء او الناس الی رسول اللہ بنو امیہ" [2]

"رسول اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض بنی امیہ تھے"

۳۔ خلیفہ دوم عمر بن خطاب سے مروی ہے:

یہ آیت بنی امیہ کی شان میں نازل ہوئی۔

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک والشجرۃ الملعونۃ

ح ۱۔ الغدیر ج ۸ ص ۲۵۱، تطہیر الجنان ص ۸۵
ح ۲۔ 〃 〃 〃 〃 〃

فی القرآن (اسراء: ۶۰) [۱]

(یعنی) وہ خواب جو ہم نے تم کو دکھایا ہے اس کو ہم نے مقرر کیا مگر لوگوں کی آزمائش کے لئے اور قرآن میں ایک لعنتی درخت (نسل) ہے۔"

۴۔ مذکورہ آیت ابو العاص بن امیہ کے بارے میں نازل ہونے کی روایت ام المومنین حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے چنانچہ وہ روایت کرتی ہیں۔

"رسول اللہ (ص)، نے مروان کے باپ پر لعنت کی جبکہ مروان اس کی پشت میں تھا دونوں ملعون ہیں بلکہ "حکم" کی پوری نسل رسول اللہ (ص) کی زبانی لعنتی ہے" [۲]

۵۔ حکم بن عاص مسلمان ہونے کے بعد بھی رسول اللہ کو اذیت دیتے رہنے سے باز نہیں آیا تھا۔ لہذا حضور اکرم (ص)، نے اسے مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔ [۳]

۶۔ حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے۔

"ولکل امة آفة وآفة هذه الامة بنو امية" [۴]

"ہر امت کی ایک آفت ہوا کرتی ہے اور اس امت کی آفت بنوامیہ ہیں"

۷۔ رسول اکرم (ص)، نے فرمایا:

"اذا بلغت بنوامية اربعين اتخذوا عباد الله خولاً

---

[۱] الامام الصادق مظفر ص ۱۳ ابی الحدید ج ۱۲ ص ۸۱۔ نیز ان مصادر کے مطابق مذکورہ آیت سے مراد بنی امیہ ہیں۔ الدر المنثور ج ۴ ص ۱۹۱، تفسیر الشوکانی ج ۳ ص ۲۳۱۔ تفسیر الآلوسی ج ۱۵ ص ۱۰۷۔ تفصیل ملاحظہ ہو الغدیر ج ۸ ص ۲۴۸۔۲۴۹۔

[۲] الغدیر ج ۸ ص ۲۴۶ [۳]۔ الغدیر ج ۸ ص ۲۴۲۔۲۴۳

[۴]۔ کنز العمال ج ۶ ص ۹۱۔ الغدیر ج ۸ ص ۲۵۱۔

ومال اللہ نحلاً وکتاب اللہ وخلاً۔"[1]

"جب بنی امیہ کی تعداد چالیس ہو جائے گی تو وہ لوگوں کو غلام بنالیں گے ، مال خدا کو اپنے لئے مخصوص اور کتاب خدا میں تحریف و غلط تاویل کریں گے "۔

۸۔ آنحضرت (ص) نے فرمایا :

"یطلع من ھذا الفج رجل یحشر علی غیر ملتی فطلع معاویۃ"[2]

"ایک شخص اس راستہ سے نکلے گا جو میرے دین پر نہیں مرے گا ۔ اتنے میں معاویہ اس راستے سے نکل آیا ۔"

۹۔ ایک مرتبہ ابوسفیان گدھے پر سوار تھا ۔ معاویہ گدھے کو آگے سے کھینچ رہا تھا اور یزید بن ابی سفیان پیچھے سے اسے ہانک رہا تھا تو آنحضرت (ص) نے فرمایا :

"لعن اللہ القائد والراکب والسائق "[3]

(یعنی) اللہ ان تینوں پر لعنت فرمائے ۔

۱۰۔ حضور اکرم (ص) نے فرمایا :

"اذا رأیتم معاویہ یخطب علی منبری فاضربوا عنقہ"[4]

" اگر تم معاویہ کو میرے منبر پر خطاب کرتا دیکھو تو اس کا سر قلم کر دو"۔

۱۱۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان ایک طویل گفتگو ہوئی جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کو بتایا کہ رسول اکرم (ص) نے

ح ۱ الغدیر ج ۸ ص ۲۵۰ ح ۲ طبری ج ۱۱ ص ۳۵۷ نقل از حیاۃ الحسن ج ۲ ص ۱۴۴ ۔ الغدیر ج ۰ ص ۱۴۲

ح ۳ طبری ج ۱۱ ص ۳۵۷ ۔ حیاۃ الحسن للقرشی ج ۲ ص ۱۴۴ ، الغدیر ج ۸ ص ۲۰۶ ۔

ح ۴ حیاۃ الحسن ج ۲ ص ۱۴۶ ۔

تمہارے باپ ابو سفیان پر سات مقامات پر لعنت کی ہے۔ ؎

بنی امیہ نے نفسیاتی طور پر یہ سوچنا شروع کیا کہ اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ان کے لئے کافی ثابت نہیں ہوا بلکہ اسلام نے ان کی مذمت اور بداخلاقی و بدکرداری کا ثبوت دے کر ان کی حد سے زیادہ توہین کی ہے۔ مسلمانوں میں ان کی رسوائی ہوئی اور ان کی عزت و شرافت اور قدر منزلت بھی نہ رہی۔ لہٰذا اس نظریہ، جس کا نام اسلام ہے کو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہنے دینا چاہیئے۔ اور جب بھی فرصت ملے اس پر لازماً کاری ضرب لگانا چاہیئے

اور ہوا بھی اسی طرح اس دعوٰی پر کافی تاریخی شواہد موجود ہیں کہ بنی امیہ نے اسلام کو مٹانے کے لئے کیا کیا حربے استعمال نہیں کئے۔ وہ کبھی خلوت اور کبھی جلوت میں اپنے جاہلیت کے ناپاک ارادوں کا اظہار کرتے تھے۔ ہم اس کے متعلق تاریخی شواہد کا تذکرہ اگلے عنوان کے تحت بیان کریں گے۔

۱؎ تفصیل ملاحظہ فرمائیں شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۳، الغدیر ج ۱۰ ص ۸۲۔

اسلامی نظام کا خاتمہ

یزید کے اقدام کا تیسرا عامل و محرک، اسلام کو بحیثیت اسلام صفحہ ہستی سے مٹانے کی خواہش ہے دوسرے لفظوں میں روح اسلام اور اس کی شمولیت و جامعیت کو نیست و نابود کر کے وقت کی ضرورت کے مطابق اپنی کرسی اور مادی فائدہ کی خاطر کبھی کبھار اسلام کا نام لیتے رہنا اور موقع ملنے پر اسلام کے نام تک کو دفن کر دینا مقصود تھا۔

اسلام کو ختم کرنے کی خواہش صرف یزید کی نہیں تھی۔ بلکہ مستند تاریخی شواہد اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یزید سے پہلے جتنے ادوار جاہلیت کے گزرے ہیں۔ ان سب کی بھی یہی دیرینہ خواہش اور مکمل عزم و ارادہ تھا کہ اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

یزید حکومتِ جاہلیت کے ان مراحل میں سے ایک مرحلے کا ذمہ دار تھا جو اپنے پیشروؤں کی سفارشات کے تحت تعمیل حکم کر رہا تھا۔ چنانچہ یزید کے پورے خاندان کا نظریہ یہی تھا کہ حکومت کی حفاظت کی خاطر یہ شاہی فرمان جاری کر دیا جائے کہ حضرت امام حسینؑ سے بیعت لی جائے۔ بصورتِ دیگر آپؑ کا سر قلم کر دیا جائے۔

ابوسفیان کا قبولِ اسلام

گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ بنی امیہ کا اسلام قبول کرنا، ذہنی و فکری تبدیل کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ فتح مکہ کے بعد اسلام کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے مشرکین عرب خاص کر قریش کے پاس کوئی قوت و طاقت نہ رہی تھی اس لئے وہ اپنے جان و

مال کی حفاظت کی خاطر مجبوراً اور بادلِ نخواستہ مسلمان ہو گئے۔

ایک عظیم الشان لشکرِ اسلام رسول اعظم (ص) کے ہمراہ مکہ کی جانب رواں دواں تھا اور اس کی آمد کی خبر مکہ میں پھیل چکی تھی۔ ابوسفیان رسول اعظم (ص) کی نقل و حرکت کا حال معلوم کرنے کے لئے مکہ سے باہر نکلا۔ دوسری طرف عباس بن مطلب قریش کی جان کی حفاظت کے پیشِ نظر ان کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے لشکر سے نکلے۔ راستے میں ان کی ملاقات ابوسفیان سے ہوئی۔ عباس نے حقیقت حال سے اسے آگاہ کیا کہ رسول اعظم (ص) دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ آئے ہیں ابوسفیان کو آنحضرت (ص) کے سامنے پیش کیا گیا۔ آنحضرت (ص) نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی وہ پس و پیش کرنے لگا عباس نے اسے کہا کہ اسلام قبول کر لو ورنہ تمہاری جان کی خیر نہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا[1]

اس واقعہ سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ ابوسفیان کے قبولِ اسلام کا محرک، اجتماعی اور عسکری حالات کے پیشِ نظر اپنے آپ کو بچانے کا عنصر تھا۔ جس سے اسلام نہ لانے کی صورت میں اسے دوچار ہونا پڑتا تھا۔

یہ ایک فطری و سیاسی حقیقت ہے کہ شکست خوردہ لشکر جب فاتح لشکر کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے تو اس تسلیم کے پس پردہ بہت سے عوامل اور محرکات ہوتے ہیں یقیناً ایک طرف تو وہ اپنی جان بچاتا ہے اور دوسری طرف فاتح فوج سے انتقام لینے کے لئے خفیہ سازشیں کرتا ہے۔

خاندان بنی امیہ خاص کر ابوسفیان اپنا بھیس بدلنے کے بعد عزائم و ارادوں کی

---

[1] طبری ج ۲ ص ۱۵۷۔ الغدیر ج ۳ ص ۲۵۳

تکمیل کے لئے مناسب مواقع کے منتظر تھے۔ رسول اعظم (ص) کی وفات نے انہیں ایک موقع فراہم کیا۔ اس وقت مسلمانوں کی تاریخ میں رہبری اور خلافت رسول (ص) کے بارے میں وہ جان گداز اور المناک اختلاف پیدا ہوا جو ابھی تک موجود ہے ابوسفیان اس نازک مرحلے میں حضرت علی علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ساتھیوں سمیت حاکم وقت کے ساتھ کھلے میدان میں جنگ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ابوسفیان نے ابوبکر کو برا بھلا کہتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام سے کہا۔

"ابسط یدک ابایعک فواللہ لئن شئت لاملانہا علیہ خیلا"۔[۱]

"ہاتھ بڑھاؤ کہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں۔ اللہ کی قسم! اگر تو چاہے تو میں پورا مدینہ پیدل اور سوار فوج سے بھر دوں!!"

حضرت علی علیہ السلام نے اسے ڈانٹ دیا اور فرمایا:

واللہ ما اردت ھذا الا الفتنۃ وانک واللہ طالما بغیت للاسلام شرا"۔[۲]

اللہ کی قسم! تیرا مقصد صرف فتنہ و فساد برپا کرنا ہے اور اسلام کو زد پہنچانے کی تیری خواہش ہمیشہ سے رہی ہے!"

ابوسفیان یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام کے پاس سے اٹھ گیا اور مدینہ کی گلیوں، بازاروں میں سے گزرتے ہوئے ایسے اشعار پڑھ رہا تھا جن میں بنی ہاشم خاص کر حضرت علی علیہ السلام کو خلافت کا حقدار ٹھہرایا گیا۔ اور ابوبکر و عمر کے فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا۔

---

[۱]، [۲] الغدیر ج ۳ ص ۲۵۴

عمر نے ابوبکر سے کہا یہ شخص شر د برائی پر آمادہ ہے اور دونوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ جو صدقہ ابوسفیان کے پاس ہے اسے اس کے پاس ہی رہنے دیا جائے ابوسفیان اس فیصلے پر راضی ہو گیا اور اس نے ابوبکر کی بیعت کر لی[1]

ابوسفیان کو جب اس طرف سے مایوسی ہوئی تو اس نے اپنی روش تبدیل کر لی اور صفِ حاکم میں جا کر شامل ہو گیا اس نے آخر دم تک حکومت کے خلاف کوئی بات نہ کی۔

مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ یرموک پیش آئی۔ جنگ شدت کے ساتھ جاری تھی اور ابوسفیان دور سے تماشہ دیکھ رہا تھا۔ جب دیکھتا کہ رومی غالب آ رہے ہیں تو کہتا۔ "شاباش! اے ملک روم کے بہادرو!" اور جب وہ دیکھتا کہ مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے اور انہیں تقویت مل رہی ہے تو حسرت، مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں یہ شعر پڑھتا تھا:

"ویعنو الاصغرا لملوک ملوک
الروم لم یبق منہم مذکور

"ہائے افسوس! سلطنت روم کے پرشوکت بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے نظر آتا ہے۔"

عبداللہ نے اپنی آنکھوں دیکھا یہ حال جب اپنے والد زبیر سے بیان کیا تو اس نے کہا۔ "خدا غارت کرے اسے! یہ نفاق سے باز نہیں آئے گا۔ کیا ہم اس کیلئے رومیوں سے بہتر نہیں ہیں"؟[2]

---

[1] الغدیر ج ۳ ص ۲۵۴۔

[2] الغدیر ج ۸ ص ۲۷۸، ج ۳ ص ۲۵۳۔ الاغانی ج ۶ ص ۳۵۵۔

عہدِ عثمان میں ایک مرتبہ ابو سفیان خوشی و مسرت کے عالم میں حضرت عثمان کے پاس آیا اور کہا:

"تیمیم اور عدی کے بعد اب یہ خلافت تمہیں ملی ہے اب اسے اپنی مرضی سے گیند کی طرح گھماؤ بنی امیہ کے ذریعہ اس کی بنیادیں مضبوط کرو۔ اس لئے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیاوی سلطنت ہے جنت و دوزخ کو میں کچھ نہیں سمجھتا۔"[1]

یہ تھی ابو سفیان کی خواہش کہ وہ اسلام کو جلد ختم کر کے جاہلیت کے نظام کو دوام دینا چاہتا تھا۔ بالآخر وہ بنی امیہ کے دیگر افراد جو مسلمانوں کے سیاہ و سفید پر مسلط ہو چکے تھے کے ذریعہ اپنے اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب ہو گیا اور خلیفہ سوم کے عہد میں اسلام کا حقیقی اور صاف و شفاف چہرہ مرجھا گیا اور جاہلیت کے افکار و نظریات کا کھلم کھلا اظہار کیا جانے لگا۔

ایک مرتبہ ابو سفیان حضرت حمزہؑ کی قبر مبارک پر گیا اور اسے نگاہِ انتقام سے دیکھتے ہوئے فخریہ لہجے میں اس نے کہا:

"اے ابو عمارہ! وہ امر جس کے بارے میں ہم کل تک ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے آج ہمارے غلاموں کے ہاتھ کا کھیل بن چکا ہے۔"[2]

بوڑھا باپ مر گیا۔ اب اس کی دلی خواہش کی تکمیل کی ذمہ داری اس کے بیٹے معاویہ پر عاید ہو گئی اگرچہ بنی امیہ کے باقی افراد بھی اس ہدف کی تکمیل کے میدان میں کبھی پیچھے نہ رہے تھے۔ مگر معاویہ کا کارنامہ خصوصیت کا حامل تھا اور ان کا اقدام بہت کارگر ثابت ہوا۔

---

[1] الغدیر ج ۸ ص ۲۷۸۔ الاغانی ج ۶ ص ۳۵۶

[2] حیاۃ الحسنؑ ج ۲ ص ۲۴۲۔

معاویہ کی اسلام دشمنی کے عملی ثبوت تاریخی کتب میں مسطور ہیں اور ان کا ایک ایک قدم اس حقیقت کا بین شاہد ہے کہ انہوں نے درحقیقت اپنے باپ کی خواہشات اور امنگوں کو پورا کرنے کا عزم بالجزم کر رکھا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کیونکہ وہ اسی باپ کا وارث ہے۔

اسلام کو مٹانے کے لئے معاویہ کے عملی اقدامات کا تذکرہ ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ اس سلسلے میں ابھی اس کے ان خیالات کو پیش کرتے ہیں جن کا زبانی اظہار وہ موقع ملنے پر ابوسفیان کی طرح کیا کرتا تھا۔

مطرف بیان کرتا ہے:

میں ایک مرتبہ اپنے والد مغیرہ کے ہمراہ معاویہ کے پاس گیا۔ میرے والد معاویہ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ اور ان کے درمیان جو گفتگو ہوا کرتی تھی وہ بھی مجھے بتایا کرتے تھے وہ معاویہ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے ایک رات جب وہ معاویہ کے پاس سے واپس آئے تو بہت غمگین تھے انہوں نے رات کا کھانا بھی نہ کھایا ہم نے کچھ دیر انتظار کیا پھر خیال آیا کہ شاید وہ ہم سے ناراض ہیں۔ ہم نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا: بیٹا! میں اس وقت ایک بدترین آدمی کے پاس سے آیا ہوں۔ میں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے معاویہ سے تنہائی میں کہا: اے امیرالمؤمنین! آپ اپنی امنگوں تک پہنچ چکے ہیں۔ کتنا اچھا ہو اگر آپ رعیت میں عدل و انصاف اور نیکی قائم کریں۔ نیز آپ کبیر السن بھی ہو چکے ہیں آپ اپنے بنی ہاشم کے بھائیوں کی طرف اخوت و انصاف کی نظر سے دیکھئے اور صلۂ ارحام کیجئے۔

اللہ کی قسم! ان کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے آپ کو خوف و ہراس کا اندیشہ ہو۔ معاویہ نے کہا: ہائے افسوس! تیم کے بھائی (ابوبکر) نے جو کچھ کیا عدل کے مطابق کیا مگر ان کا انتقال ہوتے ہی ان کا نام بھی مٹ گیا پھر عدی کے بھائی (عمر) نے دس سال حکومت کی لیکن ان کے جاتے ہی ان کا نام تک نہ رہا ہمارے بھائی (عثمان) کا قصہ بھی اسی طرح کا ہے ان کے چلے جانے کے بعد ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ لیکن بنی ہاشم کے بھائی (رسول اللہ) کا نام روزانہ پانچ مرتبہ لیا جاتا ہے۔ (اشھد ان محمداً رسول اللہ) فای عمل یبقی بعد ھذا لا ام لک الا دفناً دفنا۔ (یعنی) اس کے بعد کون سا عمل ہے جو باقی رہے۔ تیری ماں کی خیر نہ ہو۔ میں اس نام (رسول اللہ) کو دفن کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔"[1]

آنحضرتؐ کے اسم گرامی اور آخر کار پورے اسلام کو دفن کرنے کے سلسلے میں معاویہ کا پہلا اقدام وہ تھا جو انہوں نے اپنے عہد حکومت میں کیا۔ اور چالیس جمعہ ایسے گزر گئے کہ آنحضرتؐ پر درود بھیجے بغیر اس نے نماز ادا کی۔[2]

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۴۵۔ ابن ابی الحدید ج ۵ ص ۱۳۰۔ ابن ابی الحدید میں پسر ابی کبشہ کا بھی لفظ ہے زمانہ جاہلیت میں ابی کبشہ نامی ایک شخص نے بت پرستی سے انکار کیا تھا مشرکین عرب حضور اکرمؐ کو اس شخص سے منسوب کرتے تھے۔ معاویہ نے بھی اپنی پرانی عادت کے مطابق حضور اکرمؐ پر ابی کبشہ کا اطلاق کیا۔ (مجمع البحرین ج ۴ ص ۱۵۱)

[2] النصائح الکافیہ ص ۹۷۔

معاویہ نے ایک مرتبہ اذان کی آواز سنی تو جاہلیت کے غیظ و غضب اور کینہ و حسد سے بھڑک اٹھا۔ پھر حسرت اور عاجزی کے عالم میں اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

للہ ابوک یا ابن عبد اللہ، لقد کنت عالی الھمۃ، ما رضیت لنفسک الا ان تقرن اسمک باسم رب العالمین[1]۔"

"اے فرزند عبد اللہ! خدا آپ کے والد کی خیر کرے۔ آپ بلند ہمت والے تھے اور آپ نے اپنی ذات کے لئے ہر قسم کی عزت حاصل کر لی یہاں تک کہ اپنے نام کو رب العالمین کے نام کے برابر کر لیا۔

یزید کا کردار

اسلام کے نظام اور قرآن کی تعلیمات کے خاتمے کے سلسلے میں یزید کا کردار محتاج بیان نہیں ہے۔ اس کا کردار اپنے باپ معاویہ کے کردار سے جدا نہیں۔ بلکہ ہر ایک کا مرحلہ عمل جدا تھا۔ اور اپنے مشترکہ روح عمل و اہداف پر دونوں متفق تھے۔

۴۔ نظام جاہلیت کی برقراری

نظام جاہلیت کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ اسلام کے خاتمے کے بعد اسلامی معاشرہ پر جاہلیت کا نظام مکمل طریقے سے نافذ کر دیا جائے یہ صرف یزید کا مقصد نہیں تھا بلکہ خاندان بنی امیہ کا یہ دیرینہ خواب تھا۔ جسے شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے وہ مرحلہ وار آگے

---

[1] سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۶۲ از ابن ابی الحدید

بڑھتے رہے۔

اس بارے میں کچھ مستند تاریخی شواہد کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے یہاں ہم چند جید علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں جو بنی امیہ کے دور میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے شاہد ہیں۔

علامہ مودودی فرماتے ہیں:

حضرت عثمان کی کمزوری کی وجہ سے ان کے زمانہ خلافت میں جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا موقع مل گیا اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا جاہلیت و منافقت اپنا قبضہ واقتدار جماتے رہے اور مسلمانوں نے قرآن کی اصلی تعلیم اور فرمانِ رسول (ص) کو پس پشت ڈال دیا اور جہالت و منافقت کو اپنا کر دنیوی اقتدار کی طاقت کی کنجیوں پر قبضہ جما لیا اور حالات بد سے بدتر ہو گئے۔ [1]

علامہ معین الدین ندوی دور معاویہ کی تبدیلیوں اور اس کے حصولِ اقتدار کی راہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اُدھر معاویہ کا اپنے طرفداروں کے لئے بیت المال کا خزانہ لٹاتے رہنا اور ادھر حضرت علی کا ہر شخص سے ایک ایک پیسے کا حساب لینے کے اثرات اس طرح مرتب ہوئے کہ عدل وانصاف کے کڑوے گھونٹ ان لوگوں سے برداشت نہ ہو سکے جنہوں نے اسلام کی تعلیمات کو بھلا دیا تھا ، ان کے قلوب اصلاح کی تمام صلاحیتیں کھو چکے تھے اور پایہ تخت شام کی طرف مائل ہو کر دنیاوی

---

[1] تجدید واحیائے دین ص ۳۶۔

مال و دولت اور اقتدار و طاقت ہی کو حقیقی اسلام سمجھنے لگے [۱]"

مصر کے جید عالم سید قطب بھی معاویہ کی حرکات کو جاہلیت کا ایک نمونہ قرار دیتے ہوئے یزید کی ولیعہدی کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

یزید کی ولیعہدی کا محرک قبائلی اور خاندانی تعصب تھا جس کا اسلام کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں تھا یہ کام معاویہ کے نزدیک کوئی زیادتی نہیں تھا یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کیونکہ معاویہ ابوسفیان اور ہند کا بیٹا اپنے گزرے ہوؤں کا وارث اور اسلام کی حقیقت سے دوری میں ایک دوسرے کے مشابہہ ہے [۲]"

بنی امیہ کا اقتدار پوری امت اسلامیہ میں پھیلنے کی وجہ سے انہیں اسلام کی نابودی کا کام آگے بڑھانے کا سنہری موقع مل گیا۔ وہ اپنے اس کام میں کہاں تک کامیاب رہے اس حقیقت کی تصویر، جناب احمد امین مصری جو کہ نہایت متعصب شخص تھا کے قلم سے نقل کرتے ہیں ۔ وہ مروان بن حکم کا کردار بیان کرتے ہوئے قمطراز ہیں:

"د مروان هذا و شيعته قد هدموا كل ما بناه الاسلام من قبل" [۳]

"مروان اور اس کے ساتھیوں نے ہر اس چیز کو تباہ و برباد کر دیا جس کی بنیاد اسلام نے رکھی تھی۔"

اس بحث کے آخر میں خاندانِ بنی امیہ کے بزرگ سردار ابوسفیان کے خیالات کا ایک نمونہ نقل کرنا بے جا نہ ہوگا۔ ان خیالات کا اظہار اس نے حکومت اسلامی پر بنی امیہ

۱۔ خلفائے راشدین ص ۲۸۰۔ ۲۔ العدالتہ الاجتماعیۃ ص ۱۸۰۔

۳۔ فجر الاسلام ص ۳۱۱۔

کا قبضہ ہونے کے بعد خلیفہ سوم کے سامنے کیا تھا:

"حضرت عثمان، شوریٰ کے ذریعے اور عمر بن خطاب کی مدبرانہ کوشش کے باعث حاکم منتخب ہو گئے ابو سفیان مسرت وسرور کے عالم میں ان کے پاس آیا اس وقت وہ بہت بوڑھا اور نعمت بینائی سے معذور ہو چکا تھا۔ وہ حضرت عثمان کے پاس پہنچتے ہی پوچھنے لگا: یہاں کوئی اجنبی تو نہیں ہے؟ جواب میں کہا گیا: نہیں۔ پھر اس نے اپنی دیرینہ خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اللھم اجعل الامر امر الجاھلیۃ والملک ملکاً غاصبیۃ واجعل اوتاد الارض بنی امیہ

(یعنی، پروردگارا! اس خلافت کو جاہلیت کی خلافت، سلطنت وحکومت کو غاصبانہ سلطنت اور بنی امیہ کو زمین کی بنیاد قرار دے"[1]

مسعودی کی روایت کے مطابق ابو سفیان نے یہ جملے کہے:

"یا بنی امیہ! تلقفوھا تلقف الکرۃ، فوالذی یحلف بہ ابو سفیان مازلت ارجوھا لکم و لتصیرن الیٰ صبیانکم وراثۃ۔"[2]

"اے بنی امیہ! خلافت کو گیند کی طرح تھام لو۔ جس کی ابو سفیان قسم کھاتا ہے میں ایک مدت سے اسے تمہارے لئے چاہتا تھا اور اپنے بچوں تک کو اسے وراثت میں دے دو"

ح۱۔ الغدیر ج ۸ ص ۲۷۸۔ الاغانی ج ۶ ص ۳۵۵۔

ح۲۔ الغدیر ج ۸ ص ۲۷۸۔ مروج الذھب ج ۲ ص ۳۵۲۔

خلیفہ سوم اور معاویہ کے دور میں ابو سفیان کی ہدایت پر مکمل عمل کیا گیا اس وقت ہر چیز میں جاہلیت کے مفاہیم و نظریات پائے جاتے تھے۔ اور یہی نظریات مسلمانوں کے انفرادی واجتماعی عقاید و اقدار پر حکم فرما تھے اس کی مزید تشریح آئندہ صفحات میں کی جائے گی اس مقام پر معاویہ اور بنی امیہ کے اسلام کے خلاف اور جاہلیت پر مبنی نظریات، نظام حکومت اور سیاسی مقاصد کے بارے میں چند دانشمندوں کے اقوال وخیالات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔ مشہور فلاسفر "ابن رشد" نے خلافت راشدہ کو ایک مثالی نظام حکومت قرار دیتے ہوئے معاویہ کے دور کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"... مگر معاویہ نے خلافت راشدہ کی عمارت مسمار کرکے اس کے ملبے پر بنی امیہ کی حکومت وسلطنت قائم کی۔"[1]

۲۔ ڈاکٹر احمد امین مصری نے بھی اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"درحقیقت بنی امیہ کی حکومت اسلامی حکومت نہیں تھی کہ جس میں لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم رہتا بلکہ وہ اعراب کی حکومت تھی۔ اور ان پر جاہلیت کا رنگ چھایا ہوا تھا جس میں اسلام کا نام ونشان تک نہ تھا۔"[2]

۳۔ معاویہ کی اسلام دشمنی اور جاہلیت کو فروغ دینے کے متعلق ایک جرمن دانشور کا خیال ملاحظہ فرمائیں:

ینبغی لنا ان نقیم تمثالا من الذهب لمعاویة

---

[1] ابو ہریرہ ص ۱۸۶۔

[2] ضحی الاسلام ص ۲۷۔

بن ابی سفیان فی میدان کذا من عاصمتنا "برلن"

فقیل لہ: لماذا؟ قال لانہ ھو الذی حوّل

نظام الحکم الاسلامی عن قاعدتہ الدیمو

قراتیہ الی عصبیتہ ولولا ذلک لعم الاسلام

العالم کلہ. واذن لکنا نحن الالمان و سائر

شعوب اوربا عربا "مسلمین"۔[1]

"ہمیں چاہیئے کہ جرمن کے دارالحکومت "برلن" کے کسی چوک پر معاویہ بن ابی سفیان کا سونے کا بنا ہوا مجسمہ نصب کریں۔ کیونکہ اس نے اسلامی نظام حکومت کو جمہوریت کی بنیاد سے نکال کر عصبیت اور جاہلیت میں تبدیل کر دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلام پوری دنیا میں چھایا ہوا ہوتا اور ہم جرمنی کے لوگ باقی یورپ سمیت مسلمان ہو چکے ہوتے۔

---

[1] ابو ھریرہ محمود البوریہ ص ۱۸۵ منقول از الوحی المحمدی ص ۲۳۲۔

عوامل بعید

۱۔ واقعہ سقیفہ

حضرت رسول خداؐ رحلت فرما گئے۔ آپؐ امت اسلامیہ کو افتراق، تفرقہ، انتشار اور متوقع خطرات سے بچانے کی خاطر اپنے جانشین اور آئینی خلیفہ کا تقرر فرما چکے تھے[1]۔ جیسا کہ کتب فریقین میں سینکڑوں روایات اور نصوص شرعیہ موجود ہیں کہ بالخصوص حضرت علی علیہ السلام اور بالعموم آئمہ اہل بیتؑ کی رہبری و امامت کی نشاندھی اور اس کا تعین آنحضرت (ص) نے فرمایا تھا۔ مگر صدر اول کے مسلمان، جو جاہلیت اور قبائلی رسوم و عادات کے باعث مکمل آزاد نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی نظام کو مکمل طور پر نافذ نہ کر سکے تھے۔ خلافت و جانشینی کے مسئلہ سے مربوط فرامین خدا و رسول خدا کو فراموش کر گئے۔ ابتدا میں چند مسلمانوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر کی بیعت اس حالت میں کی کہ حضرت علی علیہ السلام رسول خدا (ص) کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ اور باقی مسلمان آنحضرت (ص) کی رحلت کے غم میں سوگوار تھے۔

یہاں ہم واقعہ سقیفہ کے بارے میں بحث نہیں کریں گے کیونکہ یہ زیر نظر کتاب کے موضوع سے باہر ہے کہ آیا حضرت ابوبکر کی بیعت ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عمل میں آئی تھی جیسا کہ بعض حضرات نے تاریخی شواہد کی روشنی میں یہی رائے قائم کی ہے یا یہ ایک

---

[1] شیعہ عقیدہ کے مطابق۔

اتفاقی واقعہ تھا جس میں چند افراد کے درمیان گفتگو اور بحث و نزاع کی وجہ سے مہاجرین کا پلہ بھاری رہا انصار کو میدان سے نکال دیا گیا اور ابوبکر کی بیعت کر لی گئی جیسا کہ بعض حضرات کی رائے ہے یا وہ کون سے اسباب وعوامل تھے جن کو واقعہ سقیفہ کو وجود میں لانے میں دخل حاصل تھا۔

ہم اس اخلاقی مسئلہ پر بحث نہیں کرتے لیکن زیر نظر کتاب کے موضوع سے مربوط چیز کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کریں گے اور وہ اس واقعہ کے نتائج واثرات ہیں جو قہری طور پر ہی سہی لیکن مرتب ضرور ہوئے ہیں۔ کچھ نتائج واقعہ سقیفہ کے فوراً بعد نکلے اور کچھ اس کے ایک عرصہ کے بعد رونما ہوئے۔ لیکن دونوں اسی کے بوئے ہوئے درخت کا پھل ہیں۔

واقعہ کربلا، واقعہ سقیفہ کے نتائج میں سے ایک ہے۔ یعنی سانحہ کربلا کے عوامل بعید میں سے ایک عامل یہی واقعہ سقیفہ ہے۔ لہٰذا ہم اس کا تذکرہ باقی عوامل کے ساتھ کریں گے

سقیفہ کے نتائج

واقعہ سقیفہ کے چند نتائج ایسے بھی نکلے ہیں جن کا سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔

۱۔ انحراف۔

۲۔ اختلاف وافتراق۔

۳۔ حکومت پر قبضہ کرنے کا عام موقعہ۔

۴۔ علوم آل محمد علیہ السلام سے ملت اسلامیہ کی محرومی۔

۱۔ انحراف

شرعی خلیفہ کو منصب خلافت و حکومت سے عملاً بے دخل کرنے سے چند اقدامات کا عمل میں آنا ایک طبعی امر تھا۔ اس کام سے حاکم وقت اور حاکم شرح کے درمیان کشمکش، نزاع اور تخاصم وجود میں آتا ہے اور کبھی حاکم وقت ابتدائی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے تاکہ ہر متوقع خطرے کا مقابلہ کیا جا سکے اور حزب مخالف کے جوابی اقدامات کو فوراً کچلا جا سکے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو قدم اٹھایا جائے وہ سو فیصد آئین اسلام اور شریعت محمدیہ (ص) کے مطابق ہو۔ لہذا یہیں سے انحراف کا آغاز ہوتا ہے پھر یہ انحراف ایک دوسرے کے درمیان اختلاف کا واحد سبب بنتا ہے اور رفتہ رفتہ ان اختلافات کا دائرہ اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ حزب حاکم اور حزب مخالف عملاً دو یا دو سے زیادہ گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اسی کا نام افتراق اور فرقہ بندی ہے۔ واقعہ سقیفہ اس کا ایک نمونہ تھا۔

سب سے پہلا انحراف سیاسی تھا۔ کیونکہ شرعی و آئینی خلیفہ سے منصب خلافت سلب کر کے کسی دوسرے کو وہ منصب دے دینا واضح ہے کہ عین سیاسی عمل ہے۔

سقیفہ کے بعد جو دوسرا انحراف عمل میں آیا وہ مالی معاملات سے متعلق تھا اور وہ یہ تھا کہ حاکم وقت نے اپنی صواب دید کے مطابق جناب سیدہ (سلام اللہ علیہا) سے فدک و خیبر کا خمس چھین کر سرکاری خزانہ میں داخل کر دیا۔

تیسرا انحراف حق و عدالت میں عمل میں آیا۔ جناب سیدہ (سلام اللہ علیہا) نے فدک پر اپنا حق ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیات سے استدلال کیا لیکن حاکم وقت نے آپ (سلام اللہ علیہا) کے خلاف فیصلہ دیا جبکہ ائمہ اہلبیتؑ اور جناب سیدہؑ مذکورہ تینوں

مواقع پر اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے۔

چوتھا انحراف حدود و تعزیرات میں عمل میں لایا گیا۔ حضرت ابو بکر نے اجتہادی یا سیاسی نقطہ نظر سے خالد بن ولید پر حد جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ مالک بن نویرہ کے قتل اور اس کی زوجہ سے ہمبستری کا مجرم تھا۔[۱]

۲۔ اختلاف و افتراق

ملت اسلامیہ میں انحراف سے پیدا ہونے والے اختلاف نے افتراق کی شکل اختیار کر لی اور پھر یہ ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے اس کی واضح مثال واقعہ کربلا ہے۔

۳۔ حکومت پر قبضہ کرنے کا عام موقع

واقعہ سقیفہ کے وقوع کے بعد امت اسلامیہ پر حکومت کرنے کی خواہش ہر شخص کے دل میں پیدا ہو گئی اور اسلام دشمن عناصر کو مسلمانوں کے سیاہ و سفید پر قابض ہونے کا مناسب موقع مل گیا۔ چونکہ سقیفہ میں ابو بکر کی بیعت تو کی گئی تھی لیکن انتخاب خلیفہ میں تعلیمات اسلام سے ہم آہنگ کوئی ضابطہ موجود نہیں تھا۔ بلکہ مہاجرین و انصار کی مجموعی گفتگو کے مطالعہ اور بنظر غائر جائزہ سے یہ حقیقت بلا تاخیر سامنے آتی ہے کہ قبائلی اور جاہلیت کی رسوم و عادات ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھیں۔[۲]

---

[۱] طبری ج ۲ ص ۴۷۲، کامل ابن اثیر النص والاجتہاد ص ۱۳۶ - ۱۵۰۔

[۲] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ شرح ابی الحدید ج ۶ ص ۶ تا ۹، الامامہ والسیاستہ ج ۱ ص ۱۲۔

بنی امیہ کو اسی دروازے سے کرسئ خلافت پر قبضہ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ معاویہ نے اس حقیقت کی طرف اپنے اس مراسلے میں واضح طور پر اشارہ کیا ہے، جو اس نے محمد بن ابی بکر کو بھیجا تھا:

"فقد کنا و ابوک فینا نعرف فضل ابن ابی طالب وحقه لازماً لنا و مبروراً علینا .... فکان ابوک وفاروقه اول من ابتزه حقه و خالفه علی امره علی ذالک اتفقا واتسقا .... فان یک ما نحن فیه صواباً فابوک استبد به و نحن شرکائه، ولولا ما فعل ابوک من قبل ما خالفنا ابن ابی طالب، ولسلمنا الیه، ولکنا رائنا اباک فعل ذلک به من قبلنا فاخذنا بمثله"[1]

بے شک ہم اور تمہارے والد علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی فضیلت و منزلت کو اچھی طرح جانتے تھے اور علی علیہ السلام کے حق کا خیال رکھنا ہم پر لازم تھا مگر تمہارے والد اور فاروق (عمر) علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا حق چھیننے میں سب سے آگے تھے اور وہ دونوں اس پر متفق ہوئے۔ اگر ہمارا موقف درست ہے تو تمہارا باپ مستبد تھا اور ہم اس کے شریک کار ہیں اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ہم علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مخالفت نہ کرتے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔ مگر جب ہم نے تمہارے والد کو اس طرح

---

[1] مروج الذهب ج ۳ ص ۲۱-۲۲۔، ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۹۰،

کرتے دیکھا تو ہم نے ان کی نقل کی ۔"

۴۔علوم آلِ محمد (علیہم السلام) سے ملتِ اسلامیہ کی محرومی

فریقین کی کتب میں موجود، حضور اکرم (ص) کی مسلمہ احادیث کے مطابق یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بالعموم ائمہ اہلِ بیت ؑ اور بالخصوص حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام آنحضرت (ص) کے علوم، اسرار شریعت اور کائناتی معارف کا خزینہ تھے روایات واحادیث سے اگر قطع نظر کرلیں تو بھی کتب تواریخ اس دعویٰ پر واضح گواہی دیتی ہیں کہ ائمہ اہل بیت ؑ، خاص کر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہر علمی و شرعی مشکل کے حل کا واحد ذریعہ تھے۔

واقعہ سقیفہ نے امت اسلامیہ کو اس سرچشمۂ علم ومعرفت سے مکمل فائدہ حاصل کرنے سے روک دیا مسلمانوں کی اکثریت خطِ اہلِ بیت ؑ دور ہوگئی اس نے اس کے متوازی دوسرا راستہ اختیار کرلیا اور اہلِ بیت ؑ کے ماننے والوں کو ان کے اقلیت میں ہونے کی وجہ سے انؑ کے علوم سے استفادہ کرنے کا موقع نہیں دیا گیا لہذا حضرت علی علیہ السلام ۲۵ سال گوشہ نشین رہے ۔آپؑ کا اتنا طویل عرصہ جو آپؑ سے وہ عموماً قضاوت، فصلِ خصومات اور غیر اسلامی ممالک سے آنے والوں کے سوالات کے جوابات میں منحصر ہے اس کے برعکس اپنے انتہائی قلیل المدت دورِ حکومت میں، باغی افراد سے برسرپیکار رہنے کے باوجود آپ علیہ السلام سے نہایت گراں بہا اور بلند تعلیمات اسلامی نقل ہوئی ہیں جو پوری انسانیت کے لئے دستور العمل اور آئینِ زندگی کی حیثیت رکھتی ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان آپؑ کی زندگی کے ۲۵ سال کے دوران نہ صرف

آپؑ کی سیاست و قیادت کے حکیمانہ اطوار اور اسلامی خدوخال کی حکمت عملی سے محروم رہے بلکہ آپؑ کے علمی فیوضات سے بھی قیامت تک کے لئے بے بہرہ ہوگئے یہی صورت حال باقی آئمۂ اہلِ بیتؑ کی بھی ہے اس کی مزید وضاحت انقلاب حسینؑ کے اثرات و نتائج کے ذیل میں کی جائے گی۔

۲۔ شوریٰ

حضرت عمر نے اپنے آخری وقت میں مسلمانوں کی قیادت کے سلسلے میں ایک تیسرا راستہ اختیار کیا جو اس سے قبل (عقیدہ اہلِ سنت کے مطابق) حضرت رسولِ خدا (ص) نے اپنایا تھا اور نہ حضرت ابوبکر نے اس تیسرے طریقہ کا نام شوریٰ ہے۔ جس میں صرف چھ افراد میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا تھا۔

نظریۂ شوریٰ کے مطابق چھ افراد میں سے ایک فرد کا انتخاب عمل میں آنا تھا۔ شاید اکثر مسلمانوں کا خیال یہ ہو کہ انتخاب عمل میں آنے سے پہلے پیشگوئی نہیں کی جاسکتی تھی کہ آئینی خلیفہ کون ہوگا۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام نے شوریٰ کے نتیجے کا اعلان اس وقت کر دیا جبکہ ابھی اس کے لئے صرف افراد کو نامزد ہی کیا گیا تھا اور آپس میں کوئی مشورہ ہوا اور نہ اجلاس کا انعقاد ہوا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام جب مجلسِ تعیین (حضرت عمر کے پاس) سے باہر تشریف لائے تو آپؑ کی ملاقات جناب عباس سے ہوئی۔ آپ نے فرمایا:

یا عم لقد عولت عنا "[۱] (یعنی، چچا! خلافت ہم سے چلی گئی"

---

[۱] حیاۃ الحسنؑ ج ا ص ۱۸۵۔ طبری ج ۲ ص ۵۸۱، ابن ابی الحدید ج ۱۲ ص ۲۶۲۔

آپؐ کی پیش گوئی کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ حضرت عثمان کو کوئی خاص امتیاز حاصل تھا جس کی وجہ سے وہ زیادہ اہلیت رکھتے تھے۔ اور باقی افراد اس امتیازی صفت سے محروم تھے۔ بلکہ آپؐ کی پیش گوئی کی بنیاد شوریٰ میں موجود افراد کی وہ خاص ترکیب تھی جس کی شکل وصورت خود حضرت عمر نے بنائی تھی۔[1]

حضرت عثمان کا منتخب ہونا شوریٰ کا قہری اور لازمی نتیجہ ہی نہیں تھا بلکہ یہ بنی امیہ کے لئے میدان میں آنے کی کھلی دعوت بھی تھی۔ اس کی طرف خود حضرت عمر اپنی زندگی میں ہی واضح الفاظ میں اشارہ کر چکے تھے۔ چنانچہ خلافت پر معاویہ کے قابض ہونے کی خبر بھی خود حضرت عمر نے اشارۃً دی تھی۔[2]

امتِ اسلامیہ پر شوریٰ کے اتنے منفی اثرات مرتب ہوئے کہ اس کی تلخی ابھی تک مسلمان چکھ رہے ہیں۔

بہرحال حضرت عثمان شوریٰ کے ذریعے منتخب ہو گئے۔ لیکن اس کے پس پردہ بنی امیہ کا خاندان، جو اسلام کے اصول و نظریات کا دشمن تھا۔ مسلمانوں کے سیاہ و سفید پر قابض ہو گیا اور مسلمانوں کے عقاید و اقدار، اصولِ حکمرانی، تقسیم اموال، عدل و انصاف کے قیام غرض ہر اس چیز سے جس کا تعلق نظام اسلام سے تھا وہ کھل کھیلا اسلام کے حقیقی چہرہ کو جاہلیت کی رسوم و عادات کے پردے میں اس نے چھپا دیا اور روح اسلام کو تبدیل کر دیا۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی۔

دوسری طرف شوریٰ نے اپنے اراکین کے علاوہ ہر فرد کو خلیفہ بننے کے لالچ و ہوس

---

[1] تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ طبری ج ۲ ص ۵۸۱

[2] ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۱۸۷۔

میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ باقی اراکین شوریٰ (حضرت عمر کی نگاہ سے قطع نظر) عام مسلمانوں میں کسی خاص امتیاز یا ذاتی صفات کے حامل نہیں تھے بلکہ عام مسلمانوں میں ایسے افراد اور شخصیات موجود تھیں جو مذکورہ اراکین شوریٰ سے (علاوہ حضرت علی علیہ السلام کے) اگر بہتر نہیں تو ان کے ہم پلہ ضرور تھیں۔ نیز یہ بھی واضح نہ ہو سکا کہ حضرت عمر نے ان چھ افراد کو کن صفات وخصوصیات کی بنا پر نامزد کیا تھا اگر اس کی بنیاد ایمان، علم اور عدالت تھی تو یہی صفات دوسرے افراد میں بھی موجود تھیں اگر انتخاب اس امتیاز پر مبنی تھا کہ رسولِ خدا ان افراد سے راضی تھے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے تو اور افراد بھی ایسے موجود تھے جن سے حضور اکرم (ص) راضی تھے بہرحال ہمارا موضوع بحث شوریٰ نہیں بلکہ اس کے نتائج واثرات ہیں۔ جس کا ایک پہلو اس گفتگو سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو معاویہ اور ابن حصین کے درمیان ہوئی تھی

معاویہ نے جب اس سے پوچھا کہ مسلمانوں کے متفرق ہونے کا سبب کیا ہے۔ تو اس نے جو وجوہات بیان کیں معاویہ نے انہیں تسلیم نہ کیا۔ پھر معاویہ نے کہا:

"انہ لم یشتت بین المسلمین ولا فرق اھوائھم الا الشوریٰ التی جعلھا عمر الی ستۃ نفر ... فلم یکن رجل منھم الا رجاھا لنفسہ ورجاھا لہ قومہ"[۱]

"مسلمانوں میں تفرقہ اور اختلاف صرف شوریٰ نے پیدا کیا ہے جو عمر نے چھ افراد پر مشتمل تشکیل دی تھی۔ ان میں سے ہر ایک اور اس کا قبیلہ اس کا خواہاں تھا۔"

---

[۱] العقد الفرید ج ۴ ص ۱۰۱-۱۰۴، ابن ابی الحدید ج ۹ ص ۲۸

۳۔ شام پر معاویہ کی طویل حکومت

واقعہ کربلا کے عوامل بعیدین میں سے ایک شام پر بنی امیہ کی طویل اور مطلق العنان حکومت ہے جو کہ بعد میں مسلمانوں کے عقاید و اقدار اور پورے اسلامی نظام کی مکمل تباہی اور خاتمے کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

۱۳ھ کے آغاز میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر نے ملک شام پر فوج کشی کی تیاری کی اور سات ہزار کے لشکر کے ہمراہ یزید بن ابوسفیان کو روانہ کیا۔ اسی طرح ابوعبیدہ بن جراح، خالد بن ولید اور دیگر شیوخ کو بھی اسی جنگ میں حصہ لینے کا حکم دیا گیا۔ ان افراد میں سے ہر ایک کو ایک جگہ کی حکومت کے لئے نامزد کر دیا گیا تھا۔[1]

اسی دوران خلیفہ اوّل کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت شام میں لڑائی جاری تھی ۱۴ھ میں شہر دمشق فتح ہوگیا اور یزید بن ابی سفیان وہاں کا حاکم بنا۔[2]

۱۷ھ یا ۱۸ھ میں طاعون کی بیماری سے یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوگیا[3] یزید بن ابی سفیان نے معاویہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور خلیفہ دوم کی جانب سے اس تقرری کی توثیق ہوگئی۔[4]

دمشق کے مضافات اور پھر ایک عرصے بعد شرق اردن کی حکومت بھی اسے مل گئی۔ اس طرح وہ تقریباً چھ سال ۱۸ھ سے لے کر خلیفہ دوم کے آخری عہد ۲۳ھ تک ان کی جانب سے مذکورہ علاقوں پر حاکم رہا۔

ح۱۔ طبری ج ۲ ص ۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳۔ ح۲۔ طبری ج ۲ ص ۳۵۹۔

ح۳۔ البدایہ ج ۷ ص ۹۵، طبری ج ۲ ص ۴۸۸ ح۴۔ ابوھریرہ ابوریہ ص ۸۷، البدایہ ج ۷ ص ۹۵، ج ۸ ص ۱۲۴

مرکزی حکومت کا معاویہ کے ساتھ امتیازی سلوک

خلیفہ دوم کی روش یہ تھی کہ بڑے اور چھوٹے صوبوں کے گورنروں کی نقل و حرکت اور رفتار و گفتار پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی مرکزی حکومت کی طرف سے ہر سال ان کا محاسبہ کیا جاتا تھا اور کسی گورنر کو ایک سال سے زیادہ عرصہ کے لئے برقرار نہ رکھنے کی سفارش کی جاتی تھی[۱]۔ اگر ان کے خلاف کسی فرد یا گروہ سے کوئی شکایت موصول ہوتی تو فوراً اسے مرکز میں بلا کر تحقیقات کی جاتی تھیں اور اگر وہ بیت المال کے معاملات میں خائن یا قصوروار ثابت ہوتا تو بیت المال سے لیا ہوا مال واپس کرنے پر اسے مجبور کیا جاتا تھا اس جواب دہی کے خوف سے کوئی گورنر یا سرکاری عہدہ دار یہ جرات نہیں کرتا تھا کہ وہ دل کھول کر بیت المسلمین سے لطف اندوز ہوتا رہے اور باقی رعایا خستہ حال اور تہی دست رہے۔

یہاں ہم مرکزی حکومت سے محاسبہ شدہ چند افراد کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ خالد کی معزولی

خالد بن ولید شام کے ایک مقام "قنسرین" پر حاکم تھا۔ مرکزی حکومت کو اپنے مخبروں کے ذریعے خبر ملی کہ خالد نے اشعث کو دس ہزار درہم دیئے ہیں خالد بن ولید کو گرفتار کرنے کا حکم صادر ہوا۔ بلال حبشی نے اسے اپنے عمامہ سے باندھ کر گرفتار کر لیا اور حمص کی ایک جامع مسجد میں تمام سرکاری حکام اور عوام کے سامنے ننگے سر اور پیر اسے کھڑا

---

[۱] ابوھریرہ محمود ابوریہ منقول از سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۸۱۔

کر دیا گیا۔ دس ہزار درہم کے بارے میں پوچھ گچھ کا آغاز ہوا اور یہ کہا گیا کہ اگر دس ہزار درہم اس نے اپنے ذاتی مال سے دیئے ہیں تو یہ اسراف ہے اور اگر بیت المال المسلمین سے اس نے دیئے ہیں تو یہ خیانت ہے پھر اسے اپنے عہدہ سے معزول کر دیا گیا اور تا زندگی اسے کسی عہدہ پر فائز نہیں کیا گیا۔[۱]

۲۔ ابوھریرہ کی برطرفی

ابوھریرہ ۲۱ھ سے لے کر ۲۳ھ تک بحرین کا حاکم رہا۔ اس دوران جب مال المسلمین میں اس کی خیانت ظاہر ہوئی تو ابوھریرہ کو طلب کیا گیا اور حضرت عمر نے اس سے کہا:۔

"علمت انی استعملتک علی البحرین وانت بلا نعلین ...."

تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں بحرین کا حاکم بنایا جبکہ تمہارے پیروں میں جوتیاں تک نہیں تھیں اور اب مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے ایک ہزار چھ سو (۱۶۰۰) دینار کے گھوڑے خریدے ہیں اور تمہاری تنخواہ بیت المال سے مقرر تھی۔ اب تم یہ اموال واپس کرو۔"

ابوھریرہ نے وہ مال واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر نے قسم کھاتے ہوئے طاقت کے ذریعے واپس لینے کی دھمکی دی اور پھر ہاتھ میں تازیانہ لے کر کھڑے ہو گئے اور ابوھریرہ کی پشت پر اتنے تازیانے مارے کہ اس کی پشت لہولہان ہو گئی۔

---

(۱) صلح الحسن ص ۷۰-۸۰۔ طبری ج ۲ ص ۱۹۱م میں اس کے ہم معنی ہے ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۳۔ منقول از علی ومناوئہ ص ۸۵۔

اس واقعہ کے بعد اس نے حضرت عمر کے عہد میں کہیں کام نہیں کیا[1]

۳۔ سعد ابن ابی وقاص

سعد ابن ابی وقاص کوفے کا گورنر تھا۔ اہالی کوفہ کی شکایت پر اسے معزول کر کے مغیرہ ابن شعبہ کو اس کی جگہ متعین کیا گیا[2] اور مرکزی حکومت نے اس کی جائیداد کا نصف حصہ بحق سرکار ضبط کر لیا[3]

معاویہ کے دفاع میں لکھی جانے والی کتاب "تطہیر الجنان واللسان" کے صفحہ ۲۱ پر ابن حجر لکھتے ہیں:

"سعد ابن ابی وقاص کو معاویہ سے افضل ہوتے ہوئے بھی معزول کیا گیا۔"

مذکورہ بالا افراد کے علاوہ بھی چند گورنروں کو مرکزی حکومت نے بیت المال المسلمین میں خیانت کرنے کے جرم میں ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا تھا۔ جن میں ابوموسیٰ اشعری[4]، قدامہ بن مظعون[5]، حارث بن وھب اور بنی لیث بن بکر کا ایک فرد شامل ہیں۔ ان میں سے ہر فرد کی جائیداد کا نصف حصہ بیت المال میں جمع کر لیا گیا تھا[6]

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں العقد الفرید ج ۱ ص ۳۸-۳۹

[2] العقد الفرید ج ۱ ص ۶۲۔

[3] العقد الفرید ج ۱ ص ۳۸۔

[4] العقد الفرید ج ۱ ص ۳۸۔

[5] قدامہ بن مظعون حضرت عمر کے بہنوئی تھے اور ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا گیا تھا یہ مہاجرین حبشہ اور اصحاب بدریں سے تھے مگر جب ان کے خلاف شراب نوشی کی شہادت قائم ہوئی تو حضرت عمر نے انہیں معزول کر دیا۔ اور ان پر حد جاری کی۔ (خلافت و ملوکیت ص ۹۸ ابوہریرہ، محمود ابوریہ ص ۸۲-۸۴)

[6] صلح الحسنؑ ص ۸ منقول از "اصابہ" حارث بن وھب کے حالات

ان مذکورہ محاسبہ شدہ افراد کی اکثریت کے خلاف شکایت ملنے کا تذکرہ نہیں ملتا بلکہ مرکزی حکومت نے از خود ان کا محاسبہ کیا۔ صرف سعد بن ابی وقاص کے خلاف کوفہ سے شکایت آئی تھی۔

حضرت عمر نے جب نعمان بن عدی کو "میسان" کا تحصیلدار بنا کر بھیجا تو اس کی بیوی اس کے ساتھ نہ جا سکی۔ وہاں اس نے اپنی بیوی کے فراق میں کچھ اشعار کہے جن میں صرف شراب کا مضمون باندھا گیا تھا۔ اس پر حضرت عمر نے اسے معزول کر دیا اور فیصلہ کیا کہ اسے آئندہ کوئی عہدہ نہیں دیا جائے گا۔ (خلافت و ملوکیت ص ۹۸)

اسی طرح مرکزی حکومت کے پاس معاویہ کے خلاف بھی شکایات آتی رہتی تھیں۔ مگر ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی تھی۔ چہ جائیکہ اس کا محاسبہ عمل میں آتا۔ حیرت انگیز اور قابل توجہ بات ہے کہ مرکزی حکومت معاویہ کے سلوک و اعمال اور شاہانہ طرز زندگی سے کبھی تو لاتعلقی کا اظہار اور کبھی کھلم کھلا اس کی تائید اور دفاع کرتی تھی معاویہ کے بارے میں مرکزی حکومت کا لب و لہجہ کبھی یوں ہوتا تھا:

"لا آمرک بہ ولا انھاک عنہ" ؎۱

تجھے اس کا حکم بھی نہیں کرتا اور تجھے اس سے روکتا بھی نہیں ہوں"۔

گویا کہ شام پر مرکزی حکومت کا حکم نہیں چلتا تھا یا معاویہ کو مکمل آزادی اور خود مختاری دے دی گئی تھی جو کہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ لوگوں نے معاویہ کے کردار، سلوک اور حالات زندگی کی شکایت مرکزی حکومت سے کی تو انہیں جواب دیا گیا:

؎۱ العقد الفرید ج ۴ ص ۱۵۹۔ طبری ج ۳ ص ۳۶۵۔ البدایۃ ج ۸ ص ۱۲۵

"دعونا من ذم فتی من قریش"[1]

"قریش کے جوان کی مذمت نہ کیا کرو"!

وقتاً فوقتاً مرکزی حکومت کے پاس معاویہ کے حالات کے متعلق معلومات پہنچتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ پھر اس کی پر تعیش اور ملوکانہ زندگی، بیت المال سے اس کے اسراف اور دیباج و آبریشم کے کپڑوں کے استعمال، غرض اسلام کے سادہ اصول زندگی کی خلاف ورزی کے علاوہ اس کے حرام میں مبتلا ہونے کی شکایت جب مرکزی حکومت کو ملی تو جواب دیا گیا۔

"ھذا کسریٰ العرب"[2]

"یہ عرب کا کسریٰ ہے"!

خلیفہ دوم دورۂ شام پر تھے۔ انہوں نے معاویہ کے ٹھاٹھ باٹھ اور حالات زندگی کا مشاہدہ خود بھی کر لیا لیکن پھر یہی فقرہ ان کی زبان پر آیا:

"ھذا کسریٰ العرب"

ابن حجر اپنی کتاب "تطہیر الجنان" کے صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں:

"معاویہ کو طویل مدت تک حکومت کرنے کی اجازت مرکزی حکومت نے دی تھی اور اسے معزول نہیں کیا گیا اور ابن عمر کی روایت کے مطابق (عہد حضرت عمر میں) شام اور اس کے تمام مضافات کو معاویہ کے ماتحت کر دیا گیا تھا"۔

مذکورہ بالا بیان کردہ جواب کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ مرکزی حکومت نے قانوناً

---

[1] حیاۃ الحسنؑ ج ۲ ص ۱۳ منقول از اصابہ۔

[2] حیاۃ الحسنؑ ج ۲ ص ۱۳۔ البدایہ ج ۸ ص ۱۲۵۔ تطہیر الجنان ص ۳۱۔

صوبائی حکومت کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ وہ جو چاہے کر سکتی ہے اس رویہ سے نہ صرف معاویہ کے باقی گورنروں اور سرکاری حکام سے بالا تر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ بلکہ اسے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے اختیارات دینے کی بھی واضح طور پر نشاندھی ہوتی ہے۔

بہرکیف شام پر طویل مدت تک معاویہ کی حکومت قائم رہی ۔صوبائی حکومت کو نہ صرف مرکزی حکومت کی جانب سے کسی قسم کی باز پرس یا محاسبہ نہ ہونے کا اطمینان تھا بلکہ وقتاً فوقتاً مرکزی حکومت کی جانب سے اس کی پشت پناہی کی جاتی رہتی تھی۔ تقریباً چھ سال تک معاویہ کی مطلق العنان حکومت شام پر قائم رہی اور معاویہ کو "عرب کا کسریٰ" کا لقب بھی دیا گیا۔

ایسا کرنے کا حقیقی مقصد کیا تھا؟

ا۔ کیا مرکزی حکومت یہ چاہتی تھی کہ معاویہ اور بعد میں بنی امیہ اسی طرح بادشاہ بن جائیں جس طرح ایران میں کسریٰ بادشاہ تھا؟ جس کا حتمی نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام کی جگہ ملوکیت لے لیتی۔

ب۔ گورنروں اور سرکاری حکام کا محاسبہ کرنا اگر ایک اصول اور ثابت قانون تھا تو اس حکم سے معاویہ کو مستثنیٰ قرار دینے کا کیا جواز تھا؟

ج۔ معاویہ کو کسریٰ کا لقب دینا کیا معاویہ کو یہ سوچنے پر مجبور نہیں کرتا کہ مرکزی حکومت اسے کسریٰ کا عملی کردار اختیار کرنے کی ترغیب دے رہی ہے؟

د۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ عرب کا کسریٰ ہے اور اس کے ملوکانہ زندگی اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر ایک مسلمان حاکم کے لئے

ارتکابِ حرام کا جواز کہاں سے آیا؟[۱]

اسلامی مملکت کے سربراہ کو کیا یہ آئینی حق حاصل ہے کہ وہ اس قسم کے افراد کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھے۔

اسلامی الحکام کے مطابق آبریشم کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے مگر اس میں کیا راز ہے کہ معاویہ کا تبادلہ ہوتا ہے اور نہ اس کا محاسبہ عمل میں آتا ہے بلکہ ہر طرف سے اس کی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے اسباب و ذرائع فراہم ہوتے دکھائی دیتے ہیں؟

معاویہ نے مرکزی حکومت کی اس تائید سے خوب فائدہ اٹھایا اور بنی امیہ یعنی جاہلیت کی حکومت کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔

عہد حضرت عمر گزر گیا اور حضرت عثمان کا دور آیا اس دور میں صوبائی حکومت کو وسیع اختیارات دیئے جانے پر کوئی حیرت و استعجاب نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ دونوں کا تعلق ایک ہی خاندان سے تھا جو اسلام دشمنی میں مصروف تھا۔

معاویہ پورے عہد حضرت عثمان میں مکمل اطمینان کے ساتھ شام پر حکومت کرتا رہا اور اس دوران بنی امیہ کی حکومت کی بنیادیں مستحکم اور مضبوط کرنے میں مصروف عمل رہا۔

مرکزی حکومت کی جانب سے جب پر بنی امیہ مکمل طور پر مسلط ہو چکے تھے۔ اس کے دائرہ عمل میں توسیع کر دی گئی چنانچہ شام کا پورا علاقہ جس میں دمشق، اردن،

---

[۱] حضرت عمر کے رویہ میں یہ دورنگی کس لیئے؟ ایک طرف تو وہ اکثر اوقات گورنروں اور عاملین کے ساتھ سخت ترین رویہ اختیار کرتے تھے اور دوسری طرف انہوں نے معاویہ کو کھلی آزادی دے رکھی تھی آخر اس کی کیا وجہ تھی؟

حمص، قسرین اور فلسطین شامل تھے، معاویہ کے زیر نگیں ہو گیا[1] اور وہ کسی قانون اور اسلامی نظام کا احترام کئے بغیر پورے ملک پر قابض رہے ہے[2]

سلطنت شام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور اسی تناسب سے اس کے استحکام میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

دوسری طرف معاویہ اپنے ناپاک اور جاہلیت کے عزائم کو فروغ دینے میں کوشاں رہا۔ حکم اسلامی کے مقابلے میں اس نے از خود فتویٰ دینا شروع کر دیا اس کے دور میں علی الاعلان شراب کی خرید و فروخت ہوا کرتی اور اس کی طرز زندگی حاکم اسلامی ہونے کے باوجود قیصر و کسریٰ کی مثال بن گئی تھی

اگر کوئی شخص رسول اللہ (ص) کے دور کی سادگی اور مساوات کی مثالیں دیکھ چکا ہو اور خلیفہ اول و دوم کی نجی اور عام مسلمانوں کی زندگی سے آشنا ہو۔ پھر وہ امیر شام کے ملوکانہ و شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اور تزک و احتشام کا مشاہدہ کرے تو لامحالہ وہ حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈوب جائے گا۔

معاویہ کی مطلق العنان حکومت ایک طویل عرصہ تک پورے شامات پر برقرار رہی اور اس دوران معاویہ کو حکومت بنی امیہ (حکومت جاہلیت) کی جڑیں مضبوط کرنے کا موقع ملتا رہا۔

صوبائی حکومت اس قدر طاقت ور اور مستحکم ہو چکی تھی کہ قتل حضرت عثمان کے بعد آئینی

ح ۱ موجودہ تقسیم کے مطابق معاویہ کے زیر نگیں علاقوں میں شام، لبنان، اردن اور اسرائیل کے علاقے شامل ہیں ایک وقت وہ تھا جب ان علاقوں پر چار گورنر مقرر ہوا کرتے تھے اور معاویہ ان میں سے ایک تھا اور یہ صرف دمشق کا گورنر تھا۔

ح ۲ البدایہ ج ۸ ص ۱۲۴ یاد رہے کہ دوسری روایت کے مطابق عہد خلیفہ دوم میں پورے شامات پر معاویہ قابض تھا۔ البدایہ ج ۸ ص ۱۲۴

مرکزی حکومت کو تسلیم کرنے سے اس نے نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کے خلاف کھلم کھلا علمِ بغاوت بلند کر کے جنگ صفین کا مسئلہ پیدا کر دیا اور پھر مرکزی حکومت کے بالمقابل ایک متوازی حکومت قائم کر لی۔

اگر معاویہ کو شام پر طویل المدت تک حکومت کرنے نہ دی جاتی اسے اتنے وسیع اختیارات نہ دیئے جاتے اسے وہاں سے معزول کر دیا جاتا یا کم سے کم شام سے اس کا تبادلہ کسی اور جگہ کر دیا جاتا اور اسے متوازی حکومت قائم کرنے کی قدرت حاصل نہ ہوتی تو یقیناً مسلمانوں کی تقدیر کچھ اور ہوتی۔

چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ مودودی لکھتے ہیں :

"حضرت معاویہ کو مسلسل ۱۶۔ ۱۷ سال ایک ہی صوبے کا گورنر رہنے دینا شرعاً ناجائز نہ تھا مگر سیاسی تدبیر کے لحاظ سے نامناسب ضرور تھا۔۔۔ صرف یہ بات کافی تھی کہ ہر چند سال کے بعد ان کا تبادلہ ایک صوبے کی گورنری سے دوسرے صوبے کی گورنری پر کیا جاتا رہتا۔ اس صورت میں وہ کسی ایک صوبے میں بھی اتنے طاقتور نہ ہو سکتے تھے۔ کہ کسی وقت مرکز کے مقابلے میں تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہونا ان کے لئے ممکن ہوتا۔" [۱]

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری نے بھی خلافت پر معاویہ کے قابض ہونے کا ذمہ دار حضرت عثمان کو گردانا ہے ہم ان کے قول کا خلاصہ نقل کرتے ہیں :

"اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان ہی تھے جنہوں نے معاویہ کو خلافت پر قابض ہونے

---

[۱] خلافت و ملوکیت ص ۳۲۵، ۲۲۶۔ ۲۲۶ ۔ سنہ ۱ھ تا ۲۳ھ خلیفہ دوم اور پھر قتل حضرت عثمان ۳۵ھ تک خلیفہ سوم کا دور تھا۔

اور اسے آلِ ابوسفیان میں منتقل کرنے کے تمام وسائل خود فراہم کئے تھے حضرت عثمان نے اس کے دائرہ عمل میں توسیع کرتے ہوئے فلسطین اور حمص کا علاقہ بھی اس کی حکومت میں ضم کر دیا اور شامات کے بڑے علاقے پر اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس کی فوج نہایت طاقتور فوج تھی اس کو حد سے زیادہ اختیارات دیئے گئے تھے۔[1]۔۔۔"

سید قطب شہید فرماتے ہیں:

"عثمان رحمتِ خدا کی طرف چل بسے اور ان کی اپنی مساعی و اسباب کی بدولت حکومت بنی امیہ خاص کر شام میں قائم تھی۔"[2]

۴۔ انحراف

ملتِ اسلامیہ کے فکری، عملی، عقائدی اور نظریاتی سطح پر انحراف کا رونما ہونا اس اقدام کا قدرتی و لازمی نتیجہ تھا جو حضور اکرم (ص) کی وفات کے بعد آنحضرت (ص) کے فرامین کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کی اقدار و سرنوشت کے سلسلے میں کیا گیا تھا یہ اقدام حضور اکرم (ص) کی ان احتیاطی تدابیر اور پیشگی اقدام کے برخلاف تھا جیسا کہ آپ (ص) نے چندیں بار عملی اور قولی دونوں طریقوں سے امت کی نجاتِ دارین کی ضمانت کے طور پر بتایا تھا کہ تمہارے اختلاف کا حل، تمام مشکلات کا علاج اور دین و دنیا دونوں میں فلاح و بہبود کا واحد ذریعہ صرف اور صرف اس میں ہے کہ تم کتاب اللہ اور میرے

---

[1] الفتنۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۲۰۔
[2] العدالۃ الاجتماعیۃ ص ۲۱۷۔

اہل بیت سے متمسک رہو۔[1]

آنحضرت (ص) کی اس سفارش پر عمل کرنے کا فائدہ سب سے پہلے خود ملت اسلامیہ کو نصیب ہونا تھا۔

ابتداء میں انحراف چند امور میں پایا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ مرض ملت اسلامیہ کے پورے جسم میں رفتہ رفتہ پھیل گیا اور ایک وقت ایسا آیا جب اسلام کا کوئی پہلو ایسا نہ رہا جو اس کینسر سے محفوظ ہو۔

کسی بھی مرض کا علاج جتنی دیر سے کیا جاتا ہے اتنا ہی وہ پھلتا پھولتا چلا جاتا ہے اور وہ ناقابلِ علاج بھی ہو سکتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماجرا بھی ایسے ہی ہے یعنی واقعہ کربلا کے عوامل میں سے ایک عامل وہ تمام انحرافات اور غیر اسلامی وغیر موزوں رویے تھے جو خطِ امامت سے منحرف ہونے کے نتیجے میں پوری امتِ اسلامیہ میں رونما ہوئے تھے اور ان کا مقابلہ کرنا حضرت امام حسین علیہ السلام کا ایک شرعی فریضہ تھا۔

یہاں پر ہم ان انحرافات کا تذکرہ کرتے ہیں جو آخر کار خطِ امامت سے متصادم ہوئے اور بنی امیہ کے دور کے مراحل کا تذکرہ بھی ہوگا جس سے یہ بات ثابت اور عیاں ہوگی کہ ملتِ اسلامیہ کے اکثر اختلافات اور جنگ و نزاع کی ذمہ داری بنی امیہ پر عائد ہوتی ہے

انحرافات اور جاہلیت کے ظہور کے اہم ادوار و مراحل یہ ہیں:

پہلا مرحلہ:۔ حضرت عثمان کا دور

---

[1] صواعق محرقہ ص ۲۲۹-۲۳۰، ینابیع المودۃ ج ۱ ص ۲۷-۲۸، المراجعات اردو ترجمہ مذہب اہلِ بیت ص ۵۹ تفصیل الامام الصادقؑ والمذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۹۵۔

دوسرا مرحلہ: معاویہ کا دور۔

تیسرا مرحلہ: یزید کا دور۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان ادوارِ ثلاثہ میں جو انحرافات رونما ہوئے وہ ایک ہی روح کے چند مظاہر ہیں یعنی وہ جاہلیت کا تہذیب و تمدن ہے اور اسلامی اصول، نظریات اور نظام کی نفی ہے مگر ہر دور میں ان کا کردار اور رویہ الگ ہوتا تھا جو اس مرحلہ کے جاہلیت کے نفاذ کا ذمہ دار شخص اپناتا تھا۔ لہذا دورِ معاویہ وسائل اور روش کے اعتبار سے دورِ مروان سے کسی حد تک مختلف نظر آتا ہے اور وہ راستے اور طریقے جو معاویہ نے اختیار کئے تھے۔ دورِ مروان (حضرت عثمان) میں اختیار نہیں کئے گئے تھے۔

پہلا مرحلہ

چھ رکنی شوریٰ کے ذریعے حضرت عثمان منتخب ہوئے اور مسلمانوں پر بنی امیہ کے پہلے خلیفہ کی حکومت قائم ہو گئی۔ حضرت عثمان تنہا نہیں بلکہ بنی امیہ کو ساتھ لے کر آئے تھے۔ حضرت عثمان کی وساطت سے مسلمانوں کے تمام سیاسی، معاشی اور انتظامی معاملات پر بنی امیہ حاوی ہو گئے اور مسلمانوں پر وہ اپنی مرضی چلانے لگے۔

حضرت علی علیہ السلام شوریٰ کے انتخاب سے سخت ناراض تھے کیونکہ یہ تیسری مرتبہ انؑ کا حق پامال کیا گیا تھا۔ حضرت عثمان کے خلافت پر قابض ہونے اور اس عہد میں بنی امیہ کے کردار کی تصویر کشی آپؑ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"... قام ثالث القوم نافجاً حضنیہ بین نثیلہ و — اس قوم کا تیسرا شخص پیٹ پھیلائے سرگین اور چارے کے درمیان کھڑا

معتلفه وقام معه بنو ابیه یخضمون مال الله خضمة الابل نبتة الربیع[1]

ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بند اٹھ کھڑے ہوئے جو اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ فصلِ ربیع کا چارہ چرتا ہے۔

بنی امیہ نے خلافت عثمان سے خوب فائدہ اٹھایا اور اسلامی نظام کے ہر پہلو میں تبدیلی کی۔ سنتِ رسول (ص)، اور سیرت شیخین، جس پر عمل کرنے کی شرط پر حضرت عثمان کی بیعت عمل میں آئی تھی، کا نام و نشان تک نہ رہا۔ مروان بن حکم اکثر اوقات حضرت عثمان کے علم میں لائے بغیر چھوٹے بڑے کاموں میں از خود فیصلہ کر لیا کرتا تھا اور حضرت عثمان نے ان افراد سے مشورہ لینا ترک کر دیا تھا جن سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ہمیشہ یا بوقت ضرورت صلاح مشورہ کیا کرتے تھے۔ اب ان کا مشیرِ اعلیٰ مروان تھا جس نے اپنے باپ حکم کے ساتھ حضور اکرم (ص) کے عہد میں جلا وطنی کی زندگی بسر کی تھی۔

بنی امیہ نے اسلام کا اصولی دشمن ہونے کی وجہ سے دورِ عثمان میں اسلام کے ہر حکم میں اس حد تک تحریف و تبدیلی کی کہ جس پر بعد میں قابو نہ پایا جا سکے۔

یہی تحریف تبدیلی اور اسلامی نظام کے خاتمے کی کوشش جو جاہلیت کی حکومت کے ادوار میں کی گئی تھی، ان عوامل و محرکات میں سے ایک ہے جن کو واقعۂ کربلا کو رونما کرنے میں بڑا دخل حاصل تھا۔

اس دور میں اسلام کے ان شعبوں میں واضح طور پر انحراف و فساد دور تک پھیل

---

[1] نہج البلاغہ، مترجم مفتی جعفر حسین، مطبوعہ امامیہ مشن لاہور ص ۶۸۔

چکا تھا۔

۱۔ اقتصادی

۲۔ سیاسی

۳۔ فقہی

۱۔ اقتصادی انحراف

اقتصادی انحراف ان دو میدانوں میں رونما ہوا۔

ا۔ اقربا پروری۔

ب۔ بیت المال کا ایک خاص طبقہ سے مخصوص کیا جانا۔

۲۔ سیاسی انحراف

سیاسی انحراف میں:

ا۔ اسلامی اصولِ حکمرانی میں تبدیلی کی گئی۔

ب۔ حریت و آزادی کو سلب کر لیا گیا۔

ج۔ مخالفین کا بزور قلع قمع کیا گیا۔

۳۔ فقہی انحراف

فقہی انحراف میں:

اکابر صحابہ کو چھوڑ کر نو مسلم یہودی "کعب الاحبار" وغیرہ کو سرکاری علماء کا رتبہ دیا گیا تھا

۱- اقتصادی انحراف

۹- اقربا پروری: تمام مورخین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضور اکرم (ص) نے مروان کے باپ حکم ابن ابی العاص کو اس پر چند مرتبہ لعنت بھیجنے کے بعد مدینہ سے طائف جلا وطن کر دیا تھا۔ مروان بھی اپنے باپ کے ساتھ چلا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے مدینہ واپس آنے کی اجازت نہیں دی لیکن حضرت عثمان نے آتے ہی ان کے لئے اعلانِ عفو کر دیا اور اسے مدینہ واپس بلا لیا۔ حضرت عثمان نے اس کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات میں اسے فاخرہ لباس کے علاوہ ایک لاکھ درہم یا دینار کی رقم بھی دی۔[۱]

حکم کے ہمراہ مروان بھی واپس آیا۔ ان کی واپسی پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ مروان جس کے پسِ پشت اس کا باپ اثر انداز ہوتا تھا، کو سیکریٹری مقرر کر دیا گیا اور حکومت کی باگ ڈور مکمل طور پر مروان جیسے فرد کے ہاتھ میں آگئی۔ مروان اسلام اور رسولِ (ص) اسلام کا نظریاتی دشمن تھا اور اس میں جلاوطنی کے انتقام کا جذبہ بھی موجود تھا۔

ب۔ مالی معاملات میں حضرت عثمان کے دور میں ایک الگ طریقہ اختیار کیا گیا۔ جو باقی خلفاء اور خود رسول اکرم (ص) کے طریقوں سے قطعاً مختلف تھا۔

بیت المال المسلمین کے عطیے، سب سے پہلے خاندانِ بنی امیہ اور پھر حکومت کے حامی طبقہ کے لئے مخصوص کر دیئے گئے اور اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی گئی کہ مسلمانوں میں کتنے افراد افلاس اور تنگدستی کا شکار ہیں۔

تقسیم اموال میں حضرت رسول اعظم (ص) کا طرزِ عمل انصاف اور برابری کی بنیاد پر مبنی تھا۔

۱۔ المعارف ص ۸۴

بیت المال کی آمدن مسلمانوں کے درمیان مساوات اور انصاف کی بنیاد پر تقسیم کی جاتی تھی مالی معاملات میں کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں تھی۔

حضرت ابوبکرؓ بھی اسی روش پر قائم رہے لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں کچھ تفریق اور امتیازات کو تقسیم اموال کی بنیاد قرار دیا گیا۔ مہاجرین کو انصار پر اہلِ بدر اور ازدواج نبی (ص) کو باقی مسلمانوں پر ترجیح دی گئی تھی۔ [1]

اس طرزِ عمل سے اسلامی معاشرہ میں طبقاتی تفاوت کا بیج بویا گیا اور اس کے اس قدر برے اور ناپسندیدہ نتائج پیدا ہوئے کہ خلافت کے آخری سالوں میں خود حضرت عمرؓ اس پر پشیمان ہوئے۔ اور انہوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ آئندہ سالوں میں وہ حضرت ابوبکرؓ کا طرزِ عمل اختیار کریں گے۔ اور قریش کے اکابرین کی دولت کا نصف حصہ بحق سرکار ضبط کر لیا جائے گا۔ مگر یہ روش اختیار کرنے سے قبل ہی ان کو قتل کر دیا گیا۔ [2]

دورِ عثمان میں تقسیم اموال کا کوئی قانون و نظام نہیں تھا۔ تمام معاملات اقربا پروری کی بنیاد پر طے ہوتے تھے۔ جب ان کی اس روش پر کوئی اعتراض کرتا تو یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیتے کہ یہ صلہ رحمی کا تقاضا ہے اس حقیقت کو انہوں نے نظر انداز کر دیا تھا یا واقعی وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھے کہ صلہ رحمی کے حکم کا تعلق اپنے ذاتی اموال و جائیداد سے ہے نہ کہ مسلمانوں کے اموال کو اپنے اقرباء کے مفاد میں استعمال کیا جا سکتا ہے اسی طرح بنی امیہ کے حواری دوسرے نمبر پر تھے جن کے لئے بیت المال کا دروازہ کھلا رہتا تھا ان میں کچھ شوریٰ کے اراکین بھی شامل تھے۔

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں، العدالۃ الاجتماعیہ ص ۲۲۱-۲۳۲

[2] العدالۃ الاجتماعیہ ص ۲۳۳۔

مالی انحراف اور بیت المال کے غیر شرعی استعمال کے بارے میں تاریخی کتب کا مطالعہ کرنے سے حیرت انگیز اور تعجب خیز حقائق سامنے آتے ہیں کہ اموال مسلمین میں کس قدر خیانت کی گئی اور غیر اسلامی اصولوں کو کس حد تک اسلامی نظام میں داخل ہو جانے کا موقع فراہم کیا گیا تھا ہم یہاں پر بیت المال سے خوب فائدہ اٹھانے والے بنی امیہ کے ان اشخاص اور حواریوں کے نام اور ان کی حاصل کردہ دولت کا ذکر کرتے ہیں :

نمبر شمار	اسم	دینار	درہم
۱	ابوسفیان	-	۲,۰۰,۰۰۰ (دو لاکھ)
۲	حکم بن ابی العاص (حضرت عثمان کے چچا)	-	۳,۰۰,۰۰۰ (تین لاکھ)
۳	آل حکم	-	۲۰,۲۰,۰۰۰ (بیس لاکھ بیس ہزار)
۴	مروان بن حکم	۵,۰۰,۰۰۰ (پانچ لاکھ)	۱,۰۰,۰۰۰ (ایک لاکھ)
۵	حارث بن حکم	-	۳,۰۰,۰۰۰ (تین لاکھ)
۶	سعید بن العاص	-	۱,۰۰,۰۰۰ (ایک لاکھ)
۷	ولید بن عقبہ	-	۱,۰۰,۰۰۰ (ایک لاکھ)
۸	عبداللہ	-	۹,۰۰,۰۰۰ (نو لاکھ)
۹	طلحہ	۲,۰۰,۰۰۰ (دو لاکھ)	۳,۲۲,۰۰,۰۰۰ (تین کروڑ بائیس لاکھ)
۱۰	زبیر بن عوام	-	۵,۹۸,۰۰,۰۰۰ (پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ)

نمبر شمار	اسم	دینار	درہم
۱۱	یعلی بن امیہ	۵,۰۰,۰۰۰ (پانچ لاکھ)	-
۱۲	زید بن ثابت	۱,۰۰,۰۰۰ (ایک لاکھ)	-
۱۳	سعد بن ابی وقاص	-	۲,۵۰,۰۰۰ (دو لاکھ پچاس ہزار)
۱۴	عبدالرحمن بن عوف	۲۵,۶۰,۰۰۰ (پچیس لاکھ ساٹھ ہزار)	-
۱۵	خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان	۳,۵۰,۰۰۰ تین لاکھ پچاس ہزار	۳,۰۵,۰۰,۰۰۰ تین کروڑ پانچ لاکھ

(الغدیر ج ۸ ص ۲۸۶)

یہ فہرست نمونہ مشتے از خروارے کی حیثیت رکھتی ہے نیز یہ اس جائیداد کے علاوہ ہے جو مذکورہ حضرات نے مدینہ، کوفہ، مصر اور باقی شہر میں خریدی ہوئی تھی اور یہ سب جائیداد شاہی قلعے، باغات، گھوڑے اور زرعی زمینوں کی شکل میں تھی۔[1]

۲۔ سیاسی انحراف

۱۔ اصول حکمرانی میں تبدیلی: دور عثمان کی اہم ترین تبدیلیوں میں سے ایک سیاسی نظام میں رونما ہوئی۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے کسی فرد کے لئے مسلمانوں پر حاکم بننے کی پہلی شرط، ایمانداری، تقویٰ اور امانت داری جیسی صفات سے اس کا متصف ہونا ہے اور اس میں قومی، قبائلی اور طبقاتی تعصب کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیئے۔

---

[1] اس کی مزید تفصیل الغدیر ج ۸ اور مروج الذہب ج ۲ ص ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳ اور دیگر کتب میں موجود ہے۔

اِنّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم "

مگر اس دور میں اصول حکمرانی کے اسلامی معیار کی جگہ خاندانی اور قبائلی عنصر نے لے لی تھی۔ تاریخ کی کتب اس حقیقت کی روشن گواہ ہیں کہ ان افراد کو جنہیں مسلمانوں کے سیاہ وسفید پر مسلط کر دیا گیا تھا، باقی مسلمانوں پر کوئی فوقیت اور عزت حاصل نہ تھی بلکہ ان سب نے فتح مکہ کے بعد مجبوراً مسلمان فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ تاکہ اپنی جان ومال کی حفاظت کر سکیں۔

بنی امیہ کے خاندان کو حضور اکرم (ص) سے تربیت حاصل کرنے کا موقع فراہم نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ابھی تک اسلام ان کے دلوں میں مضبوط جگہ بنا سکا تھا۔ بلکہ آنحضرت (ص) کی پالیسی یہ تھی کہ خاندان بنی امیہ کو مؤلفۃ القلوب میں داخل کرتے ہوئے ان کو مال ودولت دے کر اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔ چنانچہ جنگ حنین میں ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔

اس کے علاوہ بنی امیہ کے خاندان کے ہر فرد کی جو مذمت آنحضرت (ص) کی زبانی مسلمان سن چکے تھے، اس سے وہ بہت منفور طبقہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کے کردار اتنے برے تھے کہ بعض پر شراب نوشی کی حد جاری کی گئی۔ اور کسی نے اپنے دورِ حکومت میں شراب کے نشے میں صبح کی نماز دو رکعات پڑھانے کی بجائے چار رکعات پڑھا دی تھی۔

حضرت عثمان کے زمانے میں تمام افراد مسلم معاشرے اور ریاست کی رہنمائی وکارفرمائی کے مقام پر فائز تھے اور اسلامی ریاست کے اہم ترین کلیدی مناصب پر ان کو فائز کیا گیا تھا۔

اکابر صحابہ اور متقی ودیانت دار افراد کو چھوڑ کر ان جیسے پست افراد کو آگے لانا

بذاتِ خود جاہلیت اور غیر اسلامی اصول کی حکومت کا ایک نمونہ ہے چنانچہ نظامِ جاہلیت کے حامی اور قبائلی رسم و رواج سے مغلوب افراد سے اس کے علاوہ اور کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ جاہلیت کے تہذیب و تمدن کو دوبارہ نافذ کرنے کی کوشش کرینگے۔

مروان بن حکم جو رسولؐ کی زبانی ملعون اور رحمتِ خدا سے دُور تھا۔ اپنے باپ کے ہمراہ جلاوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد مدینہ پہنچتے ہی خلیفۃ المسلمین کے مشیرِ اعلیٰ کے عہدہ پر اس کا تقرر کر دیا گیا تھا۔

ایک وقت وہ آیا جب مملکتِ اسلامیہ کے بڑے اور اہم ترین شہروں پر بنی امیہ کے افراد چھا گئے تھے۔ کوفے کی گورنری پر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر کیا پھر اس کی شراب نوشی کی وجہ سے اسے معزول کر کے اپنے ایک اور عزیز سعید بن العاص کو مقرر کر دیا۔

بصرہ کی گورنری پر اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو مامور کیا۔ خیال رہے عراق، آذربائیجان، ارمینہ، خراسان اور فارس (موجودہ عراق، ایران اور روس کے کچھ علاقے) کوفہ و بصرہ کے گورنروں کے ماتحت تھے۔

مصر پر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا افریقہ کے تمام علاقے مصر کے گورنر کے ماتحت تھے۔

شام کے تمام علاقوں (موجودہ نقشہ کے مطابق شام، اردن، لبنان اور فلسطین) کا معاویہ گورنر تھا۔

مرکز و دارالحکومت اور اس کے گرد و نواح کے تمام علاقوں پر بظاہر خود خلیفہ حضرت عثمان حاکم تھے لیکن درحقیقت ان کے چچا زاد بھائی مروان کی حکومت تھی جس کی

وجہ سے پوری سلطنت پر اس کا اثر نفوذ قائم ہوگیا تھا۔ اس طرح عملاً ایک خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہوگئے تھے[۱]

ب۔ حریت و آزادی اظہار کا سلب کیا جانا: کوئی فرد حکومت کے خلاف بات کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ بنی امیہ کے خلاف لب کشائی کرنا ضرب و شتم اور جلاوطنی پر منتج ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی بنی امیہ کی سیاست اور مسلمانوں کے بگڑے ہوئے معاشرے کی حالت دیکھ کر اسلام کے جانبازوں نے خاموش رہنا ناجائز تصور کرتے ہوئے حکومت کے خلاف آواز اٹھانی شروع کردی۔ جس کے نتیجے میں حضرت ابوذر غفاری؄ کو جلاوطن کردیا گیا اور عمار بن یاسر کو اتنا زدوکوب کیا گیا کہ وہ بیہوش ہوگئے۔ عبداللہ بن مسعود کو زمین پر اس طرح پٹخا گیا کہ ان کی پسلی ٹوٹ گئی اور بیت المال سے ان کے عطیے بند کردیئے گئے[۲]

حضرت عثمان اور بنی امیہ کا طرز عمل ناقابل برداشت تھا۔ کوئی با غیرت اور بااصول مسلمان یہ گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ بنی امیہ اسلامی نظام کے ڈھانچے کو یکسر تبدیل کردیں اور معاشرتی اصول و قواعد اور سیاسی معیار و میزان کی شہ رگ کاٹ دیں۔

خاندانی انتقام کا جذبہ اور قبائلی تعصب کا کینسر، پورے معاشرے پر بنی امیہ قانون کی طرح نافذ کر رہے تھے۔ حکومت کی مشنری کا ہر قول تو واجب الاتباع تھا۔ لیکن قرآن کے احکامات، اسلامی نظام حیات، سنت رسول اکرم (ص) اور سیرت شیخین پر عمل پیرا ہونا تو درکنار کبھی کبھی اس کی توہین بھی ہوتی تھی بزرگ صحابہ کو زدوکوب

---

[۱] خلافت و ملوکیت ص ۱۰۷-۱۰۸، ۳۲۳، حیاۃ الامام الحسن ج ۱ ص ۲۳۰-۲۴۸

[۲] حیاۃ الامام الحسنؑ ج ۱ ص ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۶۴، الغدیر ج ۹ ص ۳-۱۵

کرنا اور انہیں شہر بدر کرنا روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ اموال المسلمین صرف خاندان بنی امیہ اور اس کے چند سرکاری حامیوں سے تقریباً مخصوص ہو کر رہ گیا تھا۔

ان سب کا مشاہدہ کرتے ہوئے کوئی دیانت دار مسلمان خاموش تماشائی بن کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ لہٰذا ہر صوبے سے لوگ مدینہ میں جمع ہوئے اور تمام اصحاب نے حضرت عثمان کے طرزِ عمل سے ناراض ہو کر نہ صرف انقلابیوں کا ساتھ دیا بلکہ وہ لوگوں کو بنی امیہ کی حکومت کی پالیسیوں کے خلاف بھی اکساتے رہے۔

حکومت کا طرزِ عمل اور سیاسی، معاشرتی و معاشی رویہ اتنے خطرناک اور ناقابلِ اصلاح مرحلے تک پہنچ گیا تھا کہ آخر کار کوئی فرد اس کا دفاع کرنے کے لئے آمادہ نہ تھا حتیٰ کہ وہ افراد بھی جو بیت المال سے خوب عطیے اور پیسے وصول کرتے رہے تھے جن میں طلحہ و زبیر سرفہرست ہیں، انقلابیوں کے ساتھ جا ملے۔[1]

اس نازک مرحلے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ کا بھی بنی امیہ کے خلاف شورش برپا کرنے اور لوگوں کو اکسانے میں بڑا رول تھا۔[2]

قتل حضرت عثمان کی ذمہ داری سب سے پہلے خود ان کے اپنے اوپر عائد ہوتی ہے چنانچہ حضرت علی علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں:

"الی ان انتکث فتلہ اجھز علیہ عملہ وکبت بطنتہ"[3]	یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب اس کی بٹی ہوئی رسی کے بل کھل گئے اور

---

[1] العقد الفرید ج ۴ ص ۱۱۱ - ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۳۵-۳۶-

[2] العقد الفرید ج ۴ ص ۱۱۱-

[3] نہج البلاغۃ مترجم مفتی جعفر حسین قدس سرہ صفحہ ۲۸-۲۹، مطبوعہ امامیہ مشن ٹرسٹ لاہور-

اس کی بداعمالیوں نے اس کا کام تمام
کردیا اور شکم پری نے اسے منہ کے
بل گرادیا۔

آخرکار قتل حضرت عثمان سے اس مرحلہ کا خاتمہ ہوا۔ لیکن بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ عمل میں نہیں آیا۔

ایک طرف حکمرانی کے لئے معاویہ کو مدتوں سے تیار کیا جا رہا تھا۔ جس کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں دوسری طرف عہد عثمان میں بنی امیہ کے مطلق العنان حکمرانوں نے ایسے سیاسی، معاشی، اخلاقی اور فکری حالات پیدا کردیئے تھے جن کی اصلاح تقریباً ناممکن نظر آرہی تھی۔ ان حالات اور طرز زندگی کو برقرار رکھنا اسلام کے ساتھ بڑی غداری اور ناقابل معافی خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟

ہم یہاں پر اس حالت کی تصویر حضرت علی علیہ السلام کی زبانی پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ابتداء میں خلافت قبول کرنے سے آپؑ نے کیوں انکار فرمایا تھا اور جاہلیت مسلم معاشرے میں کہاں تک سرایت کر چکی تھی۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"الا وان بلیتکم قد عادت	تمہیں جاننا چاہیئے کہ تمہارے لئے وہی ابتلاآت
کھیئتھا یوم بعث اللہ	پھر پلٹ آئے ہیں جو رسولؐ کے
نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ"	بعثت کے وقت تھے"۔ [1]

نیز آپ علیہ السلام نے فرمایا:

دعونی والتمسوا غیری فانا	"مجھے چھوڑ دو اور (اس خلافت کیلئے)

[1] نہج البلاغۃ مترجم مفتی جعفر حسین قدس سرہ ص ۱۰۸ مطبوعہ امامیہ مشن لاہور۔

مستقبلون امراً له	میرے علاوہ کوئی اور ڈھونڈ لو ہمارے
وجوهٌ والوانٌ لاتقوم	سامنے ایک ایسا معاملہ ہے جس
له القلوب ولا تثبت	کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں جسے نہ
عليه العقول وان الآفاق	دل برداشت کر سکتے ہیں اور نہ عقلیں
قد أغامت والمحجة	اسے مان سکتی ہیں۔ دیکھو! افق عالم
قد تنكرت۔"	پر گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، راستہ
	پہچاننے میں نہیں آتا۔" ۱

حضرت عثمان کے بعد اسلامی نظام کو من و عن دوبارہ نافذ کرنے کی پہلی اور لازمی شرط یہ تھی کہ ملت اسلامیہ صدق دل اور مکمل اخلاص کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دے۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔ قریش کے بعض اکابرین نے نہ صرف ان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس آئین اور شرعی خلیفہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ باغیوں میں سے چند خلافت کے طالب تھے جو شوریٰ کا نتیجہ تھا اور کچھ بالخصوص حضرت علی علیہ السلام اور بالعموم اہل بیت پیغمبر (ص) سے پرخاش رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ حضرات حضرت عثمان کے دور میں بیت المال سے خوب فائدہ اٹھانے کے عادی تھے جبکہ حضرت علی علیہ السلام کے عدل نے ان کو وہی عطیے دیئے جو ہر مسلمان کو ملتے تھے۔

دراصل ان افراد نے جدید حکومت اور عدل مرتضیٰ (ع) سے فرار ہو کر آپ (ع) کے خلاف شورش اور بغاوت کی تھی۔ ان افراد کو مادی منافع اور جاہ منصب خطرے میں نظر آ رہا تھا۔

---

۱ نہج البلاغہ مترجم مفتی جعفر حسین قدس سرہ ص ۲۶۰ مطبوعہ امامیہ مشن لاہور

یہ مقام ولایت کے طالب تھے مگر حکومت عدل وانصاف کے اندر رہتے ہوئے اسے حاصل کرنے کی انہیں کوئی امید نہیں تھی۔ چنانچہ طلحہ وزبیر کوفہ وبصرہ کی حکومت کے خواہاں تھے۔ [1]

جنگ جمل، جو بغاوت کا ایک مظہر تھی۔ باغیوں کی سرکوبی کے ساتھ ختم ہوئی اور یہ نظام جاہلیت کے پہلے مرحلے کا آخری اثر تھا اور یہیں اس مرحلہ کا مکمل خاتمہ ہونا تھا اور جاہلیت کے تمام اثرات کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا جانا تھا مگر معاویہ نے گوناگوں مسائل پیدا کر دیئے اور جاہلیت کے دوسرے مرحلے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ ابتدا میں انتقام خونِ عثمان اور پھر خلافت کے نام سے جاہلیت کے تمدن وتہذیب اور لاقانونیت ودہشت گردی کو پوری طاقت سے رواج دیا۔ جس کے اثرات ابھی تک ہمارے سامنے موجود ہیں۔

دوسرا مرحلہ

یہ مرحلہ گزشتہ مرحلے سے کچھ مختلف تھا۔ اس میں ہمہ گیر انحراف اور جاہلیت کے ہر پہلو کا ظہور بوجہ اکمل ہوا۔ لہذا یہ مرحلہ ایک ممتاز اور الگ مقام کا حامل ہے۔ سابقہ دور میں بھی انحراف وفساد کا خوب دور دورہ تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ ان تمام انحرافی اقدامات پر اسلام کے لیبل کا حربہ کافی احتیاط سے استعمال ہوا کرتا تھا اور ان سب کو صحیح اقدام گردانا جاتا تھا۔ اس مرحلہ میں اس فریب کاری کا پہلو یا تو بالکل معدوم ہو چکا تھا یا نہ ہونے کے برابر تھا۔ لہذا سابقہ مرحلے میں جاہلیت کے تمدن وتہذیب

---

[1] ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۱۶

قبائلی نظام اور اس کے رسم و رواج کا جو بیج بویا گیا تھا۔ اب اس شجرہ خبیثہ کا ثمرہ واضح طور پر نمودار ہونا شروع ہوگیا۔ اس دور کے کسی بھی پہلو اور حالت کی طرف نظر ڈالی جائے تو ایک طرف قرآن مجید کی تعلیمات، سنت مطہرہ اور سیرت خلفاء کی کھلم کھلا مخالفت نظر آئے گی اور دوسری طرف مسلم معاشرہ، جاہلیت، تعصب اور ایک دوسرے سے نفرت کا مکمل نمونہ دکھائی دے گا۔

اس وقت مسلم برادری، اسلامی اخوت و مساوات کی بجائے، خوف، بے اطمینانی اور جاہ پرستی کے مرض میں مبتلا تھی۔ حاکم نظام، وحشیانہ پن، بربریت اور غیر انسانی بنیادوں پر قائم تھا۔ حکومت کا مقصد صرف اور صرف غیر اسلامی بنیادوں پر حصول اقتدار تھا جس کا اعلان خود معاویہ کی طرف سے بار بار ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ اس نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے کہا تھا:

"جنگ کرنے سے میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ تم لوگ نمازیں پڑھو، روزے رکھو، حج کرو یا زکواۃ ادا کرو۔ یہ سب تو تم کرتے آئے ہو۔ جنگ سے میرا مقصد یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مسلط ہو جائے وہ تمام شرائط جو میں نے حسن (ع) کے ساتھ منظور کی ہیں۔ وہ سب میرے ان پیروں کے نیچے ہیں اور ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے" [1]

دوسرے مرحلے میں اسلامی اصولوں کی جتنی تباہی ہوئی اور ان سے جتنا انحراف عمل میں آیا ان سب کا احاطہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ اگر ہر ایک کا تذکرہ کیا جائے تو "مثنوی ہفتاد من کاغذ شود" کے مصداق بن جائے گا۔ تاہم معاویہ کے اغراض و مقاصد

---

[1] ارشاد ص ۱۹۱، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۱، شرح ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۱۶، الغدیر ج ۱۰ ص ۳۲۶۔

اوران کے حصول میں اس کی روش کا جائزہ لینے کے بعد اس کے چند مظاہر کا تذکرہ کریں گے۔ جو مذکورہ بالا کے بارے میں اندازہ لگانے میں یقیناً ممد و معاون ثابت ہوگا۔

اگر معاویہ کی بحیثیت حاکم زندگی کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے، تاریخی شواہد اور اس کے اپنے اقوال و اعمال کو اس جائزہ کا بنیادی عنصر قرار دیا جائے اور لکھنے والا ہر قسم کے تعصب سے بالا تر ہو تو معلوم ہوگا کہ معاویہ کے کیا مقاصد تھے اور اس نے اپنے ان مقاصد کے حصول کے لئے کیا روش اختیار کی تھی اور یہی وہ چیزیں لاتعداد جرائم و انحرافات کی بنیاد ہیں۔

معاویہ: مقاصد و اہداف کے لحاظ سے طالب اقتدار تھا اور اسلام اور اس کا مقدس آئین اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ اس کا متبادل نظام تلاش کیا جائے اور اس نظام کا نام جاہلیت کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

روش اور سیاسی رویہ کے لحاظ سے وہ میکاولی ازم اور دہشت گردی پر مکمل یقین رکھتا تھا۔ اس کا یہ رویہ اس کے نمایاں کارناموں میں شمار ہوتا ہے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے اس نے ہر وہ کام انجام دیا جو اسے اپنے مقصد کے حصول یا اس سے قریب تر کرنے میں مؤثر ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ ایک موقع پر اس نے اظہار کیا:

"لا نصل الی الحق الا بالخوض فی کثیر من الباطل"[۱]

"ہم حق[۲] کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک بہت سے باطل کاموں کا ارتکاب نہ کر لیں"

اس کی منطق کے مطابق یہ طبعی امر تھا۔ اسے بالکل پرواہ نہیں تھی کہ اس کا کام

---

[۱] حیاۃ الحسن ۲ ص ۱۱۶۔

[۲] یہاں حق سے مراد اس کے من پسند اقدامات ہیں۔

یا ذریعہ، عقل وانسانیت کے معیار کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس لئے کتب تواریخ روشن گواہ ہیں کہ معاویہ کو اپنی سیاسی زندگی کی ابتدائے سے آخری لمحات تک لاتعداد جرائم کا ارتکاب کرنا پڑا۔ اس نے حصولِ اقتدار کے لئے ہر ناجائز کو جائز قرار دیا اور ہر ناجائز طریقہ و وسیلہ سے استحکام حکومت کے سلسلے میں خوب فائدہ اٹھایا دین و سنت میں ہزاروں بدعتیں پیدا کیں اور اپنی خواہش کے مطابق اس نے جدید دین کو رواج دیا۔ آئندہ صفحات میں ان میں سے چند کا تذکرہ ہم کریں گے۔

مرکزی حکومت کے متوازی حکومت

بنی امیہ کی حکومت کے بارے میں سابقہ مباحث میں کافی تذکرہ ہو چکا ہے اور اس کے استحکام کی خاطر جو مساعی و کوششیں کی گئی تھیں اس پہلو کا ذکر بھی ہو چکا ہے لیکن ان تمام کوششوں کے علاوہ ایک منفرد باب کا ذکر کرنا ضروری ہے اور وہ ہے حضرت عثمان کے قتل کے بعد معاویہ کی نئی جدوجہد اور جدید ڈپلومیسی کا انداز جو اس نے اختیار کیا اور اقتدار کے لئے حضرت عثمان کی قمیص کو فساد کا ذریعہ بنایا۔

تاریخی وقائع سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ حضرت عثمان کے قتل میں شریک تھا جیسا کہ یعقوبی کا قول اس پر گواہ ہے[1] یا کم سے کم اس نے حضرت عثمان کی مدد کرنے سے عملاً انکار کر دیا۔ اور ان کو انقلابیوں میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔[2] اس کے علاوہ معاویہ کے وزیر عمرو بن عاص کے اعتراف کے مطابق ان دونوں نے حضرت عثمان کی مدد نہیں

---

(۱) تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۵۔
(۲) الغدیر ج ۱۰ ص ۳۲۵۔

کی[1] حضرت عثمان کی مدد نہ کرنا ایک منصوبے کے تحت تھا۔ جیسا کہ مروج الذہب ج ۳ ص ۲۵ اور تاریخ یعقوبی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ نیز خود حضرت عثمان کا بھی یہی خیال تھا[2]۔ اس کے علاوہ خود معاویہ کا قول اس پر شاہد ہے کہ وہ عہد رسول اعظمؐ سے خلافت کا خواب دیکھ رہا تھا[3]۔ چنانچہ قتل حضرت عثمان سے قبل حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ معاویہ کی جو تلخ کلامی ہوئی تھی وہ بھی اس پر شاہد ہے معاویہ نے کہا!

"میں اس بوڑھے (حضرت عثمان) کو چھوڑ کر شام واپس جا رہا ہوں اگر اس کا ایک بال بھی گرایا گیا تو میں تم سے ایک لاکھ تلواروں کے ساتھ جنگ کروں گا"[4]

نعمان بن بشیر نے حضرت عثمان کی قمیص، ان کی زوجہ کے خط کے ہمراہ جس میں قتل حضرت عثمان کا واقعہ درج تھا۔ شام آکر معاویہ کو دی تو معاویہ نے حضرت عثمان کی مظلومیت پر ایک جذباتی تقریر کی، جس کو سن کر لوگ رو پڑے اور خواتین مسلح ہونے کے لئے تیار ہوگئیں[5]

معاویہ نے ایک مدت تک حضرت عثمان کی قمیص اور ان کی زوجہ نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں مسجد کے منبر پر لٹکائے رکھیں اور اس طرح وہ لوگوں کے جذبات بھڑکاتا رہا[6]۔ حضرت عثمان کے قتل کو اگر ناحق بھی تصور کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاویہ

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۸۸۔ یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۶

[2] یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۵۔

[3] العقد الفرید ج ۴ ص ۱۵۷۔

[4] ابن ابی الحدید ج ۱۰ ص ۲۳۳

[5] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۷۳۔ ابن ابی الحدید ج ۱۰ ص ۲۳۵ کے مطابق معاویہ نے یہ تقریر مروان کا مراسلہ ملنے کے بعد کی تھی۔

[6] الکامل ج ۳ ص ۱۴۱-۱۶۱، ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۰۳۔

کو انتقام خون لینے کا حق کیسے حاصل تھا؟ اول تو ان کا بیٹا "سعید بن عثمان" زندہ تھا۔ دوم یہ کہ تحقیقات کا مرکز آئینی حکومت تھی۔ معاویہ کا ان دونوں لحاظ سے اصل واقعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاویہ کس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ مرکزی حکومت سے؟ جب کہ تمام مورخین کے مطابق حضرت علی علیہ السلام خون حضرت عثمان سے اسی طرح بری تھے جس طرح بھیڑیا خون یوسف علیہ السلام سے بری تھا۔ اگر معاویہ واقعی قاتلین حضرت عثمان سے انتقام لینے کا خواہاں تھا تو اس کے لئے بہترین قانونی راستہ یہ تھا کہ وہ مرکزی حکومت کے ساتھ تعاون کرتا اور قاتلین سے انتقام لینے کا اس سے مطالبہ کرتا۔ مگر معاویہ کا مطالبہ تو یہ تھا کہ قاتلین حضرت عثمان کو خود اس کے حوالے کر دیا جائے۔[1]

عجیب بات تو یہ تھی کہ اس نے ابھی تک آئینی حکومت کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ اس طرح غیر آئینی حکومت سے مطالبہ کرنا تو بذات خود غیر آئینی ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس وقت معاویہ کی حیثیت آئینی نقطہ نگاہ سے ایک باغی سے زیادہ نہیں تھی۔ اب معلوم نہیں معاویہ نے قاتلین حضرت عثمان کو اس کے حوالے کئے جانے کا مطالبہ کس حیثیت سے کیا تھا۔ آیا ولی شرعی، قانونی حکومت یا جاہلیت کے قبائلی رسم و رواج کے تحت یا اس نے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر خون حضرت عثمان کو ذریعہ بنایا تھا۔ ورنہ قاتلین سے انتقام لینے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا چنانچہ جب اس نے اقتدار اعلیٰ حاصل کر لیا۔

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۸۹۔

تواس کے بعد قاتلین حضرت عثمان میں سے کتنے افراد کو سزا دی گئی ؟

نیز حضرت عثمان کے قتل کے بعد مرکزی حکومت کے خلاف کھڑا کرنے کے لئے معاویہ نے جن مختلف افراد کو مراسلے بھیجے تھے ان میں طلحہ و زبیر بھی شامل ہیں جو کہ قاتلین حضرت عثمان میں سے تھے یا کم سے حضرت عثمان کی مدد نہ کرنے والوں میں شامل تھے جس کا ذکر ابن عباس نے ایک مراسلے میں کیا ہے [1]

معاویہ ایک طرف سے اہل شام کو نفسیاتی طور پر جنگ و قتال کے لئے آمادہ کر رہا تھا۔ دوسری طرف اس نے مرکزی حکومت کے خلاف شورش و بغاوت کھڑی کرنے کے لئے چند افراد کو مراسلے بھیجے۔ ان مراسلوں کا مضمون اس کی شخصیت، خواہشات اور احساسات کے مطابق ہوتا تھا۔ ان میں کسی کو حکومت و اقتدار کا لالچ دیا جاتا تھا اور کسی سے قبائلی عصبیت کی بنیاد پر خون عثمان کا ذکر کر کے اس کے جذبہ انتقام سے استفادہ کیا جاتا تھا۔

جن حضرات کو مراسلے بھیجے گئے ان کے نام درج ذیل ہیں۔ ان کو قتل حضرت عثمان کے بعد اور دیگر وقتوں میں مراسلے ارسال کئے گئے تھے۔

۱۔ طلحہ بن عبید اللہ ۲۔ زبیر بن عوام ۳۔ سعید بن العاص ۴۔ عبداللہ بن عامر [2]
۵۔ ولید بن عقبہ ۶۔ یعلی بن امیہ [2] ۷۔ قیس بن سعد الانصاری ۸۔ زیاد تمیمی [3]
۹۔ عبداللہ بن عمر [4] ۱۰۔ ابن عباس ۱۱۔ قیس بن سعد [5]

ابن عباس کو ارسال کئے جانے والے مراسلے میں ایک طرف ابن عباس کو حضرت علی علیہ السلام

---

[1] الغدیر ج ۱۰ ص ۳۲۵ -
[2] ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۵۰۰ تا ۵۰۳ علی دنا دیدہ ص ۱۲۹
[3] الغدیر ج ۱۰ ص ۳۱۱ -
[4] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۸۹ -
[5] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۶ -

سے جدا کرنے کی کوشش کی گئی اور دوسری طرف ممالک اسلامیہ کو آپس میں تقسیم کرنے کی اسے پیشکش کی گئی تھی:

"شام کی حکومت پر ہم اکتفا کرتے ہیں اور عراق کی حکومت پر تم اکتفا کرو" ؎۱

زبیر بن عوام کو یہ مراسلہ بھیجا گیا:

"لعبد اللہ الزبیر امیر المؤمنین من معاویہ بن ابی سفیان۔ اما بعد! فانی بایعت لک اھل الشام فما جابوا و استوسقوا کما یستوسق الحلب فدونک الکوفۃ والبصرۃ لا یسبقک الیھما ابن ابی طالب فانہ لا شئی بعد ھذین المصرین وقد بایعت بطلحۃ بن عبید اللہ من بعدک فاظھر الطلب بدم عثمان" ؎۲

"امیر المؤمنین عبد اللہ ابن زبیر کے نام۔ معاویہ بن ابی سفیان کی جانب سے سلام مسنون! میں نے تمہارے لئے اہل شام سے بیعت لے لی ہے اور انہوں نے اس طرح تمہاری بیعت پر لبیک کہی اور اس پر جمع ہوئے جیسے (کسی برتن میں) دودھ اکٹھا ہوتا ہے۔ "کوفہ" اور "بصرہ" کو سنبھالو اور کسی صورت میں علی بن ابی طالب کو سبقت لینے کا موقع نہ دو۔ کیونکہ ان دونوں کے مقابلے میں کوئی اور شہر نہیں ہے تمہارے بعد "طلحہ" کی بیعت لی گئی ہے اور دونوں مل کر خون عثمان (کے انتقام) کا مطالبہ کرو۔"

؎۱ الغدیر ج ۱۰ ص ۳۲۵۔ الامامۃ والسیاستہ ج ۱ ص ۱۰۰۔

؎۲ الغدیر ج ۱۰ ص ۳۲۷۔ ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۲۳۱۔

اس مراسلے سے ابن زبیر بہت خوش ہوا اور اس سے اس نے طلحہ کو مطلع کیا اور دونوں کو یہ یقین ہو گیا کہ معاویہ ان کا خیر خواہ ہے اور اس مراسلے کے پیشِ نظر دونوں حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔[1]

معاویہ کے اس مراسلے میں موجود چند نکات کا ذکر ضروری ہے:

۱- زبیر کو امیر المومنین کا لقب کس اسلامی اصول کے تحت دیا گیا؟

۲- اہلِ شام سے زبیر اور پھر طلحہ کے لئے کب بیعت لی گئی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ "شام" اور "حمص" دونوں میں خود معاویہ کے لئے بیعت لی گئی تھی۔[2]

۳- قاتلین حضرت عثمان سے انتقام لینے کا مطالبہ دراصل مرکزی حکومت کے خلاف استعمال کرنے کے لئے ایک سیاسی حربہ تھا ورنہ زبیر و طلحہ دونوں خون عثمان بہانے میں شریک تھے۔[3] جیسا کہ حضرت عائشہ نے جب بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو سعید بن عاص نے ان سے کہا:

أن قتلة عثمان معك يا ام المومنين[4]

ام المومنین! عثمان کے قاتل تو آپ کے ساتھ ہیں۔"

اسی طرح سعد ابن ابی وقاص اور حضرت عائشہ ان دونوں کو قاتل عثمان ٹھہراتے ہیں۔[5]

نیز معاویہ نے عمرو بن عاص کو فلسطین سے بلا کر اپنا وزیر بنا لیا[6] اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس کے ساتھ مل کر مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کرے تو اس کے صلے میں مصر کی حکومت

---

[1] ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۲۳۱۔ [2] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۷۴۔

[3] العقد الفرید ج ۴ ص ۱۱۱۔ ابن الحدید ج ۹ ص ۳۵ [4] الفتنۃ الکبریٰ علی وبنوہ ص ۸

[5] العقد الفرید ج ۴ ص ۱۱۱۔ یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۵۔ الکامل ج ۵ ص ۱۰۵

[6] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۸۶۔

اس کے سپرد کر دی جائے گی۔[1]

یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ معاویہ کا قاتلین حضرت عثمان سے انتقام لینے سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی یہ اس کا ہدف تھا۔

۴۔ جنگ جمل برپا کرنے اور اس میں بہائے جانے والے خون میں معاویہ شریک تھا۔

۵۔ مدینہ میں مہاجرین وانصار اور باقی مسلمانوں کی رضا و رغبت سے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت عمل میں آنے کے بعد معلوم نہیں۔ معاویہ کا اپنے اور طلحہ یا زبیر کے لئے بیعت لینے کا کیا مفہوم تھا؟ حضور (ص) نے فرمایا تھا: ایک وقت میں اگر دو خلیفہ کھڑے ہو جائیں تو دوسرے خلیفہ کو قتل کر دو۔[2]

طلحہ کے نام مراسلے سے اقتباس پیش خدمت ہے:

"... فسارع رحمک الله الی ما تقلدک الرعیة من امرها، مما لا یسعک التخلف عنه، ولا یرضی الله منک الا بالقیام به، فقد احکمت لک الامر قبلی والزبیر فغیر متقدم علیک بفضل، وایکما قدم صاحبه فالمقدم الامام، والامر من بعده للمقدم له..."[3]

اس کام کی طرف تیزی سے بڑھو جو رعایا نے تمہاری گردن پر مسلط کر دیا ہے اس

---

[1] الامامة والسیاسة ج ۱ ص ۸۷۔ مروج الذھب ج ۲ ص ۳۶۳۔

[2] تذکرة الخواص ص ۶۵۔

[3] الغدیر ج ۱۰ ص ۳۲۹۔ ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۲۳۵-۲۳۶۔

سے انکار جائز ہے اور نہ خدا راضی۔ میں یہاں تمہارے لئے تمام معاملات انجام دے چکا ہوں۔ زبیر کو تم پر کوئی فضیلت و ترجیح نہیں ہے۔ تم دونوں میں سے جو آگے ہوگا وہ امام و خلیفہ ہوگا اور دوسرے کی باری اس کے بعد آئے گی۔"

۲۔ مرکزی حکومت کے ہر مخالف کی پناہ گاہ

مدینہ منورہ پر حضرت علی علیہ السلام کی بیعت خود مسلمانوں اور اکابر اصحاب کے اصرار پر ہو چکی تھی۔ نئی حکومت اسلامی معاشرہ اور مختلف شعبوں میں جو انحراف بگاڑ پیدا ہو چکا تھا اس کی اصلاح کرنے اور اسلامی نظام کے خدوخال دوبارہ نمایاں کرنے کے اقدامات کا آغاز کر رہی تھی۔ سابقہ مظالم کی جگہ اسلامی عدل و انصاف اور آنحضرت (ص) کی سیرت مطہرہ کے نفاذ کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

چند مفاد پرست افراد۔ عدل و مساواتِ حضرت علی علیہ السلام سے بہت نالاں تھے۔ کیونکہ انہیں اپنے مفادات خطرے میں پڑ جانے کا یقین ہو چکا تھا اس کے علاوہ حضرت عثمان کے خلاف شورش برپا کرنے اور بنی امیہ کی حکومت کے خلاف لوگوں کو ابھارنے والوں میں سے چند افراد یا تو خود خلیفہ بننے کے خواہشمند تھے یا کسی مقام کی گورنری کے طالب تھے۔ ان میں طلحہ و زبیر بھی شامل تھے[۱] اسی طرح کچھ افراد ایسے بھی تھے جو حضرت علی علیہ السلام کے پرانے دشمن تھے[۲] اور ان میں ام المومنین عائشہ سرفہرست تھیں۔[۳]

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۰، الامامہ والسیاسۃ ج ۱ ص ۵۱۔ ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۱۶۔

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۹۔

۳۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۰۔ الفتنۃ الکبریٰ طٰہٰ حسین مصری۔ الامام علیؑ عبدالفتاح عبدالمقصود۔

انہی وجوہات کی بنا پر وہ واقعات پیش آئے جو جنگِ جمل، صفین اور نہروان کے نام سے مشہور ہیں اور سب سے زیادہ ناقابل تلافی جو نقصان ہوا، وہ حکومت اسلامیہ کا خاتمہ اور نظام جاہلیت کا ظہور تھا۔

اس دوران معاویہ کا کردار کسی سے مخفی نہیں ہے وہ مرکزی حکومت کے ہر مخالف کی پناہ گاہ تھا۔ گویا کہ معاویہ کی یہ ذمہ داری تھی کہ عدل و انصاف اور اسلام کے صاف و شفاف نظام سے فرار ہونے والوں کی سرپرستی کرے اور بغاوت و سرکشی کا علمبردار رہے۔

عدالت سے فرار ہونے کے سلسلہ کا آغاز حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی ابتداء سے ہوا اور آپؑ کی شہادت تک یہ سلسلہ جاری رہا بلکہ معاویہ کی فرمانروائی مکمل ہونے تک یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔

عبیداللہ بن عمر شام کی طرف فرار ہو گیا کیونکہ اس نے اپنے باپ حضرت عمر کے بدلے میں ایک بے گناہ انسان "ہرمزان" کو قتل کر دیا تھا۔ حضرت عثمان نے اسے بلا وجہ معاف کر دیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن وہ فرار ہو کر شام میں معاویہ کی مہر و عطوفت کی گود میں بڑے آرام سے جا بیٹھا[1]۔ اس کے علاوہ عبداللہ بن عامر[2]، مروان بن الحکم[3] اور مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی[4] حکومت اسلامی کے اصلی چہرہ سے خوفزدہ ہو کر حکومت شام کی پناہ میں چلے گئے۔

---

[1] مروج الذہب ج ۲ ص ۳۸۸۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۹۲۔
[2] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۸۱۔ [3] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۵۳۔
[4] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۸۰۔ نیز ابن ابی الحدید نے عدالت علیؑ سے فرار ہو کر شام میں معاویہ کے ہاں پناہ لینے والوں کی فہرست تفصیل کے ساتھ جلد ۴ ص ۸۰ میں درج کی ہے۔

حکومت عادلہ سے فرار ہونے والوں کو معاویہ نے نہ صرف پناہ دی بلکہ نہایت گرمجوشی سے ان کا استقبال کرنے اور انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے بیت المال کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے۔ اس کے علاوہ وہ مختلف مراسلوں کے ذریعے لوگوں کو حق و حقیقت اور خدا و رسول (ص) کے احکامات کی تعمیل ترک کر کے جاہلیت کے مرکز شام میں منتقل ہونے کی ترغیب دلاتا تھا اور اس کے لئے انہیں مال و دولت اور جاہ و منصب دینے کا لالچ دیتا تھا اس سلسلے میں حکم خدا کو پامال کرتے ہوئے اس نے زیاد ابن ابیہ کو زیاد بن ابوسفیان (ابوسفیان کا بیٹا) قرار دیا کیونکہ ابوسفیان نے زمانہ جاہلیت میں زیاد کی ماں سمیہ سے زنا کیا تھا اور وہ اس کی ہمبستری کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا[۱] چونکہ معاویہ حکومت و اقتدار کے استحکام کی خاطر کسی بھی حقیقت کو جھٹلانے سے دریغ نہیں کرتا تھا اس لئے اس نے اسے اپنا سیاسی بھائی بنا لیا۔

۳۔ دہشت گردی

اس عہد جدید کی ایک خاصیت دہشت گردی تھی۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ عہد مکمل طور پر دہشت گردی، بے گناہوں کے قتل اور مخالفین کی املاک و جائیداد کی غارت گری کا بے مثال نمونہ تھا۔ شام میں معاویہ کی حکومت کی بنیاد جھوٹ، گمراہ کن پراپیگنڈے اور بلا وجہ قتل و غارت پر رکھی گئی تھی۔ اگر معاویہ یہ حربہ استعمال نہ کرتا تو اس کی حکومت بھی قائم نہ ہوتی اور اس کے لئے حکومت و اقتدار کچھ ایسے مقاصد تھے جن کے حصول کے لئے اس نے ہر قسم طریقہ و ذریعہ استعمال کرنے سے دریغ نہیں کیا جس سے اس کو تقویت حاصل ہو سکتی تھی اور مستقبل بعید میں اسلام کے مکمل خاتمہ کی ضمانت مل سکتی تھی یا کم سے کم اس کا امکان ہو سکتا تھا۔

---

[۱] الغدیر ج ۱۰ ص ۲۱۶۔

عہد معاویہ میں کسی قسم کی آزادی نہیں تھی ۔ نہ سیاسی نہ مذہبی ۔ اگر مذہب وعقیدہ تھا تو وہ بنی امیہ پرستی پر مبنی ہوتا تھا ۔ یا کم سے کم ایسا عقیدہ تھا جو حکومت کے لئے کسی قسم کے خطرہ کا باعث نہ بنے ۔ ایسے افراد کو بھی قتل کر دیا گیا تھا جو گو کہ عثمانی العقیدہ تھے لیکن یہ امکان تھا کہ یہ افراد بنی امیہ کی حکومت کے لئے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں جیسے عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید وغیرہ ۔ اس بناء پر کسی فرد کو قتل کر دینے یا اس کا مال واسباب ضبط وضائع کر دینے کا جواز معاویہ کے پاس مندرجہ ذیل صورتوں میں ہوتا تھا ۔

۱۔ مذہب وعقیدہ کے اعتبار سے اس کا مخالف ہو ۔

۲۔ سیاسی میدان میں اس کے عزائم وارادات کی راہ میں رکاوٹ ہو یا رکاوٹ بننے کا امکان ہو ۔

واضح رہے کہ پہلے گروہ میں صرف اور صرف شیعہ آتے تھے جو مذہبی اور سیاسی دونوں اعتبار سے حاکم نظام کے مخالف تھے ۔ انہیں ختم کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا گیا ہر طرح کا ظلم ان پر ڈھایا گیا مذہبی اعتبار سے ہم عقیدہ نہ ہونے کی بناء پر بچوں، عورتوں اور بوڑھوں تک کو معاف نہیں کیا گیا ۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی ۔ بچوں کو ان کے والدین کے سامنے شہید کر دیا گیا ۔ ان کو قید خانوں میں محبوس کر دیا گیا ان کے مال وجائیداد لوٹ لی گئیں ۔ ان کے شہروں اور قصبوں کو مکمل طور پر تاخت وتاراج کر دیا گیا ۔ اور سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۔ مختصر یہ کہ اس کے ظلم وستم کی چکی ہر شہر و قصبہ کے بے گناہ افراد کو پیس رہی تھی ۔ اس نے ہم عقیدہ نہ ہونے والے اور ہر اس فرد کے خلاف جس پر شیعۂ علی ہونے کا شبہ بھی تھا ۔ ظلم وبربریت اور دہشت گردی کا ایسا بازار گرم کر رکھا تھا جس کی نظیر قیصر وکسریٰ اور قرونِ وسطیٰ میں بھی نہیں ملتی ۔

اس غرض کی تکمیل کے لئے ملوکانہ فرامین جاری ہوتے رہتے تھے اور گورنروں کو یہ ہدایت جاری کردی گئی تھی کہ جو بھی محب علیؑ یا دین علیؑ پر ہو اسے بلا جھجک قتل کردو اور بیت المال سے اس کا عطیہ روک دو۔ اس دہشت گردانہ نظام کے ظلم و ستم اور بربریت کے پہلو کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

معاویہ کی دہشت گردی نے مسلمان پر عرصۂ حیات اسقدر تنگ کردیا تھا کہ وہ شیعۂ علیؑ کہلانے کی نسبت کفر و الحاد سے منسوب ہونا زیادہ پسند کرنے لگے [1]۔

مستند تاریخی شواہد کے مطابق خوف و ہراس اور دہشت گردی اس حد تک جا پہنچی کہ کوفہ و مدینہ میں بچے کھچے شیعوں کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی شیعہ سے ملنے اس کا سچا اور قابل اعتماد دوست بھی آتا تھا۔ تو وہ کھل کر آزادی کے ساتھ بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے دوست کے مکان کے اندر کسی بند کمرے میں جا کر راز کی باتیں کرتا کہ مبادا اس کا غلام ان کی باتیں حکومت تک نہ پہنچا دے۔ نیز وہ اپنے دوست سے اس وقت تک حال دل بیان نہیں کرتا تھا جب تک اسے سخت قسمیں نہ دے لیتا [2]۔

عمال معاویہ کے کارنامے

زیاد بن سمیہ:۔ معاویہ نے اپنے سیاسی بھائی زیاد بن سمیہ کو پہلے بصرہ اور پھر کوفہ کا گورنر مقرر کیا [3] کوفہ و بصرہ میں زیاد بن سمیہ نے اس قدر خونریزی کی اور محبان علیؑ کے

---

[1] الحسین فی الفکر المسیحی ص ۲۰۱۔
[2] ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۴۴-۴۵، بحار ج ۴۴ ص ۱۶۴، سلیم بن قیس ص ۲۰۵۔
[3] مروج الذھب ج ۳ ص ۲۴، طبری ج ۳ ص ۲۷، یعقوبی ج ۲ ص ۲۲۹۔

کے قتل کی اتنی زیادہ وارداتیں کیں کہ جن کی بالکل صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ ہزاروں کی تعداد میں بدھی ص[۱] بدگمانی پر بغیر تحقیق کے قید کر دینا، صرف شک و شبہ پر ایذا رسانی اور قبل از جرم سزا دینا اس نظام و عمال کی خصوصیات میں سے تھا ص[۲]

اس کے علاوہ اس نے ایک اور منصوبہ بھی بنایا تھا جس کی اسے مہلت نہیں مل سکی۔

اس کا منصوبہ یہ تھا کہ اہل کوفہ کو قصر امارہ کے باہر جمع کر کے انہیں حکم دیا جائے کہ وہ حضرت علی پر سب و شتم اور ان سے اپنی برائت کا اعلان کریں اور جو شخص اس سے انکار کرے اس کی گردن اڑا دی جائے اس طرح لوگ قصر کے باہر یا تو برائت کا اعلان کرتے یا اپنی موت کے منتظر ہوتے لیکن وہ اسی دن طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر تین دن بعد اسی مرض سے ہلاک ہو گیا ص[۳]

زیاد کے ظلم و ستم اور دہشت گردی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے۔

زیاد نے معاویہ کو لکھا: عراق (کوفہ و بصرہ) کو میں نے دائیں ہاتھ سے تھام رکھا ہے اور میرا بایاں ہاتھ خالی ہے۔ معاویہ نے اس کے جواب میں حجاز کو بھی اس کے ماتحت کر دیا۔ جب یہ خبر اہل مدینہ کو ملی تو سب چھوٹے بڑے مسجد رسول اللہ (ص) میں جمع ہوئے اور تین روز تک بارگاہ ایزدی میں فریاد کناں رہے اور آنحضرت (ص) کے روضہ اقدس سے متوسل ہے کیونکہ وہ سب اس کے ظلم و جور سے واقف تھے بالآخر وہ مرض طاعون میں

ص۱ "امت و اہل بیت" کے صفحہ ۱۳۸ پر ابن ابی الحدید کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ کوفہ و بصرہ میں ابن زیاد نے ایک لاکھ پچاس ہزار شیعوں کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر قتل کیا۔

ص۲- طبری ج ۳ ص ۱۶۹، سلیم بن قیس ص ۱۱۰

ص۳- مروج الذہب ج ۳ ص ۳۵، ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۵۸، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۶۲ یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۶۔

مبتلا ہو گیا اور اسے حجاز پہنچنا نصیب نہ ہوا۔[1]

سمرہ بن جندب: سمرہ بن جندب صحابی پیغمبر اکرم (ص) تھا۔ لیکن اس نے سنت اور نظام اسلام کی اس قدر مخالفت کی اور دنیا اور معاویہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے اتنے مظالم اور خونریزیاں کیں کہ ان کے ذکر نے تاریخ کے صفحات کو سیاہ کر دیا ہے۔

زیاد بن سمیہ جب کوفہ آتا تو بصرہ کی حکومت سمرہ کے حوالے کر دیتا تھا۔[2] اس نے قتل و خونریزی کی انتہا کر دی تھی۔ ابن سیرین سے پوچھا گیا۔ کہ کیا سمرہ نے بھی کسی کو قتل کیا ہے تو اس نے جواب دیا:

"کیا اس کے کشتوں کی کوئی انتہا بھی ہے؟"[3]

زیاد ایک مرتبہ بصرہ کی حکومت سمرہ کے سپرد کر کے خود کوفہ چلا گیا۔ اس کے واپس آنے تک سمرہ آٹھ ہزار آدمیوں کو قتل کر چکا تھا اور اتنے ہی افراد مزید قتل کرنے کا متمنی تھا۔[4]

اس نے ایک دن میں سینتالیس (۴۷) افراد کو قتل کیا جو کہ سب کے سب حافظ قرآن تھے۔[5]

زیاد کی موت کے بعد سمرہ[6] بصرہ پر چھ مہینے تک حاکم رہا اور اس کے بعد جب معاویہ نے اسے معزول کیا تو اس نے کہا:

۱۔ مروج الذہب ج ۳ ص ۳۵، طبری ج ۴ ص ۲۳۸، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۶۲۔
۲۔ طبری ج ۴ ص ۲۰۹۔
۳۔ طبری ج ۳ ص ۲۰۸۔
۴، ۵۔ ایضاً۔
۶۔ زیاد کے مرنے کے بعد سمرہ کو عبیداللہ ابن زیاد کا پولیس آفیسر مقرر کیا گیا تھا اور وہ لوگوں کو حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کے لیے کربلا جانے کی ترغیب دیتا تھا لہٰذا وہ بھی قتل امام میں شریک تھا (ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۷۹)

خدا لعنت کرے معاویہ پر۔ اگر میں خدا کی اتنی اطاعت کرتا جتنی معاویہ کی اطاعت کی ہے تو وہ مجھے کبھی عذاب نہ کرتا"۔[1]

اسی معاویہ نے حضرت امام حسنؑ کو زہر دلوا کر[2] شہید کیا اور مالک اشتر کو بھی اسی طرح شہید کیا[3]۔ ان کے علاوہ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو بھی اس نے شہید کرایا۔[4]

اسی طرح ہزاروں بے گناہ بچے بوڑھے اور عورتیں جگہ جگہ قتل کئے گئے۔ جنگ صفین سے شام واپسی کے بعد معاویہ نے کھلم کھلا دہشت گردی قتل و غارت گری اور مسلمانوں کی جائیداد واموال لوٹنے کا سلسلہ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت شروع کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی قلمرو میں معاویہ کسی سفاک و جرائم پیشہ جرنیل کے تحت ایک ظالم لشکر آبادیوں پر اچانک حملہ کرنے کے لئے بھیج دیتا تھا۔ جو وہاں جا کر جو کچھ اسے ملتا لوٹ لیتا، مال و دولت چھین لیتا اور بستی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا تھا۔ پھر اسی کام کے لئے وہ دوسری جگہ روانہ ہو جاتا۔

جس علاقے کو نشانہ بنایا جاتا وہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو جاتا تھا اور سفاک جرنیل عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر بازاروں میں فروخت کر دیتے چنانچہ "بسر بن ابی ارطاۃ" نے قبیلہ ہمدان جو شیعیان علی علیہ السلام پر مشتمل تھا پر جابرانہ و وحشیانہ یورش کی اس نے مردوں کو شہید کر دیا اور عورتوں کو قیدی بنا کر بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا اور اسلامی

---

[1] طبری ج ۳ ص ۳۴۰ - النصائح الکافیہ ص ۵۴ -

[2] مروج الذہب ج ۳ ص ۵ - حیاۃ الحسنؑ ج ۲ ص ۴۶۸ - الغدیر ج ۱۱ ص ۸ - تذکرۃ الخواص ص ۱۹۱ -

[3] الکامل ج ۳ ص ۱۷۸، الغدیر ج ۱۱ ص ۶۱ - یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۴ -

[4] طبری ج ۳ ص ۲۳۰، یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۱، الکامل ج ۳ ص ۲۳۳ -

تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ مسلمان عورتیں فروخت کی گئیں۔[1]

اس قسم کے غیر انسانی اور وحشیانہ اقدام سے جہاں مکمل جاہلیت کے تہذیب و تمدن کی عکاسی ہوتی ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک مکمل منصوبہ بندی کے تحت اسلام کے نظام عدل و انصاف کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے کی جانے والی مذموم کوششوں کا یہ ایک حصہ ہے جس کا مقصد حضرت علی علیہ السلام کے شیعوں میں خوف و ہراس اور رعب و وحشت پھیلانا تھا تاکہ وہ آپ کی حمایت سے باز آجائیں اور پھر بتدریج آپ کی حکومت کو کمزور یا ختم کر کے جاہلیت و لاقانونیت کی علامت بنی امیہ کی حکومت تمام اسلامی ممالک پر قائم ہو جائے۔

یہاں ہم ان سفاک جرنیلوں کے جرائم کی تفصیلات تو بیان نہیں کر سکتے البتہ ان کے ناموں کی فہرست پیش کرتے ہیں جنہوں نے عراق یمن اور حجاز کو اپنی بربریت اور وحشیانہ جارحیت کا نشانہ بنایا۔

۱۔ **نعمان ابن بشیر**: اس نے دو ہزار کے لشکر کے ساتھ عراق کے علاقے "عین التمر" پر حملہ کیا تھا۔[2]

۲۔ **سفیان بن عوف**: اس نے چھ ہزار کے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے عراق کے شہر "انبار" پر حملہ کر کے وہاں خون کی ندیاں بہادیں اور شہر کو لوٹ لیا۔[3]

۳۔ **عبداللہ بن مسعدہ**: ایک ہزار سات سو (۱۷۰۰) کی فوج کے ہمراہ اسے حجاز میں

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۶۵۔ اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۸۰

[2] طبری جلد ۳ ص ۱۴۹۔

[3] طبری ج ۳ ص ۱۵۰۔ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۵۰۔ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۸۶۔

جبری زکوٰۃ کی وصولی کے لیئے مامور کیا گیا اور اسے حکم تھا کہ جو اسے زکوٰۃ نہ دے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔[۱]

۴۔ **ضحاک بن قیس**: یہ تین ہزار کی فوج کے ہمراہ عراق میں آیا۔ اسے یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہاں اسے جو لوگ (شیعیان علی علیہ السلام) ملیں ان سب کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔ ان احکام کی تعمیل میں جب راستے میں اس کی ملاقات حاجیوں کے ایک قافلے سے ہوئی تو ان کے مال و اسباب کو بھی اس نے لوٹ لیا۔[۲]

۵۔ **بسر بن ابی ارطاۃ**: یہ سب سے زیادہ سفاک اور خونخوار جرنیل تھا۔ معاویہ نے اسے تیس ہزار کی فوج پر کمانڈر مقرر کیا ہوا تھا اور اسے حجاز و یمن پر جارحیت اور انسانیت سوز حملہ کرنے اور شب خون مارنے پر مامور کیا گیا تھا۔[۳]

معاویہ نے دہشت گردی اور جارحانہ حملوں کا جو سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ اسلامی آئین کے خلاف ہے جس کی اجازت انسانیت کے اصول و اخلاق بھی نہیں دیتے۔ خلیفہ مسلمین کیسے اس طرح کر سکتا ہے؟ اس پر تو فرض ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں پر چلے۔

معاویہ سے ایسی توقع رکھنا بالکل بے جا ہے کیونکہ معاویہ کے خاندانی و نفسیاتی پس منظر اور اس کے اہداف و مقاصد کے پیش نظر اسلام سے اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا مطالبہ حضرت عثمان کے خون کا انتقام لینے کا تھا تو کیا یہ

۱۔ طبری ج ۳ ص ۱۵۰، ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۰۔
۲۔ ایضاً ایضاً
۳۔ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۷۳، یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۷-۱۹۹۔ اس موضوع کا تذکرہ باب ششم میں تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

سب لوگ حضرت عثمان کے قاتل تھے اور انہیں اسی جرم میں شہید کیا گیا تھا ؟

بیت المال مسلمین سے لوگوں کے ضمیر خریدنا۔

معاویہ نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے بیت المال کا دروازہ ہر اس شخص کے لئے کھول رکھا تھا جو حکومت حضرت علی علیہ السلام کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہو یا وہ کسی کو آپؑ کی محبت سے جدا کرنے کا باعث بنا ہو تاکہ بنی امیہ کی حکومت کو تقویت حاصل ہو یا کم سے کم آئینی حکومت کی کمزوری کا باعث بنا ہو۔ اسی طرح اس نے ان افراد کو بیت المال کے عطیوں سے محروم کر دیا جو حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ تھے اور حق کی خاطر جنہوں نے حکومت حقہ کا دفاع کیا تھا۔ یعنی جنہوں نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں آپؑ کا ساتھ دیا تھا۔

مخالفین حضرت علی علیہ السلام کو فراخدلی سے بیت المال سے عطیات دینے اور شیعیان علی علیہ السلام کو ان سے محروم رکھنے کا معاملہ تاریخ کا ایک مستقل باب ہے۔ جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ نمونے کے طور پر چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے:

ایک لاکھ تیس ہزار کا عطیہ : زید بن منیہ بصرہ سے معاویہ کے پاس آیا اور قرضہ کی کچھ ادائیگی کے بارے میں شکایت کی۔ معاویہ نے کعب ذوالحبکہ النخعی اسے اسے تیس ہزار دینے کو کہا۔ جب وہ جانے لگا تو جنگ جمل کے صلے میں مزید تیس ہزار کا اس میں اضافہ کر دیا اور جب زید بن منیہ معاویہ کے حکم کے مطابق مصر میں عقبہ بن ابی سفیان کے پاس گیا تو اس نے ساٹھ ہزار اسے دے دیئے۔ یاد رہے "زید بن منیہ" "یعلی بن منیہ" کا بھائی تھا۔ جو جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے اونٹ کا ساربان اور اس

جنگ میں اخراجات کرنے والوں میں سے ایک تھا۔[1]

"یعلی بن منیہ حضرت عثمان کی جانب سے یمن کا گورنر تھا۔ وہاں سے اس نے کثیر مال حاصل کیا۔ مکہ میں حضرت عائشہ سے اس کی ملاقات ہوئی اور اسکے پاس موجود یہ تمام مال مسلمین جنگ جمل کے اخراجات میں کام آیا اس دولت میں چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم تھے"۔[2]

ایک مرتبہ اشراف عرب کا ایک وفد معاویہ کے پاس آیا۔ معاویہ نے اس وفد کے ہر ایک شخص کو ایک ایک لاکھ دیئے اور اس وفد کے جانے کے بعد اس نے کہا:

"انی اشتریت من القوم دینھم"[3]

"میں نے ان لوگوں سے ان کا دین خرید لیا ہے۔"

اگر معاویہ کسی شخص کے منہ سے اپنے لئے کوئی ناپسندیدہ بات سنتا تو اس کی زبان پیسے سے بند کر دیا کرتا اور کبھی اسے جنگ میں بھجوا دیا کرتا تھا۔ معاویہ کے اکثر اعمال مکروفریب پر مبنی ہوتے تھے۔[4]

وضع احادیث

معاویہ کی حکومت کے دوران خطرناک ترین اقدامات میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے

---

[1] العقد الفرید ج ۱ ص ۲۰۳
[2] ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۰۶، تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ تذکرۃ الخواص ص ۶۷۔
[3] الکامل ج ۳ ص ۱۸۵۔
[4] یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۸۔

اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر حدیث ساز فیکٹری قائم کر رکھی تھی جہاں اس کی خواہش کے مطابق احادیث گھڑی جاتی تھیں۔ چنانچہ متند تاریخی شواہد بتلاتے ہیں کہ ایک مستقل منصوبہ بندی کے مطابق حدیث سازی اور ان کے رواج و نشر کا عمل عہد معاویہ میں عروج پر تھا۔

حدیث سازی کا محرک سیاسی نوعیت کا تھا۔ اس کے علاوہ اس عمل میں نفسیاتی عقدہ اور خاندانی پس منظر کا بھی بڑا دخل تھا۔

جیسا کہ بنی امیہ زمانہ جاہلیت سے بنی ہاشم کے دشمن اور حریف چلے آ رہے تھے اور بنی ہاشم ہمیشہ ہر میدان میں آگے رہتے تھے۔ جبکہ ان کی رقابت کے شکار بنی امیہ ناکام رہتے تھے۔ ان کے دلوں میں پرانی دشمنی اس طرح جڑ پکڑ چکی تھی کہ اس کا علاج نہایت مشکل تھا۔ اپنی ناکامی کو مٹانے کے لئے یہ ہمیشہ موقع کی تاک میں رہتے تھے۔ مگر فتح مکہ نے نہ صرف ان سے تمام مواقع چھین لئے بلکہ ان کی پیشانی پر ایسا ذلت آمیز داغ لگا دیا کہ یہ پوری تاریخ میں "طلقاء"[1] کے نام سے مشہور ہو گئے۔

بنی امیہ کا خاندان انہی معافی یافتگاں میں سے تھا جو بظاہر تو مسلمانوں میں سے تھے لیکن درحقیقت وہ فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کی قوت و طاقت اور دبدبہ و شکوہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تھے ایسے افراد کی نفسیاتی کیفیت یقیناً شکست خوردہ

---

[1] "طلقاء" سے مراد وہ افراد و خاندان ہیں جو آخر وقت تک آنحضرت (ص) اور اسلامی دعوت کے مخالف رہے بلکہ اسے ختم کرنے کے لئے پوری کوشش کرتے رہے فتح مکہ کے بعد آنحضرت (ص) کو یہ حق حاصل تھا کہ آپ (ص) ان سب کو غلام بنالیں مگر آپ (ص) نے ان سب کو معافی دے کر آزاد کر دیا اور انہوں نے بظاہر اسلام قبول کرتے ہوئے اسلام کی قوت کے آگے سر تسلیم خم کر دیا تھا

فوج کی سی ہوتی ہے جو میدان جنگ میں شکست کھانے کے بعد آخری مرحلہ پر جان کی حفاظت کے لئے حملہ آور اور غالب فوج کے سامنے ہتھیار پھینک دیتی ہے یہ ذلت آمیز شکست بنی امیہ کے لئے اجتماعی، سیاسی اور روحانی وبال بن گئی تھی اور مسلمانوں کی نگاہ میں بنی امیہ بہت ذلیل وخوار ہو چکے تھے۔

اس کے علاوہ آنحضرت (ص) ہر مناسب موقع پر خاندانِ بنی امیہ کے ناپاک عزائم شیطانی اوصاف، اسلامی دشمنی، ابن الوقتی اور مفاد پرستی پر سے پردہ اٹھایا کرتے تھے۔ اوران کے آئندہ کے حالات سے مسلمانوں کو باخبر کرتے ہوئے ان کے خلاف قیام اور جنگ کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ نیز آپ (ص) اپنی زبان مبارک سے بھی فرداً فرداً ان پر لعنت فرماتے اور کبھی مجموعی طور پر خاندان پر لعنت فرماتے تھے۔

حضور اکرم (ص) کا ان کے بارے میں یہ مؤقف ان کے لئے بہت تکلیف دہ ہوتا تھا اور آپ (ص) کا یہ اقدام تیز شعلوں کی طرح ان کے تمام وجود کو جلاتا رہتا تھا۔ مگر شکست کے اصول کے مطابق ان کی زبانیں خاموش رہتی تھیں جس طرح راکھ کے نیچے آگ خاموشی سے سلگتی رہتی ہے۔

اس پس منظر میں معاویہ جب حاکم بنا تو اس کا ایسے اقدام کا حتمی فیصلہ کرنا یقینی امر ہے جس سے وہ اپنے بے وقعت و بے حیثیت خاندان اور خود اپنے آپ کو کوئی حیثیت ومقام دے سکے۔ نیز یہ اقدام صرف معاویہ سے مخصوص نہیں تھا بلکہ خاندانِ بنی امیہ کے دیگر افراد نے بھی اسی اقدام کو برقرار رکھا۔ اس طرح طلقاء اور اولاد طلقاء نے جب اسلام اور مسلمانوں پر اپنا قبضہ جما لیا تو انہوں نے حقیقی حامیانِ اسلام سے دو طریقوں سے انتقام لیا۔

۱۔ احادیث گھڑنے کی وساطت سے۔

۲۔ عملی طور پر ان کی تنقیص مقام کے لئے منبروں سے سب و شتم کا سلسلہ جاری کر کے۔

حدیث ساز فیکٹریوں نے معاویہ کے حکم کے مطابق ان موضوعات کے بارے میں احادیث وضع کیں:

۱۔ اہلِ بیتؑ کی مذمت خاص کر حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں جس میں کم سے کم ان کے فضائل کا ذکر کرنے سے منع کر دیا گیا۔

۲۔ معاویہ اور خاندان بنی امیہ کی مدح میں۔

۳۔ بنی امیہ کی مذمت میں وارشدہ احادیث رسول اللہ (ص) کے مقابلے میں۔

۴۔ خط اہلِ بیتؑ سے منحرف ہونے والوں کی شان میں۔

۵۔ حاکم کی اطاعت واجب ہونے کے بارے میں، خواہ وہ ظالم و جابر ہی کیوں نہ ہو۔

ان موضوعات پر مشتمل نمونہ کے طور پر کچھ من گھڑت احادیث کا ذکر کرنے سے قبل یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ یہ حدیث ساز فیکٹری کب وجود پذیر ہوئی اور یہ کن افراد پر مشتمل تھی۔

حدیث ساز فیکٹری

شرح ابن ابی الحدید کی جلد ۴ کے صفحہ ۶۳ پر ہے:

"معاویہ نے اصحاب و تابعین کا ایک گروہ (کمیٹی) تشکیل دیا تاکہ وہ علیؑ کی تنقیص میں ناشائستہ روایات وضع کرے اور اس کام کا ان کو معقول معاوضہ

دیا جاتا تھا۔ معاویہ کی منشار کے مطابق لاتعداد روایات گھڑی گئیں۔ یہ کمیٹی اصحاب میں سے ابوہریرہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور تابعین میں سے عروہ بن زبیر پر مشتمل تھی۔"

جب ان حضرات نے حکومتِ وقت کی منشار کے مطابق احادیث گھڑنا شروع کیں تو معاویہ کی طرف سے ان پر مال و دولت اور مناصب کی بارش ہونے لگی۔

چنانچہ ابوہریرہ نے یہ روایت گھڑی:

"اے اہل کوفہ! ہر نبی کا ایک حرم (مقدس مقام) ہوتا ہے اور میرا حرم مدینہ میں کوہ عیر سے کوہ ثور تک ہے جو اس حرم میں ناگوار حوادث (فساد) کا باعث بنے اس پر خدا، میری اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اور میں خدا کو حاضر ناظر جان کر یہ گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ نے اس سرزمین پر فتنہ و آشوب برپا کیا ہے"[ص۱]

اسی حدیث کے گھڑے جانے کی خبر معاویہ کو ملی تو اس نے اس کے صلے میں ابوہریرہ کو مدینہ کی گورنری پر فائز کر دیا۔[ص۲]

یہ حدیث گھڑتے وقت ابوہریرہ کے ذہن میں مدینہ کا نقشہ نہیں تھا۔ کیونکہ کوہ ثور مکہ میں ہے نہ کہ مدینہ میں۔

معاویہ نے سمرہ کو احادیث گھڑنے کے عوض ایک لاکھ درہم کی پیش کش کی مگر اس نے اسے مسترد کر دیا۔ پھر دو لاکھ کی پیش کش ہوئی مگر اسے بھی مسترد کر دیا آخر کار وہ چار لاکھ درہم پر راضی ہو گیا اور اس نے یہ روایت گھڑی:[ص۳]

ص۱ مسلم، باب فضل المدینہ حدیث ۷۶۷۔ ص۲ ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۶۷

ص۳ ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۷۳۔

آیۃ : ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا و یشہد اللہ علی ما فی قلبہ و ھو الد الخصام ۔۔۔[1]

علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اور یہ آیۃ : ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ واللہ رؤف بالعباد[2] ابن ملجم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔"

عمرو عاص نے یہ روایت گھڑی!

"فرمایا رسول اللہ (ص) نے، آل ابی طالب میرے دوستوں میں شمار نہیں ہوتے بلکہ میرے دوست صرف خدا اور صالح مومنین ہیں"[3]

عروہ نے حضرت عائشہ سے یہ جھوٹی روایت نقل کی :

"آنحضرت (ص) نے علیؑ و عباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عائشہ سے فرمایا :

اے عائشہ! یہ دونوں میرے دین و ملت پر نہیں مریں گے"[4]

احادیث کی دوسری قسم بنی امیہ کی شان میں نقل کی جاتی تھی خصوصاً یہ حضرت عثمان اور معاویہ کے حق میں وضع کی جاتی تھیں جب حضرت عثمان کے حق اور ان کی شان میں بہت سی جعلی احادیث وضع کر لی گئیں تو ایک شاہی فرمان کے ذریعے حضرت عثمان کی شان میں احادیث

---

[1] اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کی باتیں تمہیں دنیا کی زندگانی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور جو کچھ دل میں ہے اس پر خدا کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

[2] اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے خدا حاصل کرنے کیلئے اپنا نفس فروخت کر دیتا ہے اور اللہ سارے بندوں پر بہت مہربان ہے

[3] - صحیح بخاری - ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۶۴۔

[4] - ابن ابی الحدید جدید ج ۴ ص ۶۴۔۔

گھڑنے کا دروازہ بند کردیا گیا اور گزشتہ خلفاء و دیگر صحابہ کی رفعت شان میں احادیث گھڑنے کی کوشش کی جانے لگیں اس طرح اصحاب کے فضائل میں بے شمار جعلی احادیث گھڑی گئیں اور یہ روایات بتدریج قوم کی کتب میں آتی گئیں اور ایک مسلمہ حقیقت بن گئیں جیسا کہ ابن ابی الحدید کا کہنا ہے:

"فضائل اصحاب میں اکثر روایات بنی امیہ کے دور میں وضع کی گئیں تاکہ بنی ہاشم کو ناراض کرکے بنی امیہ کا قرب حاصل کیا جا سکے۔" [۱]

جناب محمود ابوریہ اپنی کتاب "ابوہریرہ" کے صفحہ ۲۰۱ پر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"محققین کا اس امر پر اجماع ہے کہ روایات وضع کرنے اور انہیں آنحضرت (ص) سے غلط منسوب کرنے کا کام، عثمان کی زندگی کے آخر میں شروع ہوا۔"

ایک اور مقام پر ابن ابی الحدید کا کہنا ہے:

"معاویہ نے تمام شہروں کے گورنروں کو یہ حکم نامہ روانہ کیا: جو افراد حضرت عثمان کے پیرو اور محب ہوں اور ان کے فضائل کے قائل ہوں ان کو اپنے پاس رکھا کرو اور ان کے احترام و اکرام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔ ان کے اور ان کے والدین کے نام مجھے لکھ بھیجو۔ عمال کی جانب سے اس کی تعمیل کی گئی حضرت عثمان کے فضائل میں بے شمار روایات بیان کی گئیں اور ان کو معقول معاوضہ دینے کا سلسلہ بھی زور و شور سے جاری رہا۔ لوگ مادی مال و دولت کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لینے لگے۔ آخر نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ اگر کوئی

---

[۱] ابن ابی الحدید جدید ج ۱۱ ص ۴٦، النصائح الکافیہ ص ۷۴۔

مردود و معتوب شخص کسی گورنر کے پاس جاکر حضرت عثمان کی فضیلت نقل کرتا تو اس کا نام سرکار کے پاس ثبت ہو جاتا اور وہ حکومت کا مقرب بن جاتا۔ ایک دوسرے فرمان کے ذریعے یہ حکم جاری کیا گیا: عثمان کی فضیلت کافی نشر ہو چکی ہے۔ اب باقی صحابہ کی شان و فضیلت بیان کی جائے اور علیؑ کی ہر فضیلت کے مقابلے میں اصحاب کے فضائل بیان کئے جائیں۔" ح۱

معاویہ کے بارے میں ابوہریرہ کی وضع کردہ روایات میں سے ایک روایت یہ ہے۔

"رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کا تین افراد کو امین بنایا ہے۔

(i) مجھے (رسول اللہ) (ii) جبرئیل (iii) معاویہ ح۲"

خط اہل بیت کے مخالف خط پر چلنے والوں کی شان، منزلت اور فضیلت میں وضع کی جانے والی احادیث کی کوئی حد نہیں ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ان میں سے ایک سو سے زیادہ من گھڑت احادیث کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ کی قسم یہ سب جھوٹ ہے"۔ ح۳

عجیب تفسیر

بنی امیہ علیؑ و آل علیؑ کی تنقیص اور ان کے مخالفین اور اپنی شان و فضیلت میں بہت سی روایات گھڑنے میں کافی حد تک کامیاب تو ہو گیا اور روحانی انتقام لے کر یقیناً تسکین

ح۱ ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۴۴-۴۵، سلیم بن قیس ۲۰۴-۲۵۶۔

ح۲ البدایہ ج ۸ ص ۱۲۰۔

ح۳ سلیم بن قیس ص ۱۱۱، حیاۃ الامام الحسنؑ ج ۲ ص ۱۶۲ از ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۵۔

قلب بھی حاصل کر لی لیکن ان کے بارے میں ایسی چیز نہایت واضح تھی جسے چھپانا ان کے لئے ناممکن تھا اور مذکورہ جھوٹی روایات بھی اس پر پردہ نہ ڈال سکیں یہ چیز رسول اکرم (ص) کی بیان کردہ وہ مشہور روایات تھیں جن میں آپ (ص) نے متعدد مقامات پر بنی امیہ کے خاندان اور کبھی اس خاندان کے افراد پر فرداً فرداً لعنت اور مذمت کی ہے جس کی ایک مثال گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔

اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بھی انہیں حدیث ساز فیکٹری ہی کی خدمات کا سہارا لینا پڑا اور لب ولہجے میں تبدیلی کے ساتھ ایسی روایات وضع کی گئیں کہ جن سے رسول اکرم (ص) نے جو لعن طعن اور مذمت کی تھی وہ بعد میں رحمتِ خدا میں تبدیل ہو گئی اور متعلقہ فرد مطعون وملعون نہ رہا جیسا کہ ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

"اللھم انما محمد لبشر یغضب کما یغضب البشر و انی قد اتخذت عہداً لم تخلفہ، فایما مؤمن اذیتہ او سبتہ او لعنتہ او جلدتہ فاجعلھا لہ کفارۃ وقربۃ تقربہ بھا الیک" [۱]

"پروردگارا! محمدؐ تو ایک بشر ہے، جس طرح کسی بشر کو غصہ آتا ہے مجھے بھی آتا ہے۔ میں نے تجھ سے ایسا عہد وپیمان لیا ہے جس کے خلاف تو ہرگز نہیں کرتا اگر کوئی مومن میری جانب سے اذیت، سب ولعن اور تازیانے کا نشانہ بنا ہو تو یہ اس کے لئے کفارہ (گناہ کا) قرار دے اور اسے اس کے لئے قرب ومنزلت

---

[۱] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ ج ۲ ص ۳۹۱۔ الغدیر ج ۸ ص ۲۵۲۔ صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۴ ص ۷۱۔

کے حصول کا ذریعہ قرار دے۔"

اس روایت کی روشنی میں ابوسفیان، معاویہ، عمرو بن عاص اور بنی امیہ کے پورے خاندان کو نہ صرف تنقید و مذمت سے محفوظ کیا گیا بلکہ ان کے گناہوں کی مغفرت کی ضمانت بھی دی گئی ہے اور ان کو اللہ کے مقرب بندے بنا دیا گیا ہے کیونکہ رسول اکرم (ص) سے روایت وارد ہوئی ہے، ابن عباس کا قول ہے،

"کنا مع الرسول اللہ (ص) فی سفر فسمع رجلین یتغنیان واحدھما یجیب الاخر" لا یزال حواری تلوح عظامہ — زوی الحرب عنہ ان یجن فیقبرا۔

فقال النبی (ص)، انظروا من ھما. قال فقالوا معاویہ وعمرو بن العاص. فرفع رسول اللہ (ص) یدیہ فقال: اللھم ارکسھما رکسا و دعھما الی النار دعا" وفی لفظ ابن عباس: اللھم ارکسھما فی الفتنۃ رکسا [1]

"ہم حضور اکرم (ص) کے ہمراہ سفر میں تھے کہ دو آدمیوں کو گاتا گاتے سنا۔ دونوں شعر پڑھ رہے تھے۔

رسول اکرم (ص) نے پوچھا: دیکھو! کون ہیں؟ کہا گیا: وہ معاویہ اور عمرو بن عاص ہیں۔ رسول اللہ (ص) نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا: پروردگار! ان دونوں کو (باطل کی طرف) پلٹا دے اور جہنم کی آگ میں دھکیل دے۔"

بنی امیہ کے دوستوں اور معاویہ کے پیروؤں پر حتماً یہ حقیقت گراں گزری ہوگی۔ لہذا

---

[1] الغدیر ج ۱۰ ص ۱۴۰ نقل از مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۱۔

معاویہ اور عمرو بن عاص کے مقدس مقام کا دفاع کرنے کی کوشش کی گئی ۔

۱۔ روایت میں سے معاویہ اور عمرو بن عاص کے نام حذف کر کے "فلاں فلاں" کا اضافہ کیا گیا تاکہ پتہ ہی نہ چلے کہ وہ ملاعین کون تھے ۔

۲۔ معاویہ کی جگہ معاویہ بن رافع اور عمرو بن عاص کی جگہ عمرو بن رفاعۃ بن تابوت کا نام شامل کر دیا گیا [۱]

۶۔ سب و شتم

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اما انه سیظهر علیکم بعدی رجل رحب البلعوم مندحق البطن یاکل ما یجد و یطلب ما لا یجد فاقتلوه ولن تقتلوه الا وانه سیامرکم بسبی والبرآءة منی [۲]

"میرے بعد جلد ہی تم پر ایک ایسا شخص مسلط ہوگا جو پائے گا، نگل جائے گا اور جو نہ پائے گا اس کی اسے ڈھونڈ لگی رہے گی (بہتر تو یہ ہے کہ) تم اسے قتل کر ڈالنا لیکن یہ معلوم ہے کہ تم اسے ہرگز قتل نہ کرو گے وہ تمہیں حکم دے گا کہ مجھے برا کہو اور مجھ سے بیزاری کا اظہار کرو۔"

کسی صحابی پر علانیہ سب و شتم کرنے کی بدعت معاویہ سے شروع ہوئی اور وہ خود نماز کے قنوت (دعا) میں حضرت علی علیہ السلام، حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام

---

[۱] الغدیر ج ۱۰ ص ۱۴۰۔

[۲] نہج البلاغۃ مترجم مفتی جعفر حسین قدس سرہ، طبع امامیہ مشن لاہور ص ۱۸۲ تا ۱۸۳

ابن عباسؓ اور مالک اشترؓ پر سب و شتم کیا کرتا تھا۔[1]

حافظ نے اپنی کتاب "الرد علی الامامیہ" میں لکھا ہے:

"معاویہ خطبہ کے اختتام پر یہ کہا کرتا تھا: خداوندا! ابوتراب نے تیرے دین میں الحاد پیدا کیا اور لوگوں کو تیرے راستے سے روکا ہے۔ اس پر بدترین لعنت اور سخت ترین عذاب کر۔ اس پر عمل کرنے کے احکامات تمام بلاد اسلامیہ میں جاری کر دیئے گئے اور منبروں پر پابندی سے اس حکم پر عمل کیا جاتا تھا اور بنی امیہ کے دور میں یہ عمل عمر بن عبدالعزیز کے عہد تک سنت بن گیا تھا۔[2]

چنانچہ اس بدعت کا آغاز اس وقت ہوا جب معاویہ نے عام الجماعتہ کے بعد یہ شاہی فرمان جاری کیا:

"جو ابوتراب اور اہل بیتؑ کی شان وفضیلت میں کوئی روایت بیان کرے اس کا خون مباح ہے۔"[3]

اس فرمان کے بعد اسلامی ممالک میں سرکاری خطباء اور مقررین نے علانیہ حضرت علی علیہ السلام پر لعن طعن اور سب و شتم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور وہ آپؑ سے بیزاری کا اعلان کیا کرتے تھے۔[4]

معاویہ نے مغیرہ ابن شعبہ کو کوفے کی گورنری پر منصوب کرتے وقت حضرت علی علیہ السلام کی مذمت اور آپؑ کے مخالفین کی مدح و ستائش کرنے کی اس سے

---

[1] النصائح الکافیہ ص ۱۹-۲۰۔

[2] ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۵۶، النصائح الکافیہ ص ۱۹-۲۰۔

[3] ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۴۴۔

[4] ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۲۲ اور ج ۵ ص ۱۳۱، العقد الفرید ج ۴ ص ۱۵۹۔

سفارش کی تھی ؎۱

مغیرہ نے حضرت علی علیہ السلام کو ان گنت گالیاں دیں اور انتہائی بداخلاقی کا مظاہرہ کیا ؎۲

سفاک ترین جرنیلوں میں سے ایک جرنل "بسر بن ابی ارطاۃ" کو بصرہ کا والی بنایا گیا جو کہ منبر پر حضرت علی علیہ السلام پر لعن طعن اور سب وشتم کیا کرتا تھا اور اس پر اعتراض کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ ایک بار کسی نے اس پر اعتراض کیا تو اس کا گلا گھونٹ دیا گیا ؎۳

مروان بن حکم معاویہ کی طرف سے مدینہ طیبہ پر حاکم تھا اور وہ ہر جمعہ کے خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام پر لعن اور سب وشتم کیا کرتا تھا ؎۴

مولانا مودودی لکھتے ہیں :

"ایک اور بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علیؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول (ص) پر، عین روضۂ رسول کے سامنے، حضور (ص) کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں،، ؎۵

مروان سے جب اس شنیع فعل کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے جواب دیا :

"اس کے بغیر ہمارا اقتدار قائم نہیں رہ سکتا" ؎۶

؎۱ ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۸۷ - طبری ج ۶ ص ۱۴۱ نقل از حیاۃ الحسینؑ ج ۲ ص ۱۶۱ -

؎۲ ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۶۹-۷۱ ، الغدیر ج ۱۰ ص ۲۶۳ -

؎۳ طبری ج ۴ ص ۱۷۰ - ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۰۵ -

؎۴ النصائح الکافیہ ص ۷۳ -

؎۵ خلافت و ملوکیت ص ۱۷۴ -

؎۶ صلح امام حسنؑ ص ۳۱۳ ، الغدیر ج ۱۰ ص ۲۶۴ -

عبداللہ ابن زیاد نے بصرہ میں علی علیہ السلام کی دشمنی اور آپؑ پر لعن کرنے کے لئے چار مساجد تعمیر کروائیں۔[۱]

معاویہ کے عہد میں عمرو بن ثابت، جو عثمانی العقیدہ تھا، شام کے قریہ قریہ جا کر علیؑ کو برا کہتا اور لوگوں کو آپؑ پر لعن کرنے کے لئے آمادہ کرتا اور لوگ آپؑ پر لعن کرتے تھے۔[۲]

بنی امیہ کے دور میں ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) سے زیادہ منبروں پر سے حضرت علی علیہ السلام پر لعن کی جاتی تھی۔[۳]

عہدِ "معاویہ" سے عہدِ "عمرو بن عبدالعزیز" تک نفسِ رسول (ص) پر لعن و شتم کرنا جزدِ دین قرار دے دیا گیا تھا اور اسے لازم لا جزء سنت کا درجہ دیا گیا تھا۔ اگر نماز کے خطبہ میں اس سنتِ (معاویہ) پر عمل نہ کیا جاتا تو ہر جگہ سے لوگوں کی چیخ و پکار بلند ہو جاتی کہ سنت پر عمل نہیں ہو رہا۔[۴]

بنی امیہ کے کچھ لوگوں نے معاویہ سے اس بدعت کو ختم کرنے کے لئے کہا تو اس نے جواب دیا:

"نہیں! خدا کی قسم یہ سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں کروں گا جب تک اسے سنتے سنتے بچے بوڑھے نہ ہو جائیں اور بوڑھے مر نہ جائیں۔[۵] اور دنیا میں ایک شخص بھی ایسا

---

[۱] ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۹۴-۹۵۔

[۲] ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۱۰۳۔

[۳] الغدیر ج ۲ ص ۱۰۲۔

[۴] الاسلام بین السنۃ والشیعۃ ص ۲۵۔

[۵] مروج الذھب ج ۳ ص ۷۱۔

باقی نہ رہے جو حضرت علیؑ کی فضیلت کا ایک لفظ بھی جانتا ہو یا فضیلت میں کچھ بیان کر سکے۔[1]

۷۔ احکام اسلامی میں کھلم کھلا تبدیلی

عہد معاویہ میں جاہلیت و بدعت کے مظاہر میں سے ایک یہ تھا کہ احکام اور دستور اسلامی میں علی الاعلان تبدیلی کی گئی اور حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا معیار، منشار خداوندی نہ رہا بلکہ معاویہ کی منشار کے مطابق حلال کو حرام اور حرام کو حلال میں بدل دیا جاتا تھا۔ اس کے چند نمونے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

ا۔ نماز جمعہ

معاویہ نے صفین جاتے وقت نماز جمعہ، بدھ کو پڑھا دی[2]۔ اسی طرح ایک مرتبہ اس نے نماز جمعہ زوال شمس سے قبل پڑھا دی تھی۔[3]

ب۔ شراب نوشی

امام احمد بن حنبل عبداللہ بن بریدہ سے روایت کرتے ہیں:

"میں اور میرے والد ایک دن معاویہ کے پاس گئے۔ معاویہ نے کھانا منگوایا اور ہم نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد شراب لائی گئی اور معاویہ نے اسے نوش کیا۔"[4]

عبدالرحمٰن بن سہل انصاری عہد عثمان میں جہاد کے سلسلے میں شام گئے تو انہوں

---

[1] ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۵۷۔

[2] مروج الذہب ج ۳ ص ۴۱۔

[3] الغدیر ج ۱۰ ص ۱۹۷۔

[4] مسند احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۳۴۷۔ الغدیر ج ۱۰ ص ۱۹۷۔

نے دیکھا کہ شراب کی بھری ہوئی مشکیں اونٹوں پر لاد کر معاویہ کے لئے لے جائی جا رہی ہیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اپنے نیزے سے ان مشکوں کو پھاڑ دیا۔ غلاموں نے مزاحمت کی اور جب یہ خبر معاویہ کو پہنچائی گئی تو اس نے کہا: چھوڑو اس بڈھے کو، اس کی عقل جاتی رہی ہے۔ عبدالرحمن نے کہا: میری عقل نہیں گئی بلکہ رسول اللہ (ص) نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ شراب ہمارے شکموں اور ظروف میں داخل نہ ہو۔ خدا کی قسم اگر میں یہاں رہا تو معاویہ کے بارے میں اس چیز کا مشاہدہ کروں گا۔ جس کی خبر میں نے رسول اللہ (ص) سے سنی تھی کہ یا میں اس کا شکم چاک کروں گا۔ یا اس مقصد کی راہ میں مارا جاؤں گا۔[1]

معاویہ شراب کا اتنا دلدادہ اور شوقین تھا کہ وہ اپنی آخری عمر میں صرف اور صرف شراب کی آرزو کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک روز معاویہ "عمرو بن عاص" اور اس کا غلام "وردان" ایک جگہ جمع تھے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی آرزو کا تذکرہ کیا۔ معاویہ نے کہا:

"فما من شئ الذ عندی من شراب بارد فی یوم صائف"[2]

"سخت گرمی میں ٹھنڈی شراب پینے سے زیادہ مزہ کسی چیز میں نہیں ہے۔"

ج۔ سودی معاملہ

معاویہ نے پانی پینے والے سونے کے پیالے زیادہ وزن پر فروخت کئے تو ابودرداء نے منع کرتے ہوئے کہا: ہم نے رسول خدا (ص) سے سنا ہے کہ (سونا، اس کے وزن سے زیادہ پر خریدنا منع ہے۔ معاویہ نے کہا: میرے نزدیک تو اس میں کوئی حرج نہیں

---

[1] الغدیر ج ۱۰ ص ۱۸۱۔

[2] مروج الذھب ج ۳ ص ۳۱۔

ہے۔ ابو درداء نے کہا ۔۔ کیا خوب! میں رسول خدا (ص) کا حکم بیان کر رہا ہوں اور تم (اس کے مقابلے میں) اپنے رائے بیان کر رہے ہو۔ میں ایسی جگہ پر، جہاں تم رہو، نہیں رہوں گا۔[1]

د۔ حرام ملبوسات کا استعمال

" مقدام بن معدی کرب " ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے معاویہ کے پاس آیا اور معاویہ کے ساتھ گفتگو میں اس نے کہا:

"خدا کی قسم! بتاؤ! کیا رسول اکرم (ص) نے نہیں فرمایا کہ ریشم پہننا حرام ہے"۔

معاویہ نے جواب دیا:

"بالکل صحیح ہے"۔

مقدام نے کہا:

"کیا رسول اکرم (ص) نے نہیں فرمایا کہ سونا پہننا بھی حرام ہے؟"

معاویہ نے کہا:

"صحیح ہے"۔

پھر مقدم نے کہا:

"کیا آنحضرت (ص) نے درندہ جانوروں کی کھالوں پر بیٹھنا اور انہیں پہننا ممنوع قرار نہیں دیا؟"

معاویہ نے کہا:

"ہاں یہ بھی صحیح ہے"۔

---

[1] ابن ابی الحدید ج ۵ ص ۱۳۰ - الغدیر ج ۱۰ ص ۱۸۴ -

مقدام نے کہا :

"خدا کی قسم ! یہ تمام چیزیں تمہارے گھر میں دکھائی دے رہی ہیں ۔

معاویہ نے جواب دیا :

اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ مجھے تم سے نجات نہیں ہے [۱]"

ابن ابی الحدید لکھتا ہے :

معاویہ ریشم و دیباج کا لباس پہنتا تھا اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا اور اس کی سواری کی زین کو سونے چاندی اور دیباج سے سجایا جاتا تھا [۲]

ھ ۔ زیاد کا استلحاق

عہد معاویہ میں اسلامی اصول و ضوابط کی اعلانیہ خلاف ورزیوں میں سے ایک زیاد بن سمیہ کو ابو سفیان کا بیٹا قرار دینا ہے ۔

معاویہ نے سیاسی مفاد کی خاطر، جاہلیت کی رسم کو زندہ کرتے ہوئے جھوٹی شہادتیں اکٹھی کیں کہ "زیاد" "ابو سفیان" کا بیٹا ہے ۔ کیونکہ ابو سفیان نے زمانہ جاہلیت میں زیاد کی ماں "سمیہ" سے زنا کیا تھا جس کے نطفے سے وہ پیدا ہوا تھا ۔ زیاد بن سمیہ سیاسی بنیاد پر بنی امیہ کے خاندان کا فرد بنا تھا ۔ یہ معاویہ کا سیاسی بھائی تھا ۔ معاویہ کے اس اقدام سے مسلمانوں بالخصوص صحابہ کے طبقہ میں نہایت بے چینی پیدا ہوئی کیونکہ ہر مسلمان کے ذہن میں یہ حدیث گونج رہی تھی :

"الولد للفراش وللعاهر الحجر"

---

[۱] سنن ابی داود ج ۲ ص ۱۸۶ ۔ الغدیر ج ۱۰ ص ۲۱۵

[۲] الغدیر ج ۱۰ ص ۲۱۶ ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں شرح ابن ابی الحدید ج ۱۶ ص ۱۶۱ ۔

"بچہ حقیقی شوہر کا ہوگا اور زانی کے لئے صرف پتھر ہیں"۔

یعنی زنا کا جرم ثابت ہونے پر زانی کو سنگسار کیا جائے گا۔ معاویہ کی بہن اور زوجۂ رسول (ص) ام حبیبہ نے اسی بنا پر زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا چنانچہ جب زیاد ان سے ملنے گیا تو انہوں نے زیاد سے پردہ کیا۔[1]

معاویہ کی ان بدعتوں کے بارے میں حضور اکرم (ص) نے اس سے فرمایا تھا:

"معاویہ! تم بدعت کو سنت اور قبیح کو حسن بنا دو گے۔ کثیر مقدار میں کھانا کھاؤ گے اور بڑے بڑے ظلم کرو گے"۔[2]

۸۔ یزید کی ولیعہدی

معاویہ نے یزید کی ولیعہدی کے لئے تمام لوازمات فراہم کئے اور مسلمانوں سے اس کی جبراً بیعت بھی لے لی۔ لیکن یہ جرم اور بدعت اتنی سنگین تھی کہ خود معاویہ بھی اس کی سنگینی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا۔ معاویہ میں گو انسانی اخلاق، ضمیر اور نظریاتی اوصاف نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی لیکن اس اقدام کے نامطلوب نتائج یزید کا ہر مثبت پہلو اور حاکم کے اوصاف سے عاری ہونا اور اپنی حکومت کو موروثی قرار دینے کی خاطر ہزاروں بے گناہوں کو تہہ تیغ کر دینا، ایسے واقعات و حقائق ہیں جن کے ارتکاب نے معاویہ کو جسمانی قید و بند سے پہلے روحانی و نفسیاتی تکالیف اور اذیتوں نے آگھیرا تھا۔ جیسا کہ اس حقیقت کا معاویہ نے خود اعتراف کیا ہے:

۱۔ ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۲۰۔ الغدیر ج ۱۰ ص ۲۱۶۔۲۲۷

۲۔ ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۷۹۔

"ما القی اللہ بشئ اعظم فی نفسی من استخلا فی ایاک "۔[1]

"میرے نفس میں تیری خلافت سے سنگین تر کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کے ہمراہ میں اللہ سے ملاقات کروں گا۔"

مغیرہ ابن شعبہ جس نے سیاسی اغراض کے تحت بظاہر یزید کو ولیعہد بنا دینے کی ترغیب دی تھی، کا کہنا ہے:

"لقد وضعت رجل معاویہ فی غرز بعید الغایہ علی امۃ محمد وفتقت علیہم فتقاً لا یرتق ابداً"۔[2]

"میں نے معاویہ کے پاؤں ایک ایسی گہری دلدل میں پھنسا دیئے ہیں کہ جس سے امت محمدیہ پر دوررس نامطلوب نتائج مرتب ہو سکتے ہیں اور اس امت میں ایک ایسا شگاف ڈال دیا ہے کہ جسے بھرنا ناممکن ہے۔"

یزید کو ولیعہد بنانے کا اقدام، معاویہ کے باقی اسلام دشمنی پر مبنی اقدامات کے مساوی تھا بلکہ یہ پوری ملت اسلامیہ کے انحراف کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب تھا اور اس اقدام نے خود معاویہ کی ہلاکت کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کو اسلام کے نظام عدل و انصاف کے فیض سے بھی محروم کر دیا۔ لہٰذا دنیائے اسلام کے علماء، صلحاء اور اسلام کے ہر خیرخواہ نے اس جاہلانہ اقدام کی مخالفت کی۔ چنانچہ مشہور زاہد حسن بصری کا خیال ہے:

معاویہ نے چار ایسے اقدامات کئے جن میں سے ایک بھی ہوتا تو اس کی ہلاکت کے لئے کافی تھا:

---

[1] حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۲ ص ۱۹۰

[2] ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۹۸۔

(i) جاہلوں کی مدد سے امت کے مشورے کے بغیر اس نے خلافت پر قبضہ کر لیا۔
حالانکہ اس وقت اصحاب رسول (ص) اور صاحبان فضیلت بھی موجود تھے۔
(ii) اپنے بیٹے کو، جو شرابی، ریشمی لباس پہننے اور طنبورہ بجانے والا تھا اپنا جانشین بنایا۔
(iii) ۔زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا حالانکہ رسول اللہ (ص) نے فرمایا ہے: "بچہ اس کا
ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لئے بس پتھر ہیں۔"
(iv) حجر اور اصحاب حجر کو قتل کیا"[1]

حکومت بنی امیہ کے برے نتائج

بنی امیہ کی قیادت میں قائم شدہ، جاہلیت اور اسلام دشمنی کے نظریات پر مبنی نظام حکومت کے درج ذیل نتائج برآمد ہوئے جو کہ آج تک باقی ہیں۔

۱۔ اسلامی نظام کا خاتمہ: مسلمانوں نے اسلام کو ہر شعبۂ حیات پر عملاً حاکم ہوتے نہیں دیکھا
گزشتہ پیش کردہ تاریخی شواہد سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بنی امیہ کا اصل مقصد بھی یہی تھا۔

۲۔ جاہلیت کی فرمانروائی: اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔

۳۔ امت میں افتراق: امت اسلامیہ گروہ، مذاہب اور فرقوں میں تقسیم ہو کر عملاً افتراق کا شکار ہو گئی اور آئندہ مسلمانوں میں پیدا ہونے والے تمام مذاہب کا آغاز یہیں سے ہوا۔ اختلاف تو یوم السقیفہ کو ہی پیدا ہو گیا تھا۔ مگر یہ اختلاف الگ الگ فرقوں میں تبدیل نہیں ہوا تھا بلکہ ملت اسلامیہ اندرونی نظریاتی اختلاف کے باوجود بحیثیت مجموعی صرف اور صرف مسلمان تھی۔

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۴۵۷ - طبری ج ۳ ص

۴۔ تقسیمِ قیادت : اسلام ایک مکمل نظامِ حیات، ضابطہ اخلاق، افکار اور اصولِ حکمرانی غرض ہر وہ چیز لے کر آیا تھا جس کا واسطہ انسانوں کے انفرادی، سماجی، اخلاقی، فکری اور روحانی پہلوؤں سے پڑتا تھا۔ نظامِ جاہلیت نے اسلام کے ایک اہم پہلو کو عملاً منسوخ کر دیا اور یہ سیاسی اور اجتماعی پہلو تھا۔

اسلام کا انفرادی پہلو چونکہ حکمرانوں کے لئے خطرہ کا باعث نہیں بنتا تھا۔ اس لئے دیانتدار افراد، علماء، صلحاء اور مفکرین کو اس میدان میں حسبِ توفیق کافی اور شایانِ شان خدمات انجام دینے کا موقع ملا اور ہر مذہب کے علماء اپنے اپنے مذہبی نقطہ نگاہ کے مطابق اسلام کے قوانین و سرامین اور نظریات کتب و مباحث کی صورت میں ہم تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ سیاسی اور اجتماعی قیادت صرف حکام کے ہاتھ میں رہی اور اب بھی ہے اس بات کا چرچا عام کیا جاتا ہے کہ دین سیاست سے جدا ہے۔

اس طرح دینی اور مذہبی قیادت علماء کے ہاتھ میں آگئی اور سیاسی و اجتماعی قیادت حکمرانوں کے قبضے میں چلی گئی۔ اس تقسیم کے نتیجے میں دین صرف نماز روزہ، مسجد اور نماز عیدین و جمعہ اور اس قسم کے فرائض تک محدود ہو کر رہ گیا۔ لہٰذا اس قیادت کے حدود و اختیارات بھی یہیں تک رہ گئے۔

عجیب بات ہے کہ اس تقسیم کے بعد اگر کوئی عالمِ دین مملکت کے سیاسی مسائل کے بارے میں بات کرے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ان کا میدان نہیں ہے جبکہ وہ خود دین اور علماء کے میدان میں کود پڑتے ہیں۔

بہرحال معاویہ کے اعمال اور سیاسی اغراض و مقاصد پر اس وقت کے علماء و صلحاء کا ردِعمل شدید ہوتا تھا اور وہ اس کا اظہار نہایت سخت لب و لہجے میں کرتے تھے۔ کوئی

بھی فرض شناس شخص معاویہ کے ساتھ نہ صرف اتفاق نہیں کرتا تھا بلکہ وہ کھلم کھلا اس کی مخالفت کرتا تھا اور اگر اسمیں عملاً مخالفت کرنے کی طاقت نہ ہوتی تو کم سے کم وہ زبانی مخالفت اور اس کے جرائم کو بے نقاب ضرور کرتا تھا۔ اس راہ میں فرض شناس مجاہد مسلمانوں نے جانی قربانیاں پیش کیں۔

ہم اس بحث کو ابن عباس حبرالامۃ کے ایک قول پر ختم کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ معاویہ نے کیا کچھ کیا تھا اور اسلام کے اصول و ضوابط کے تحت اس کی حیثیت کیا تھی۔

ابن عباس نے نہایت سخت لب ولہجے میں ایک طویل مراسلہ یزید کو ارسال کیا۔ جس میں وہ معاویہ و یزید کے جرائم کی چند مثالوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"وقد امات ابوک السنة جهلا واحيا البدع والاحداث المضلة عمداً"۔ [۱]

یقیناً تیرے باپ نے جہالت و نادانی سے سنتِ اسلام کو مٹا دیا اور جان بوجھ کر بدعتیں زندہ کیں اور ان واقعات کو جنم دیا جو گمراہ کن تھے۔

نظامِ جاہلیت کے بارے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا موقف

معاویہ کی مطلق العنان حکومت، اسلام دشمن پالیسی و دہشت گردی پر مبنی سیاست اور اس کی ہر چھوٹی بڑی کرتوت سے حضرت امام حسین علیہ السلام واقف تھے۔ آپ بغور مشاہدہ کر رہے تھے کہ جاہلیت کے اسلام پر اثر انداز ہونے والے اس دور میں اسلام کی نجات کے لئے کونسا اقدام کرنا مناسب ہوگا۔ اس کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ السلام معاویہ کے

---

[۱] یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۸۔

دور میں اس کے سب سے بڑے مخالف تھے جس سے معاویہ بذات خود بھی آگاہ تھا۔ یہاں تک کہ معاویہ کو یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اس کے خلاف انقلاب واقدام کرنے والے ہیں جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کی طرح معاویہ کے عہد میں انقلاب نہ کرنے کا ارادہ کر چکے تھے۔[۱]

معاویہ کے اسلام دشمنی کے عزائم، جاہلیت اور مادی مفادات پر مبنی اس کے اقدامات اور جرائم و مظالم کا تذکرہ آپ ہر مناسب وقت پر کرتے رہتے تھے تاکہ امت اسلامیہ یہ جان لے کہ معاویہ کی حیثیت ایک ظالم حاکم سے مختلف نہیں ہے اور اس کے اغراض بد اہداف، جاہلیت کے تہذیب و تمدن کو اسلام کے نام پر دوبارہ مسلمانوں پر نافذ کرنے میں منحصر ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اس پر سے نقاب ہٹا کر یہ بتانا چاہتے تھے کہ ہر مسلمان، خاص کر نفس شناس مسلمانوں پر اصولی اور شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی بحالی اور جاہلیت کی پسپائی کیلئے اسلام کو جاہلی نظام کے شکنجے سے آزاد کرا کر اس کے اصلی خد و خال کے ہمراہ اسے دوبارہ نافذ کرنے کے اسباب اور ماحول فراہم کریں۔ اسلام کی عظمت رفتہ دوبارہ حاصل کریں اور مسلمانوں کو جاہلیت کے نظام اور اس کے حامیوں کی غلامی سے نجات دلا کر صرف اور صرف خالق عالم کی غلامی و بندگی کا دوبارہ شرف بخشیں۔

اگر آپ نے عہد معاویہ میں انقلاب برپا نہیں کیا اور اس کے نظام و جرائم پر سے پردہ اٹھانے اور اس پر تنقید کرنے کے علاوہ اس کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کیا تو اس کا راز، اس عہد کے سماجی، نفسیاتی اور سیاسی حالات کا بغور مطالعہ کرنے سے کھل جاتا ہے اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ معاویہ سے جہاد کرنا شرعاً جائز نہ تھا یا اس میں عدم جواز کا شبہ تھا جیسا کہ

---

[۱] اس کے اسباب کا تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایک مراسلے میں اس سے جہاد نہ کرنے کو اصولی طور پر استغفار کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اگر حالات سازگار ہوتے تو اس کے خلاف جہاد کرنا واجب تھا۔ چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام، معاویہ کے ایک مراسلے کے جواب میں فرماتے ہیں:

تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ تم نے میرے متعلق اپنی مخالفت کے بارے میں کچھ خبریں سنی ہیں، جس کی تم کو امید نہیں تھی اور وہ میرے لئے سزاوار بھی نہیں تھی تم کو جو خبریں پہنچی ہیں وہ تمہارے خوشامدی، چغلخور اور تفرقہ پردازوں کی پہنچائی ہوئی ہیں اور گمراہ تو ہمیشہ جھوٹے ہی ہوتے ہیں میں اس وقت تم سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور خاموش ہوں (مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں اس خاموشی سے خوش نہیں ہوں) اور مجھے اس ترکِ جہاد سے اندیشہ ہے کہ کہیں خدا اس کی وجہ سے مجھ سے ناراض نہ ہو۔ معاویہ! کیا وہ شخص تم ہی نہیں ہو جس نے "حجر بن عدی کندی" کو قتل کیا؟ کیا تم ہی نے ایسے نمازی اور پرہیزگاروں کو قتل نہیں کیا جو ظلم و بدعت کو پسند نہیں کرتے تھے اور دین کے معاملے میں کسی کی ملامت و سرزنش کی پرواہ نہیں کرتے تھے تم نے ان کو ظلم و ستم سے قتل کیا۔ حالانکہ تم بڑی قسمیں کھا کر ان کے ساتھ پختہ وعدہ کر چکے تھے۔ انہوں نے ملک میں نہ کوئی فتنہ پیدا کیا اور نہ تمہاری مخالفت کی تھی مگر (پھر بھی) تم نے ان کو قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ کیا تم ہی وہ شخص نہیں ہو جس نے صحابی رسول (ص) "عمرو بن حمق خزاعی" کو قتل کیا جو ایسا صالح اور عبادت گزار بندہ تھا کہ کثرت عبادت سے اس کا جسم نحیف و لاغر ہو گیا تھا، قوتیں زائل ہو گئی تھیں اور اس کے چہرہ پر زردی چھا گئی تھی تم نے پہلے ان کو امان دے دی اور ان کے ساتھ ایسا مضبوط وعدہ کیا۔ کہ اگر ایسا وعدہ کسی جانور کے ساتھ بھی کیا جائے تو وہ پہاڑ کی چوٹی سے اتر کر پاس آ جائے پھر تم نے بڑی جسارت کے ساتھ اس عہد کو توڑ دیا اور بے جرم و خطا ان کو مار ڈالا۔ کیا

تم ہی وہ شخص نہیں ہو جس نے زیاد بن سمیہ کو جو بنی ثقیف کے غلام عبید کا بیٹا تھا اپنا بھائی اور اپنے باپ ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا۔ حالانکہ رسول اللہ (ص) نے فرمایا ہے: بچہ اس کا ہوگا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا ہے اور زانی کے لئے صرف پتھر ہیں۔ مگر تم نے اپنی مصلحت کی بنا پر حکم رسول (ص) کو پس پشت ڈال دیا اور اس کو اپنا بھائی بنا کر اسے عراقین (کوفہ وبصرہ) کا حاکم بنا دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ پیر قطع کرے۔ ان کی آنکھیں لوہے کی گرم سلاخوں سے پھوڑ دے اور انہیں درخت کی شاخوں سے لٹکا کر مارے گویا کہ تم اس امت میں سے نہیں ہو اور وہ تم میں سے نہیں تھے کیا تم ہی وہ نہیں ہو جسے زیاد بن سمیہ نے لکھا تھا کہ حضرمیین علی علیہ السلام کے دین پر ہیں اور تم نے اسے حکم دیا کہ جو لوگ علی (ع) کے دین پر ہیں ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔ اس نے سب کو قتل کیا اور ان کا مثلہ بھی کیا۔ دین علی (ع) دین محمد (ص) ہے تم نے مجھے لکھا ہے کہ میں اپنے نفس، دین اور امت محمدی (ص) کا خیال کروں اور انہیں فتنہ میں نہ ڈالوں اور جماعت کی تفریق سے پرہیز کروں۔ میرے علم کے مطابق اس امت میں کوئی فتنہ تمہاری خلافت وحکومت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ میں اپنے نفس، دین اور امت محمدی (ص) کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی فائدہ نہیں سمجھتا کہ میں ان امور میں تم سے جہاد کروں اور اگر خاموش رہا تو اس کے لئے خدا سے استغفار کروں گا اور اسی سے فلاح ورشد کا طالب ہوں۔" [1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ طویل اور تاریخی مکتوب اس لئے نقل کیا ہے کہ اس سے تین امور کا پتہ چلتا ہے:

---

[1] یہ مراسلہ چند لفظی اختلافات کے ساتھ ان مدارک میں ملاحظہ فرمائیں: الامامة ج ۱ ص ۱۵۵-۱۵۶ اعیان الشیعہ ج ۴ قسم اول ص ۱۴۳ تا ۱۴۶ - البحار ج ۴۴ ص ۲۱۲ تا ۲۱۴

۱۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا صبر و تحمل اور جذبۂ جہاد۔

۲۔ امت اسلامیہ کی مظلومیت۔

۳۔ معاویہ یعنی حاکم نظام کی وحشیانہ روش۔

اس مکتوب سے حاکم کی اس حقیقت کی ترجمانی ہوتی ہے کہ اس نے استحکام اقتدار کی خاطر کن کن جرائم کا ارتکاب نہیں کیا اور ظلم و ستم کی جتنی صورتیں ممکن تھیں وہ سب اس نے انجام دیں اس نے محض تہمت و گمان اور نفس رسول خدا ص کا شیعہ ہونے کے جرم میں مسلمانوں کو قتل کیا۔ گویا کہ یہ سب کچھ اس طرح کیا جا رہا تھا جیسے کہ اس کا اس امت سے کوئی تعلق نہیں اور اس امت کا اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا اور وہ مکمل طور پر ہر میدان و پہلو میں ایک دوسرے سے بیگانہ تھے۔ یعنی دو فکریں، دو اخلاق، دو روشیں، دو سیاستیں غرض دو وادیاں اور دو نظریات تھے۔ جیسا کہ آپؑ نے فرمایا:

"کانک لست من ھذہ الامۃ ولیسوا منک"

"گویا تم اس امت میں سے نہیں ہو اور وہ تم میں سے نہیں ہیں"۔

امت اسلامیہ کی مظلومیت کی انتہا اور اس کی بدبختی کی علامت یہ ہے کہ صالح، عبادت گزار، زاہد، متقی، امت کے دکھ سکھ میں شریک اور حقیقی غمخواروں کو چن چن کر ختم کر دیا جاتا رہے اور مجموعی طور پر امت میں کوئی جنبش پیدا نہ ہو۔ اگرچہ بے گناہ افراد کا قتل بھی بذات خود بہت بڑا جرم ہے مگر کسی قوم کی تنزلی، ناکامی اور اس کے نقصان کا باعث خود ظلم نہیں بلکہ ظلم پروری اور ظلم پر خاموش رہنا ہے بالفاظ دیگر ظالم کو ظلم کے مواقع فراہم کرنا ایک امت کی تباہی کیلئے خود ظلم سے بڑھ کر خطرناک ہے اور عہد معاویہ میں امت کی مجموعی کیفیت اسی طرح کی تھی[1]

---

(۱) اس کی مزید تفصیل آگے بیان ہوگی۔

مذکورہ مکتوب کے ذریعے آپؑ کے بے پناہ غم و غصے اور جرأت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ آپؑ نے اس استبداد اور آمریت کے عہد میں کس شجاعانہ انداز میں معاویہ کو اس کا ایک ایک جرم بتایا اور دوسری جانب آپؑ ہر چھوٹے بڑے واقعہ کا ذکر ہر مناسب موقعہ پر کرتے رہتے اور معاویہ کے خلاف جہاد کو قرب الٰہی گردانتے تھے۔ "السیاسۃ" کی نقل کے مطابق دو جگہ آپؑ نے اس کے خلاف جنگ و جدال کرنے کو افضل ترین جہاد سے تعبیر فرمایا اور معاویہ کی حکومت کو پوری امت اسلامیہ کی مصیبت، فتنہ اور آزمائش تصور کرتے تھے۔ گویا کہ جذبۂ جہاد، شوق شہادت اور حق کی خاطر باطل سے ٹکرا جانے کے معانی آپؑ کے اس مراسلے کے الفاظ و عبارات سے چشمے کی طرح پھوٹ پڑتے ہیں۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر معاویہ اور اس کے اسلام دشمن اعمال کی وجہ سے فساد پیدا ہوا اور اس کے ان اعمال، حرکات اور نظام سے مقابلہ و جہاد کرنا افضل ترین عمل تھا تو پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کے عہد میں قیام و انقلاب کیوں نہیں کیا؟ اس سوال کا جواب ہم آئندہ صفحات پر دیں گے۔ لیکن یہ خیال ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ معاویہ سے جنگ کرنے میں شرعی نقطۂ نگاہ سے کوئی شبہ تھا۔ کیونکہ یزید کی حکومت، معاویہ کے گناہوں میں سے ایک گناہ شمار ہوتی ہے۔ اس لئے اگر یزید کے خلاف جہاد کرنا درست تھا تو معاویہ کے خلاف جہاد بطریق اولیٰ درست تھا۔

حسینی کانفرنس

معاویہ کا ظلم و تشدد روز بروز بڑھتا جا رہا تھا اسلامی احکام میں تبدیلی ایک وطیرہ بن گیا تھا علمائے مسلمین اور حق و عدالت کے علمبرداروں کا صفایا کرنا حاکم نظام کا دین و عقیدہ تھا۔

حضرت علی علیہ السلام و آلِ علی علیہ السلام کا تذکرہ ناقابل معافی جرم تھا اور امت اسلامیہ مجموعی طور پر ایک طویل نیند میں آرام کر رہی تھی۔ ان کے ضمیر خریدے جا چکے تھے۔ امت کے غم خوار کسی فرد کو حاکم نظام کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہ تھی۔ کیونکہ اس کا نتیجہ موت، تشدد اور جلا وطنی کی صورت میں نکلتا تھا۔

اس صورتِ حال میں حضرت امام حسین علیہ السلام ان چند محدود افراد کے سپہ سالار و سردار تھے۔ جنہیں معاویہ نہ صرف خرید نہیں سکا۔ بلکہ وہ ہر مناسب موقع پر اس پر شدید اعتراض کیا کرتے تھے۔

معاویہ کی جاہلیت کو بے نقاب کرنے اور اپنے اور شیعوں پر توڑے جانے والے مظالم سے امتِ اسلامیہ کو آگاہ کرنے کے لئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے موسم حج میں سرزمین منیٰ پر ایک تاریخی کانفرنس کا انعقاد فرمایا جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بنی ہاشم کے افراد، جن میں خود تم بھی شامل تھیں اور مختلف ممالک سے آئے ہوئے صحابہ کرام و تابعین نے شرکت کی۔ سلیم بن قیس کی نقل کے مطابق ان کی تعداد سات سو سے زیادہ اور بحار کے مطابق ایک ہزار سے زیادہ تھی۔ آپؑ نے ان میں کھڑے ہو کر تقریر کا آغاز کیا۔

آپؑ کی تقریر دو پہلوؤں پر مشتمل تھی :۔

(i)۔ معاویہ کے مظالم اور اس نے اسلام کی جو خلاف ورزیاں کی ہیں ان کی نشاندہی۔

(ii)۔ اہلِ بیتؑ خاص کر حضرت علی علیہ السلام کی شان و مداح میں نازل شدہ آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل شدہ روایات کا تذکرہ۔ جس کے جواب میں اصحاب نے آپؑ کی تائید کی کہ انہوں نے یہ سب رسول اکرم (ص) سے سنا ہے اور تابعین کا کہنا

تھا کہ یہ انہوں نے فلاں ثقہ کی زبان سے آپؐ کی شان میں سنا ہے۔
پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے حاضرین سے فرمایا کہ وہ آپؐ کا یہ پیغام اپنے اپنے شہروں میں ان افراد تک پہنچا دیں جن پر ان کو اعتماد اور بھروسہ ہو[۱]

تیسرا مرحلہ۔ دورِ یزید

یزیدؔ کا عہدِ حکومت جاہلیت کے ادوار کا تیسرا دور تھا جس میں سابقہ ادوار کی تمام تر خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ لیکن اس دور میں ایک فرق یہ تھا کہ سابقہ ادوارِ حکومتوں میں خلافِ اسلام اقدامات، اسلام کے نام پر کئے جاتے تھے۔ اور ان کی حقیقت مسلمانوں کے سامنے اتنی ظاہر نہیں ہوا کرتی تھی۔ جبکہ یزیدی عہد میں مکر و فریب پر سے پردہ ہٹا دیا گیا تھا۔ جس سے جاہلیت کے خلاف مسلح میدانی مقابلے اور انقلاب کی راہ ہموار ہوگئی[۱]

حسینی اقدام کے عوامل

گذشتہ صفحات میں دو قسم کے عوامل و محرکات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا: (۱) عوامل قریب اور (۲) عوامل بعید۔ ان عوامل کی روشنی میں واقعۂ کربلا کی تصویر کشی اور اس کے سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ عوامل قریب، و بعید کی الگ الگ نشاندہی کرتے ہوئے بعض اوقات ہم نے تاریخی تسلسل قائم رکھنے کی خاطر ایک کا ذکر دوسرے کی جگہ پر بھی کیا ہے۔
مذکورہ عوامل کی دوسری قسم میں خود یزید بن معاویہ کے نقطۂ نگاہ کے مطابق بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ قتلِ حسین علیہ السلام کے یزید کے پاس کیا عوامل و اسباب تھے۔ اور آپؐ کے

---

[۱] اس کی تفصیل آئندہ ابواب میں ملاحظہ فرمایئے۔

قتل سے وہ کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا ۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ واقعہ کربلا وجود میں لانے کے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نزدیک کیا محرکات تھے ۔ کیونکہ ان محرکات وعوامل سے جتنی زیادہ واقفیت ہو گی انقلاب حسین علیہ السلام کو سمجھنے میں اتنی زیادہ مدد ملے گی ۔

عموماً ہر انقلاب و اقدام کے محرکات وعوامل درحقیقت اس کے اہداف و مقاصد ہی ہوتے ہیں اور ہر چیز کی علت نمائی (ہدف وسبب) اس چیز کو وجود میں لانے کا اصلی سبب وعلت ہوتی ہے ۔ لہذا ہم انقلاب حسین علیہ السلام کے علل ومحرکات پر بحث باب سوم میں بعنوان " انقلاب حسینؑ کے اہداف ومقاصد " کریں گے ۔

باب سوئم

انقلابِ حسین علیہ السلام کے مقاصد واہداف

اسلامی حکومت کی تشکیل ٭ شہادت کا انتخاب ٭ اجتماعی پہلو ٭ سیاسی پہلو ٭ ثقافتی پہلو ٭ دینی پہلو ٭ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ٭ شرائط امر بالمعروف ونہی عن المنکر ٭ انسانی پہلو ٭ تحریک کا پہلو ٭ حضرت امام حسینؑ کا مقابلہ کس سے تھا ٭ عہد معاویہ میں انقلاب نہ لانے کے اسباب ٭ حضرت امام حسنؑ کا مؤقف ٭ حضرت امام حسینؑ کا مؤقف ٭ مناسب وقت میں مناسب انقلاب ٭

انقلابِ حسین علیہ السلام کے محرکات وعوامل اور اہداف و مقاصد وہی ہیں جو اسلام لے کر آیا تھا کیونکہ یہ انقلاب، اسلام کے اصولوں اور بنیادوں کی حفاظت کے لئے وجود میں آیا تھا چنانچہ اس کا فکری سرچشمہ بھی اسلام و قرآن کی بلند تعلیمات اور اس کے انسان ساز اصول و فرامین ہیں۔

جس ماحول میں واقعۂ کربلا رونما ہوا وہ فی الواقع اس ماحول سے مختلف نہیں تھا جس میں اسلام ظہور پذیر ہوا تھا۔ رسولِ اسلام (ص) کی بعثت کے وقت ماحول انتہائی بگڑا ہوا تھا۔ ظلم وستم اور جہل و نادانی کی حکمرانی اور سوسائٹی انتہائی درجہ خراب تھی صدیوں کی برائیاں جڑ پکڑ چکی تھیں۔ قرنوں کے گناہ عادت بن چکے تھے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ بت پرستی، مادہ پرستی، قبائلی عصبیتیں اور انسانی فطری حقوق کی پامالی غرض ہر برائی کا دور دورہ تھا لاقانونیت اور بدنظمی اس ماحول کا نظام تھا اور یہی حالت بنی امیہ کے عہد میں امتِ اسلامیہ کے تمام شعبوں کی ہو چکی تھی۔ جن کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

اگر حضرت امام حسین علیہ السلام کے انقلاب، اہداف اور مقاصد کا مختصر الفاظ میں خلاصہ کیا جائے تو اصولی طور پر آپؑ کے دو مقاصد تھے۔

(۱)۔ بنی امیہ کے لائے ہوئے جاہلیت کے تہذیب و تمدن اور اس کے تمام آثار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اور اس کے ملبے پر نظام اسلام کی دوبارہ بحالی۔

(۲)۔ عدل و انصاف اور انسانی حقوق کی بنیادوں پر اسلامی حکومت کا قیام۔

انسانوں کی ہدایت اور فلاح و بہبود کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم (ص) کو مبعوث فرمایا اور بنی امیہ کے جبر و تشدد اور شیطانی سیاست سے اسلام، قرآن اور مسلمانوں کی رہائی و نجات اور اسلام کے مقاصد کی تکمیل کی خاطر حضرت امام حسین علیہ السلام نے انقلاب برپا کیا۔

نزولِ قرآن کے وقت ماحول کا نام "جاہلیت، شرک اور الحاد تھا اور انقلاب حسینؑ کے وقت، جاہلیت کا نام تو واضح نہیں تھا۔ مگر جاہلیت، شرک والحاد کی روح ضرور حاکم تھی خاص کر یزید، تربیت واخلاق کے لحاظ سے مسیحی اور عادات و رسوم اور رواج کے اعتبار سے قبائلی عصبیت وانتقام کا پتلا تھا۔ اس کے دل و دماغ، رقاصہ اور مغنیات کی محبت سے لبریز تھے اور اس کی فکری قوت کا سرچشمہ شراب تھی۔ پھر وہ اپنے آپ کو خلیفۃ المسلمین بھی کہلاتا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام پر شرعاً یہ فرض عاید ہوتا تھا کہ آپؑ اسلام کی حمایت و حفاظت کے لئے اقدام کریں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اپنے وفادار ساتھیوں سمیت کربلا کی گرم ریت پر جان کی بازی لگادی۔

اس دور میں حمایت اسلام کے لئے کیا یہی طریقہ اختیار کیا جا سکتا تھا اور کیا شہادت کے علاوہ اس کے لئے کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں تھا؟

اصولی طور پر تین میں سے ایک راستے کا انتخاب لازمی تھا:

۱۔ نظام جاہلیت (یزید) کے ساتھ تعاون کر کے اسلام کی برقراری اور جاہلیت کی بیخ کنی کے اسباب فراہم کئے جاتے یا کم سے کم حزب مخالف کی حیثیت سے رہا جاتا، جس طرح حضرت علی علیہ السلام رہے تھے۔

۲۔ اسلامی حکومت کی تشکیل۔

۳۔ شہادت کا انتخاب۔

پہلی صورت کا بطلان اتنا واضح ہے کہ اس پر بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔
عہد بنی امیہ اور سابقہ عہود میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ دونوں ادوار کے حاکم، اخلاق اور باقی صفات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مشابہ تھے اور نہ نظریات و نظام کے لحاظ سے۔ چنانچہ دونوں ادوار ایک دوسرے سے مقابلے کے قابل نہیں ہیں۔
بنی امیہ کے عہد میں اسلام کے نظام ہی میں انحراف نہیں کیا گیا بلکہ اسلام کی بیخ کنی کی کوشش کی گئی۔ اور یہ کوشش معاویہ و یزید کے دور میں اپنے عروج پر تھی۔ جاہلیت کے تمام مظاہر علی الاعلان ظہور پذیر ہوتے تھے اور ان کی جڑیں مضبوط ہو چکی تھیں۔ لہذا اس دور میں حاکم وقت کے ساتھ تھوڑا سا تعاون کرنا بھی اس کی تمام حرکات اور پالیسیوں کو آئینی حیثیت دینے اور اسلام کی نابودی پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے مترادف ہوتا اور سکوت و خاموشی اختیار کرنے کا مطلب اسلام سے مکمل چشم پوشی کرنا ہوتا۔
جبکہ بنی امیہ سے پہلے کے ادوار میں ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ چند وجوہات کی بنا پر اس وقت قیام اور انقلاب کرنا خود اسلام کو خیرباد کہنے کے برابر ہوتا۔ اس وقت قیادت کے صحیح راستے سے دوری ضرور ہوئی تھی اور انحراف بھی واقع ہوا تھا مگر سماجی، اجتماعی، سیاسی اور حقوق کے میدان میں وہ فساد و انحراف اور بنیادی تبدیلیاں رونما نہیں ہوئی تھیں جو عہد بنی امیہ میں انفرادی اجتماعی، اخلاقی عقاید اور اقدار کی ہر سطح پر سامنے آئیں۔
چنانچہ اس حقیقت کی طرف خود حضرت امام حسین علیہ السلام نے اہل بصرہ کے نام ایک مراسلے میں اشارہ فرمایا ہے:

اَمَّا بَعْدُ. فَاِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مُحَمَّداً (ص) مِنْ خَلْقِهِ وَاَكْرَمَهُ

بِنُبُوَّتِهِ وَ اخْتَارَهُ لِرِسَالَتِهِ ثُمَّ قَبَضَهُ اِلَيْهِ وَقَدْ نَصَحَ لِعِبَادِهِ وَ بَلَّغَ مَا اُرْسِلَ بِهِ(ص) وَ كُنَّا اَهْلَهُ وَاَوْلِيَائَهُ وَاَوْصِيَائَهُ وَوَرَثَتَهُ وَاَحَقَّ النَّاسِ بِمَقَامِهِ فِي النَّاسِ، فَاسْتَأْثَرَ عَلَيْنَا قَوْمُنَا بِذٰلِكَ فَرَضِينَا وَكَرِهْنَا الْفُرْقَةَ وَاَحْبَبْنَا الْعَافِيَةَ وَ نَحْنُ نَعْلَمُ اَنَّا اَحَقُّ بِذٰلِكَ الْحَقِّ الْمُسْتَحَقِّ عَلَيْنَا مِمَّنْ تَوَلَّاهُ وَقَدْ بَعَثْتُ رَسُولِي اِلَيْكُمْ بِهٰذَا الْكِتَابِ وَاَنَا اَدْعُوكُمْ اِلَى كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ فَاِنَّ السُّنَّةَ قَدْ اُمِيتَتْ وَالْبِدْعَةَ قَدْ اُحْيِيَتْ، فَاِنْ تَسْمَعُوا قَوْلِي اَهْدِكُمْ اِلَى سَبِيلِ الرَّشَادِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ.

اللہ تعالیٰ نے محمد (ص) کو اپنی مخلوق میں منتخب فرمایا۔ نبوت کے اعزاز سے نوازا اور مرتبہ رسالت کے لئے چن لیا۔ جب آپ (ص) انسانوں کی ہدایت اور فریضہ منصبی بخوبی انجام دے چکے تو پھر آپ (ص) کو اپنی بارگاہ میں واپس بلا لیا۔ ہم آپ (ص) کے اہل بیت، ولی، وصی اور وارث تھے اور ہم تمام لوگوں سے زیادہ آپ (ص) کے مقام اور امت کی قیادت کے اہل تھے مگر ایک گروہ ہم سے سبقت لے گیا۔ ہم سے ہمارا حق چھین لیا لیکن امت اسلامیہ کو تفرقہ و انتشار سے بچانے کی خاطر ہم خاموش رہے اور مسلمانوں کے آرام و اطمینان کو اپنے حقوق پر ترجیح دی اور ہم بخوبی جانتے تھے کہ دوسرے حکام سے زیادہ اس حق کے ہم اہل تھے۔ اب میں تمہاری طرف اپنا قاصد بھیج رہا ہوں اور تمہیں کتاب خدا اور سنت رسول خدا (ص) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ بتحقیق سنت (نظام) الٰہی مٹ چکی اور بدعت زندہ ہو چکی ہے اگر تم میری بات قبول اور میری اطاعت کرو گے تو میں تمہیں رشد و ہدایت سے ہمکنار کردوں گا۔[1]

مروان نے جب حضرت امام (ع) کو یزید کی بیعت کرنے کی ترغیب دی تو آپ (ع) نے

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۸۰

فرمایا:

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ وَعَلَى الْاِسْلَامِ السَّلَامُ اِذَا بُلِيَتِ الْاُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيدَ وَلَقَدْ سَمِعْتُ جَدِّي رَسُولَ اللّٰهِ (ص) يَقُولُ: اَلْخِلَافَةُ مُحَرَّمَةٌ عَلَى آلِ اَبِي سُفْيَانَ فَاِذَا رَاَيْتُمْ مُعَاوِيَةَ عَلَى مِنْبَرِي فَابْقَرُوا بَطْنَهُ وَقَدْ رَآهُ اَهْلُ الْمَدِينَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَمْ يَبْقَرُوا فَابْتَلَاهُمُ اللّٰهُ بِيَزِيدَ الْفَاسِقِ."

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسلام پر (آخری) سلام ہو جب کہ امت اسلامیہ کا حاکم یزید جیسا ہو تحقیق میں نے اپنے جد بزرگوار (ص) سے سنا ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا: خلافت آل ابی سفیان پر حرام ہے۔ اگر تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اس کا شکم چاک کردو۔ مگر اہل مدینہ نے منبر رسول (ص) پر اسے دیکھا اور قتل نہیں کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت اسلامیہ پر یزید جیسا حاکم مسلط ہو گیا"۔

۲۔ اسلامی حکومت کی تشکیل

اسلامی حکومت کی تشکیل، اسلامی نظام کی حفاظت اور اس کے نفاذ کا واحد طریقہ ہے لہذا اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر بلادِ اسلامیہ پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی قیادت میں اسلامی حکومت تشکیل پا جاتی تو لا محالہ وہ رسول اللہ (ص) کی حکومت کا نمونہ ہوتی، ظلم و ستم اور نا انصافی کے تمام مظاہر ختم ہو جاتے۔ جاہلیت کے تہذیب و تمدن کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جاتا۔ اور قرآن، اسلام اور سنت رسول (ص) کا حقیقی چہرہ مسلمانوں کو دیکھنا نصیب ہو جاتا۔

لیکن کیا اس وقت کا ماحول اس کے لئے تیار تھا؟

تاریخ کا بغور جائزہ لینے سے یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ ہر طرح سے اس وقت کا ماحول اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ اگرچہ خود حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی اس زمانے میں منصب حکومت اور حکومت اسلامیہ کے نفاذ کے قابل اور غیر متنازعہ تھی۔ کوئی بھی شخص آپ (ع) کے اوصاف میں شریک نہیں تھا اور شرعی و دینی لحاظ سے آپؑ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ جیسا کہ حضرت امام (ع) کے کلام اور خطوط میں اس حقیقت کی طرف بہت سے اشارے ملتے ہیں۔

اگر یزیدی نظام پر عسکری فتح حاصل ہو سکتی تو اسلامی حکومت کی تشکیل اس وقت ممکن تھی لیکن اس وقت کے حالات کے مطابق عسکری کامیابی کا حاصل ہونا بعید از امکان نظر آتا ہے لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اس طرف توجہ نہ دی۔ جیسا کہ یہ بات تاریخی دلائل سے ثابت ہے:

i. قبل از خروج مکہ تا کربلا آپ (ع) کے خطبات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ (ع) اپنی شہادت سے باخبر تھے اور آپ (ع) بار بار اپنی شہادت کی خبر دیتے رہے۔

ii. عسکری کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مدمقابل کے عسکری ساز و سامان کے برابر وسائل فراہم کئے جائیں جب کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس ایسے کوئی وسائل موجود نہیں تھے۔

iii. اگر ابتداء میں کوفہ سے مدد ملنے کے امکانات نظر آ رہے تھے تو حضرت مسلم کی شہادت اور کوفہ کے حالات دگرگوں ہونے کے بعد یہ امکانات بھی ختم ہو گئے لیکن پھر بھی کوفہ کی جانب آپ (ع) کا اپنا سفر جاری رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ (ع) ظاہری حکومت

اور عسکری فتح سے قطع نظر ایک اعلیٰ وارفع ہدف کی طرف رواں دواں تھے ۔

۱۷۔ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام کا اصلی اور اعلیٰ ہدف یزیدی نظام پر عسکری فتح حاصل کرنا ہوتا اور بالفرض ابن زیاد کو شکست دے کر کوفہ پر آپ (ع) کا اقتدار قائم بھی ہو جاتا تو کیا یزید اس شکست کو خاموشی سے قبول کر لیتا ؟ کیا باقی علاقوں پر سے بھی بتدریج یزیدی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا اور پھر پورے اسلامی ممالک پر اسلامی حکومت قائم ہو جاتی ؟ یا مرکزی حکومت کی جانب سے خدا ناشناس افواج بھیج کر نہ صرف مخالف تحریکوں کو سختی کے ساتھ کچل دیا جاتا بلکہ کوفہ پر وحشیانہ حملہ کر کے اس پر دوبارہ قبضہ جما لیا جاتا جیساکہ واقعہ کربلا کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا ۔ اور ان پر بہیمانہ اور انسانیت سوز مظالم ڈھانے کے بعد یزید کا غلام بنا کر ان سے دوبارہ بیعت لی گئی تھی ۔ اس کے علاوہ جیسا کہ شہادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کی ہلاکت کے بعد اسلامی ممالک کے اکثر و بیشتر علاقوں میں ابن زبیر کی حکومت قائم ہو گئی تھی لیکن بنی امیہ نے اسے کچل دیا تھا ۔

۷۔ فوجی فتح کے خواہشمند پر سیاسی اور قومی نقطہ نظر سے لازم ہے کہ وہ اپنی قوت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرے چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو چاہیئے تھا کہ وہ مکہ کے تمام مسلمانوں کو دعوت دے کر اپنے ہمراہ کرتے یا کم سے کم اس کی کوشش کرتے لیکن آپ (ع) نے ان کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا کہ جو چاہے آپ (ع) کے ہمراہ چلے بلکہ آپؑ نے ان کو موت و شہادت کی خبر بھی دی ۔ جیساکہ آپ (ع) کے اس خطبے میں اس طرف اشارہ ملتا ہے جو آپ (ع) نے مکہ سے روانگی سے قبل ارشاد فرمایا تھا :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَمَاشَاءَ اللّٰهُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ، خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰى وُلْدِ آدَمَ مَخَطَّ الْقِلَادَةِ عَلٰى جِيْدِ الْفَتَاةِ وَمَا اَوْلَهَنِيْ اِلٰى

اسلافی اِشْتِیاقُ یَعْقُوبَ اِلٰی یُوسُفَ وَ خُیِّرَلِی مَصْرَعٌ اَنَا لَاقِیہِ کَاَنِّی بِاَوْصَالِی تَتَقَطَّعُھَا عَسَلَانُ الْفَلَوَاتِ بَیْنَ النَّوَاوِیسِ وَ کَرْبَلَا فَیَمْلَأَنَّ مِنِّی اَکْرَاشاً جُوفاً وَ اَجْرِبَۃً سُغْباً لَا مَحِیصَ عَنْ یَوْمٍ خُطَّ بِالْقَلَمِ رِضَا اللّٰہِ رِضَانَا اَھْلَ الْبَیْتِ نَصْبِرُ عَلٰی بَلَائِہٖ وَ یُوَفِّینَا اُجُوْرَ الصَّابِرِیْنَ لَنْ تَشُذَّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ لُحْمَتُہٗ بَلْ ھِیَ مَجْمُوعَۃٌ لَہٗ فِی حَظِیْرَۃِ الْقُدْسِ تَقَرُّ بِھِمْ عَیْنُہٗ وَ یُنْجَزُ بِھِمْ وَعْدُہٗ اَلَا وَ مَنْ کَانَ فِینَا بَاذِلاً مُھْجَتَہٗ مُوَطِّناً عَلٰی لِقَاءِ اللّٰہِ نَفْسَہٗ فَلْیَرْحَلْ مَعَنَا فَاِنِّی رَاحِلٌ مُصْبِحاً اِنْ شَاءَ اللّٰہُ

"حمد و ثنا اللہ سے مخصوص ہے وہ جو چاہے وہی ہوتا ہے اور کوئی طاقت نہیں جو اللہ پر منتہی نہ ہو اور اللہ کا درود ہو اپنے رسول پر۔ موت فرزند آدم کے گلے کا ہار ہے اور مجھے اپنے اسلاف سے ملاقات کرنے کا اتنا اشتیاق ہے جیسے یعقوب (ع) کو یوسف (ع) سے ملنے کا تھا اور میرے لئے وہ جگہ بہت اچھی ہے جہاں میں کشتہ ہو کر گروں گا گویا یہ حال میری نگاہوں کے سامنے ہے کہ صحرائی درندے (یزیدی فوج) میرے جوڑ بند جدا کر رہے ہیں۔ اس دن سے (بچنے کا) کوئی چارہ کار نہیں ہے جو خط تقدیر میں گزر چکا ہے خدا کی مرضی میں ہم اہل بیت کی مرضی ہے۔ ہم اس کے امتحان پر صبر کرتے ہیں۔ اور صابروں کا اجر حاصل کریں گے۔ رسول خدا (ص) سے آپ (ص) کے جسم کے ٹکڑے جدا نہیں ہو سکتے جو شخص اپنی جان کی قربانی پر آمادہ اور خدا سے ملاقات (شہادت) کے لئے تیار ہو وہ ہمارے ساتھ سفر کرے میں کل صبح انشاء اللہ روانہ ہو جاؤں گا"[1]

اس کے علاوہ مقام "زبالہ" پہنچ کر آپ (ع) نے اپنے اصحاب کو وہاں سے چلے جانے کی اجازت بھی دے دی تھی[2]

---

[1] بحار ج ۴۴ ص ۳۶۷، لہوف ص ۵۳۔ کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۰۴۔
[2] طبری ج ۳ ص ۳۰۳۔

بہرحال تاریخی شواہد، فریقین کے جنگی وسائل و استعداد، خاص کر حاکم نظام کے وحشیانہ اقدامات اس کے علاوہ اہل کوفہ کے روائتی نفاق، متزلزل مزاج اور عدم استقلال کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ آپ (ع) کو عسکری کامیابی کی توقع نہیں تھی اور نہ یہ آپؑ کے انقلاب کا ہدف تھا۔

بالفرض اگر کوفہ میں یزیدی حکومت کے خاتمے کے بعد اسلامی حکومت تشکیل پا بھی جاتی تو اس حکومت کی حفاظت اور باقی علاقوں میں بھی اسی نوعیت کے اقدامات میں کامیابی کے کوئی دلائل اور اسباب دکھائی نہیں دیتے چنانچہ اس نکتہ کو حضرت امام حسین علیہ السلام خوب سمجھتے تھے کیونکہ آپ (ع) کو اہل کوفہ پر مکمل اعتماد نہ تھا۔ جب باقی سیاستدانوں نے آپ (ع) کو اہل کوفہ کی دعوت قبول نہ کرنے کا مشورہ دیا اور ان کی پرانی بے وفائی کا آپؑ سے تذکرہ کیا تو آپ (ع) نے ان کے خیالات کی نفی نہیں کی بلکہ آپ (ع) کے جواب میں انکے خیالات کی تصدیق پائی جاتی تھی۔

چنانچہ جب عبداللہ ابن عباس نے آپ (ع) کو عراق کا سفر ترک کرنے کا مشورہ دیا تو آپؑ نے فرمایا:

يَا ابْنَ الْعَمِّ اِنِّي وَاللّٰهِ لاَعْلَمُ انَّکَ نَاصِحٌ مُشْفِقٌ وَقَدْ ازْمَعْتُ عَلَى الْمَسِيرِ... وَاللّٰهِ لاَيَدَعُونِي حَتّٰى يَسْتَخْرِجُوا هٰذِهِ الْعَلَقَةَ مِنْ جَوْفِي فَاِذَا فَعَلُوا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَنْ يُذِلُّهُمْ حَتّٰى يَكُونُوا اَذَلَّ مِنْ فِرَامِ الْمَرْئَةِ

"اے پسر عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں تم از روئے شفقت اور خیر خواہی یہ نصیحت کر رہے ہو۔ مگر میں نے سفر کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اللہ کی قسم وہ میرا خون بہائے بغیر مجھے نہیں چھوڑیں گے جب وہ ایسا کریں گے تو خداوند ان پر ایسا شخص مسلط کر دے گا جو ان کو

ذلیل وخوار کرے حتیٰ کہ وہ عورت کی ماہواری کے وقت استعمال شدہ کپڑے کے ٹکڑے سے بھی زیادہ ذلیل اور پست ہوجائیں گے۔" ؎۱

انقلاب حسین علیہ السلام کا ہدف عسکری فتح اور اسلامی حکومت کی تشکیل قرار دینے پر کچھ ایسے گروہ بھی اصرار کرتے ہیں جو شہادت فی سبیل اللہ کو مفید قرار نہیں دیتے یا اسے معقول اقدام نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک، حضرت امام حسین علیہ السلام نے آخری لمحات میں تشکیل حکومت کے جب تمام راستے مسدود پائے تو آپ (ع) دفاع کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر شہادت نامطلوب اور غیر مفید تھی تو آپ (ع) پر اپنی اور اپنے انصار واعوان کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بنی امیہ صرف آپ (ع) کے خون کے پیاسے تھے دوسروں کے نہیں۔ چنانچہ شب عاشور ایک خطبے میں آپ (ع) نے فرمایا:

اُثْنِی عَلَی اللّٰهِ اَحْسَنَ الثَّنَاءِ وَ اَحْمَدُهُ عَلَی السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَحْمَدُکَ عَلٰی اَنْ اَکْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّةِ وَعَلَّمْتَنَا الْقُرْآنَ وَ فَقَّهْتَنَا فِی الدِّیْنِ وَ جَعَلْتَ لَنَا اَسْمَاعاً وَ اَبْصَاراً وَ اَفْئِدَةً وَلَمْ تَجْعَلْنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ، فَاِنِّی لَا اَعْلَمُ اَصْحَاباً اَوْلٰی وَلَا خَیْراً مِنْ اَصْحَابِی وَلَا اَهْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ وَلَا اَوْصَلَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِی فَجَزَاکُمُ اللّٰهُ عَنِّی جَمِیْعاً خَیْراً۔

وَقَدْ اَخْبَرَنِی جَدِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) بِاَنِّی سَاُسَاقُ اِلَی الْعِرَاقِ فَاَنْزِلُ اَرْضاً یُقَالُ لَهَا عَمُوْراً وَ کَرْبَلَا وَ فِیْهَا اَسْتَشْهِدُ وَ قَدْ قَرُبَ الْمَوْعِدُ۔

اَلَا وَ اِنِّی اَظُنُّ یَوْمَنَا مِنْ هٰؤُلَاءِ الْاَعْدَاءِ غَداً وَ اِنِّی قَدْ اَذِنْتُ لَکُمْ فَانْطَلِقُوْا جَمِیْعاً فِی حِلٍّ لَیْسَ عَلَیْکُمْ مِنِّی ذِمَامٌ وَ هٰذَا اللَّیْلُ قَدْ غَشِیَکُمْ فَاتَّخِذُوْهُ جَمَلاً وَ لْیَاْخُذْ کُلُّ رَجُلٍ مِنْکُمْ بِیَدِ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ

؎۱ بحار ج ۴۴ ص ۳۷۵۔ ارشاد ص ۲۲۳۔ طبری ج ۳ ص ۳۰۰۔ (بحار اور ارشاد میں الفاظ "اذل من فرق الامۃ" ہیں)

بَيْتِي فَجَزَاكُمُ اللّٰهُ جَمِيعاً خَيْراً وَ تَفَرَّقُوا فِي سَوَادِكُمْ وَ مَدَائِنِكُمْ فَإِنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا يَطْلُبُونَنِي وَلَوْ أَصَابُونِي لَذَهَلُوا عَنْ طَلَبِ غَيْرِي
حَسْبُكُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ إِذْهَبُوا فَقَدْ أَذِنْتُ لَكُمْ

"میں اللہ کی بہترین تعریف کرتا ہوں اور راحت و تکلیف دونوں میں اس کا شکر گزار ہوں۔ خداوندا تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں نبوت کے منصب کی عزت عطا کی علم قرآن کی دولت دی، دینی حقیقت کے بارے میں فہم و تعقل کرامت فرمایا۔ اور ہمیں گوش شنوا چشم بینا اور دانا دل عطا فرمائے اور مشرکین میں سے قرار نہیں دیا۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ میں دنیا میں کسی کے اصحاب کو اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا اور بہتر نہیں جانتا اور نہ اپنے اعزا سے زیادہ نیکوکار اور حق ادا کرنے والے کسی کے اعزا مجھے معلوم ہیں خدا تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ مجھے میرے جد بزرگوار نے اطلاع دی ہے۔ مجھے عراق میں سرزمین کربلا میں لایا جائے گا اور میں درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤں گا۔ اب وہ گھڑی آ پہنچی ہے آگاہ رہو کہ دشمن کل ضرور جنگ کرے گا۔ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ میں اپنے عہد کا بار سنگین تم سے ہٹائے لیتا ہوں رات کی تاریکی چھانے والی ہے اس کو اپنا مرکب بنا کر روانہ ہو جاؤ بلکہ تم میں سے ہر ایک میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ایک کا ہاتھ تھام کر لے جائے خدا تم سب کو جزائے خیر دے اور تم اپنے اپنے شہروں میں بکھر جاؤ۔ اس لئے کہ لوگ صرف میرے طالب ہیں اور اگر مجھے قتل کر ڈالیں تو پھر کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے"۔[۱]

۱۔ ارشاد ص ۲۳۱۔ طبری ج ۳ ص ۳۱۵۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۹۲-۳۹۳۔ اس کا خلاصہ اعلام الوریٰ ص ۲۷۶ میں آیا ہے۔

اس بنا پر آپ (ع) کو چاہیئے تھا کہ اپنے تمام انصار اور بنی ہاشم کے جوانوں کو حکم دیتے کہ ان کا آپ (ع) کے ساتھ شہید ہونا حرام ہے اور ہر ایک اپنی اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے میدانِ کربلا سے چلا جاتا لیکن امام (ع) نے ایسا حکم فرمایا اور نہ ہی ان کی جانوں کی حفاظت کا انتظام کیا۔

اس کے علاوہ ایک جواب یہ ہے کہ عسکری فتح کی تمام راہیں مسدود ہوں، شہادت فی سبیل اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ نہ ہو۔ اس شہادت کے اثرات، دور رس اور جاویداں ہوں۔ اس کی افادیت عسکری فتح سے زیادہ ہو اور یہ جاہلیت کے نظریات پر مبنی ظلم وستم کے محلات کی تباہی وبربادی کا واحد اور موثر حربہ بھی ہو تو اس شہادت میں خامی کہاں سے آئی؟ اور اس کے مطلوب نہ ہونے کی کیا دلیل ہے؟

شہادت کا انتخاب

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ مذکورہ دونوں صورتیں کسی مرض کا علاج نہیں ہیں اور اسلام کے پاکیزہ واعلیٰ ترین نظام کی حفاظت کی ضمانت فراہم کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے تو آپ نے اسے بہ دل وجان قبول فرمایا اور وہ تھی شہادت، کیونکہ قرآن واسلام کے اصول وقواعد اور عقائد واقدار تمام چیزوں سے اعلیٰ وبرتر ہیں ہر چیز ان پر قربان کی جاسکتی ہے مگر انہیں کسی چیز پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت امام (ع)، شہادت کے راستہ کا انتخاب کرنے میں آزاد تھے اور آپؑ اپنے ارادہ واختیار اور فرض شناسی کی بنیاد پر اس دشوار راستہ پر گامزن ہوئے جیسا کہ حضرت امام (ع) نے مکہ سے بنی ہاشم کے نام یہ مکتوب تحریر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. مِنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ اِلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَمَنْ قِبَلَهُ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ. اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ مَنْ لَحِقَ بِي اِسْتَشْهَدَ وَمَنْ تَخَلَّفَ لَمْ يُدْرِكِ الْفَتْحَ وَالسَّلَامُ.

"حسین بن علی (علیہما السلام) کی جانب سے محمد بن حنفیہ اور تمام بنی ہاشم کے نام! تم میں سے جو ہم سے آملے گا وہ شہید ہو جائے گا اور جو ہمارے ساتھ نہیں آملے گا وہ فتح و کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوگا۔" [۱]

اس کے علاوہ اپنے برادر گرامی محمد بن حنفیہ کے جواب میں آپ (ع) فرماتے ہیں:

بَلٰى وَلٰكِنْ بَعْدَ مَا فَارَقْتُكَ اَتَانِي رَسُولُ اللّٰهِ (ص) وَقَالَ يَا حُسَيْنُ اُخْرُجْ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى شَاءَ اَنْ يَرَاكَ قَتِيلاً.
... وَقَدْ شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَرَاهُنَّ سَبَايَا

"ہاں! مگر آپ سے جدا ہونے کے بعد رسول اللہ (ص) میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: حسینؑ یہاں مکہ سے نکل جاؤ۔ مشیتِ خدا یہ ہے کہ آپ (ع) قتل ہو جائیں اور خدا کی مشیت یہ بھی ہے کہ آپ (ع) کے اہل حرم اسیر ہوں" [۲]

اس جاہلیت کے رواج اور مسلمانوں کی اقدار و سرنوشت پر اسلام دشمن عناصر کا ناجائز قبضہ ہو جانے کے نازک مرحلے پر خونین انقلاب اختیار کرنا نہ صرف معقول اور عاقلانہ اقدام تھا بلکہ شرعی نقطۂ نگاہ سے واجب اور فرض تھا۔ چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے منزل بیضا پر حرؑ کے سپاہیوں سے خطاب میں اپنے قیام کی علت بیان کرتے ہوئے دینی فریضہ کی نشاندہی

---

[۱]۔ کامل الزیارات ص ۷۵۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۳۰۔

[۲]۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۶۴ لہوف ص ۶۵۔ منتخب طریحی ج ۲ ص ۴۳۵

کی اور انہیں بتایا کہ منکرات کے مرتکب کے گناہ میں وہ بھی شریک ہے جو ان پر خاموش رہے چنانچہ آپؑ نے فرمایا:

"ایھا الناس ان رسول اللہ (ص) قال من رای سلطانا جائرا مستحلا لحرام اللہ ناکثا عھدہ مخالفا لسنۃ رسول اللہ یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم یغیر علیہ بفعل ولا قول کان حقا علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ۔"

"اے لوگو! رسولِ خدا (ص) نے فرمایا: جس نے ایسے حاکم کو دیکھا جو ظالم و ستمگر ہو، حرامِ خدا کو حلال کرے، اس کے عہد و پیمان کو توڑے، سنتِ رسول (ص) کا مخالف ہو، بندگانِ خدا میں گناہ و معصیت کا مرتکب ہو اور وہ اس کی تبدیلی و اصلاح کے لئے قول و فعل سے کوئی حرکت نہ کرے تو خدا یہ حق رکھتا ہے کہ اسے ظالم کے ساتھ جہنم میں داخل کرے۔" [۱]

اب ہم انقلابِ حسینی کے عوامل و مقاصد کا تفصیلی جائزہ خود آپ (ع) کے اقوال و فرامین کی روشنی میں لیتے ہیں۔

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے ارشادات و فرامین کا مطالعہ کرنے سے ان میں دو چیزوں کا تذکرہ ملتا ہے جو آپ (ع) کے انقلاب کے بنیادی مقاصد تھے۔ ایک مثبت پہلو اور دوسرا منفی پہلو۔ ایک چیز طاقت اور تیزی کے ساتھ مسلسل نافذ اور رائج ہو رہی تھی تو دوسری چیز بالکل متروک اور فراموش کی جا چکی تھی۔ جو چیز تیزی کے ساتھ فروغ پا رہی تھی وہ جاہلیت کی تہذیب و تمدن، اس کے مظاہر، فساد و انحراف اور ضلالت و برائی تھی اور جس چیز کا خاتمہ

۱۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۸۲۔ طبری ج ۳ ص ۳۰۷، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۰۔

اور زوال ہو چکا تھا وہ اسلامی تہذیب و تمدن اور اس کے تمام مظاہر تھے چنانچہ حاکم وقت کی حکومت و سیاست کی بنیاد انہی دو چیزوں پر قائم تھی اور شب و روز تمام تر طاقت اور زر اور شمشیر کا زور اسی ہدف کو امت اسلامیہ کے جسم و جان اور دل و دماغ میں راسخ کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا تھا۔

اس کے برعکس حضرت امام حسین علیہ السلام جاہلیت کے خاتمے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے نفاذ کے خواہاں تھے۔

مذکورہ دو چیزوں کا ذکر آپ (ع)، نے مختلف الفاظ میں فرمایا ہے کبھی حق و باطل کے موضوع کے تحت اور کبھی رحمان کے حاکم کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کے عنوان سے اور کبھی فساد و اصلاح ، کبھی سنت و بدعت اور کبھی حاکم اسلامی کے منفی اور مثبت اوصاف کے عنوانات سے انہیں بیان فرمایا ہے۔

آپ (ع)، کے مذکورہ دو پہلوؤں کی روشنی میں بعض اہم موضوعات کا تذکرہ قدرے تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ اجتماعی۔

۲۔ سیاسی ۔

۳۔ دینی ۔

۴۔ ثقافتی ۔

۵۔ انسانی ۔

اور

۶۔ تحریک کا پہلو

۱۔ اجتماعی پہلو

انقلاب حسین علیہ السلام میں اجتماعی و معاشرتی اصلاح کے پہلو کا نمایاں دخل تھا۔ جس انداز سے فساد، انحراف اور بدعت کے مظاہر اس دور کی خصوصیات میں شمار ہوتے تھے اسی انداز میں ہمہ گیر اصلاح کی ضرورت تھی۔ لہذا امام (ع) اس پہلو پر تاکید کرتے ہوئے بتانا چاہتے تھے کہ آپ (ع) کے قیام و اقدام کا مطلب جاہ طلبی اور اقتدار کی کشمکش نہیں ہے بلکہ آپ ایک فاسد نظام کا خاتمہ کرنے کے بعد پوری امت اسلامیہ کے تمام پہلوؤں میں بنیادی تبدیلی چاہتے تھے۔ آپ (ع) فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذا قَبْرُ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ (ص) وَاَنَا ابْنُ بِنْتِ نَبِيِّكَ وَقَدْ حَضَرَنِي مِنَ الْاَمْرِ مَا قَدْ عَلِمْتَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اُحِبُّ الْمَعْرُوفَ وَاُنْكِرُ الْمُنْكَرَ وَاَسْئَلُكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ بِحَقِّ الْقَبْرِ وَمَنْ فِيهِ اِلَّا اخْتَرْتَ لِي مَا هُوَ لَكَ رِضىً وَلِرَسُولِكَ رِضىً.

"بار خدا! یہ تیرے نبی محمد (ص) کا روضہ ہے اور میں آپ (ص) کی بیٹی کا بیٹا ہوں اس وقت جو معاملہ میرے ساتھ پیش آیا ہے اس سے تو خوب آگاہ ہے۔ بار خدا! میں معروفات کو پسند کرتا اور منکرات سے بیزار ہوں۔ میں اس روضہ اقدس اور صاحب توقیر کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ اس راہ کو میرے لئے اختیار فرما جس میں تیری اور تیرے رسول (ص) کی رضا ہو۔"[۱]

آپ (ع) نے جناب محمد بن حنفیہ کے نام ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا جو آپ (ع) کے قیام و انقلاب کے منشور کی حیثیت رکھتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. هٰذَا مَا اَوْصَى بِهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ

---

[۱] مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۱۸۶۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۲۸

اِلٰی اَخِیْہِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِیَّۃِ اَنَّ الْحُسَیْنَ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِہٖ وَاَنَّ الْجَنَّۃَ حَقٌّ وَالنَّارَ حَقٌّ وَالسَّاعَۃَ آتِیَۃٌ لَارَیْبَ فِیْھَا وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ وَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشِرًا وَلَا بَطِرًا وَلَا مُفْسِدًا وَلَا ظَالِمًا وَاِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِیْ اُمَّۃِ جَدِّیْ (ص) اُرِیْدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ وَاَسِیْرَ بِسِیْرَۃِ جَدِّیْ وَاَبِیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْطَالِبٍ فَمَنْ قَبِلَنِیْ بِقَبُوْلِ الْحَقِّ فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِالْحَقِّ وَمَنْ رَدَّ عَلَیَّ ھٰذَا اَصْبِرُ حَتّٰی یَقْضِیَ اللّٰہُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْقَوْمِ وَھُوَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ وَھٰذِہٖ وَصِیَّتِیْ اِلَیْکَ یَا اَخِیْ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

"میں یہاں سے ، اظہار کبر، ظلم و فساد یا تفریح کے لئے نہیں جا رہا ہوں۔ بلکہ میرا مقصد اپنے نانا کی امت کی اصلاح اور امر بالمعروف و نہی المنکر کے فریضہ پر عمل کرنا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے جدؐ بزرگوار اور والدؑ ماجد کی سنت کو زندہ کروں۔ جو شخص میرے کہنے پر عمل کرے وہ حق پر ہوگا ؛ اور اگر کوئی شخص مجھے رد کر دے تو میں صبر سے کام لوں گا یہاں تک کہ خدا میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اے بھائی میری یہ وصیت تمہارے لئے ہے ....."[1]

۲۔ سیاسی پہلو۔

حضرت امام (ع) کے اس بے مثال اقدام کے محرکات و مقاصد میں ایک سیاسی عنصر تھا۔ ایک طرف آپ (ع)، بنی امیہ کے جاہلیت پر مبنی نظام حکومت کے ڈھانچے میں مکمل اور بنیادی تبدیلی لانا چاہتے تھے تو دوسری طرف خود حاکم کی تبدیلی کے بغیر نظام میں تبدیلی نہیں آسکتی تھی۔ لہذا آپ (ع) حاکمِ وقت کو تسلیم نہ کرنے کا حتمی فیصلہ فرما چکے تھے تیسری جانب

---

[1] بحار ج ۴۴ ص ۳۲۹

حاکم وقت بذاتِ خود ان تمام اوصاف وخصوصیات سے بے بہرہ تھا جو ایک اسلامی اور آئینی حاکم میں ہونا لازمی ہیں تاکہ وہ مسلمانوں کا نمائندہ بننے کی صلاحیت کا مالک بن سکے۔
اس کے برعکس حضرت امام حسین علیہ السلام، دوست و دشمن دونوں کی نگاہ میں خاندانی و موروثی تابناک پس منظر کے علاوہ ان تمام اوصاف وشرائط سے بوجہ اکمل متصف تھے جو قرآن وسنت رسول (ص) نے حاکم اسلامی کے لئے لازمی قرار دی ہیں۔

آپ (ع) نے فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ (ص) قَالَ مَنْ رَأیٰ سُلْطَاناً جَائِراً مُسْتَحِلاًّ لِحَرَامِ اللّٰهِ نَاکِثاً عَهْدَهُ مُخَالِفاً لِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ یَعْمَلُ فِی عِبَادِ اللّٰهِ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ فَلَمْ یُغَیِّرْ عَلَیْهِ بِفِعْلٍ وَ لَا قَوْلٍ کَانَ حَقّاً عَلَی اللّٰهِ اَنْ یُدْخِلَهُ مُدْخَلَهُ اَلَا وَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَدْ لَزِمُوا طَاعَةَ الشَّیْطَانِ وَ تَرَکُوا طَاعَةَ الرَّحْمٰنِ وَ اَظْهَرُوا الْفَسَادَ وَ عَطَّلُوا الْحُدُودَ وَ اسْتَأْثَرُوا بِالْفَیْءِ وَ اَحَلُّوا حَرَامَ اللّٰهِ وَ حَرَّمُوا حَلَالَهُ وَ اَنَا اَحَقُّ مِمَّنْ غَیَّرَ وَ قَدْ اَتَتْنِی کُتُبُکُمْ وَ قَدِمَتْ عَلَیَّ رُسُلُکُمْ بِبَیْعَتِکُمْ اَنَّکُمْ لَا تُسَلِّمُونِی وَ لَا تَخْذُلُونِی فَاِنْ اَتْمَمْتُمْ عَلَیَّ بَیْعَتَکُمْ تُصِیبُوا رُشْدَکُمْ فَاَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ وَ ابْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ نَفْسِی مَعَ اَنْفُسِکُمْ وَ اَهْلِی مَعَ اَهْلِکُمْ وَ لَکُمْ فِیَّ اُسْوَةٌ وَ اِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَ نَقَضْتُمْ عَهْدَکُمْ وَ خَلَعْتُمْ بَیْعَتِی مِنْ اَعْنَاقِکُمْ مَا هِیَ لَکُمْ بِنُکْرٍ لَقَدْ فَعَلْتُمُوهَا بِاَبِی وَ اَخِی وَ ابْنِ عَمِّی مُسْلِمٍ فَالْمَغْرُورُ مَنِ اغْتَرَّ بِکُمْ فَحَظَّکُمْ اَخْطَأْتُمْ وَ نَصِیبَکُمْ ضَیَّعْتُمْ وَ مَنْ نَکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهِ وَ سَیُغْنِی اللّٰهُ عَنْکُمْ وَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهُ

اے لوگو! رسول خدا (ص) نے فرمایا: جس نے ایسے حاکم کو دیکھا جو ظالم و ستمگر ہو حرام خدا کو حلال کرے اس کے عہد وپیمان کو توڑے سنت رسول کا مخالف ہو۔

بندگان خدا میں گناہ و معصیت کا مرتکب ہو اور وہ اس کی تبدیلی و اصلاح کے لئے اپنے قول و فعل سے کوئی حرکت نہ کرے تو خدا یہ حق رکھتا ہے کہ اس شخص کو ظالم کے ساتھ داخل جہنم کرے ـــ آگاہ رہو! یہ لوگ (یزیدی) شیطان کی اطاعت پر قائم اور رحمٰن کی اطاعت ترک کر چکے ہیں فساد پھیلاتے ہیں اور حدود و نظام کو معطل کر دیا ہے ۔ اموال المسلمین کو اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اور حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر لیا ہے ـــ اور میں اس میں تبدیلی لانے کے لئے دوسروں سے زیادہ سزاوار ہوں حالانکہ تمہارے خطوط بھی میرے پاس آئے ہیں ـــ اور تمہاری طرف سے میری بیعت کئے جانے کی خبر بھی تمہارے قاصد لے کر آئے کہ تم مجھے دشمن کے حوالے کرو گے اور نہ مجھے تنہا چھوڑو گے ۔ اگر تم اپنی بیعت پر آخر دم تک قائم رہے تو یقیناً رشد و ہدایت پاؤ گے کیونکہ میں حسین ابن علی (علیہما السلام) اور رسول خدا (ص) کی بیٹی کا بیٹا ہوں ۔ میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے افرادِ خاندان تمہارے خاندان کے ہمراہ ہیں اور میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل ہوں ۔ اگر تم نے ایسے نہیں کیا ، بیعت توڑ دی اور بیعت کی خلاف ورزی کی تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے تم نے یہی سلوک میرے والد ماجد، بھائی اور چچا زاد (بھائی مسلم) کے ساتھ بھی کیا ہے وہ شخص مغرور ہے جو تمہاری باتوں پر بھروسہ کرے تم نے اپنے نصیب کے حصول میں غلط راہ اختیار کی اور اپنے حقوق ضائع کئے اور جو شخص عہد شکنی کرے گا اس نے خود اپنے نقصان کا سامان فراہم کیا اور میں امید رکھتا ہوں کہ خدا مجھے تم سے بے نیاز فرمائے گا ۔"[1]

---

[1] بحار ج ۴۴ ص ۳۸۲ ۔ طبری ج ۳ ص ۳۰۷ ۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۰ ۔ اس کے کچھ حصے تذکرۃ الخواص ص ۲۱۷ ۔ ۲۱۸ پر بھی مذکور ہیں ۔

ایک اور مقام پر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

...امّا بعدُ فقد نزل بِنا مِن الامرِ ماقد ترون و انّ الدّنیا قد تغیّرت و تنکّرت وادبر معروفُها و لم یبقَ منها الّا صُبابةٌ کصُبابةِ الاناءِ و خسیسِ عیشٍ کالمرعی الوبیلِ الا ترون الی الحقِّ لایُعملُ بهِ و الی الباطلِ لایُتناهی عنهُ لیرغبَ المؤمنُ فی لقاءِ اللهِ فانّی لا اری الموتَ الّا سعادةً والحیاةَ مع الظّالمینَ الّا برماً، النّاسُ عبیدُ الدّنیا والدّینُ لعقٌ علی السنتِهم یحوطونهُ مادرّت معایشُهم فاذا مُحّصوا بالبلاءِ قلّ الدّیّانونَ.

"صورتِ حال جو درپیش ہے وہ تم دیکھ رہے ہو۔ یقیناً دنیا کا حال بدل گیا ہے۔ اس کی نیکی رخصت ہو چکی ہے اور اس میں کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے سوائے تلچھٹ کے جو پانی بہہ جانے کے بعد باقی رہ جاتی ہے اور زہریلی گھاس کی مانند ایک پست زندگی کے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے علیحدگی اختیار نہیں کی جاتی۔ اس صورت میں یقیناً مومن خدا سے ملاقات کی آرزو رکھتا ہے۔ میرے نزدیک تو موت کی صورت میں شہادت صرف اور صرف سعادت ہے اور ظالمین کے ساتھ زندہ رہنا ذلت اور وبالِ جان کے علاوہ کچھ نہیں۔ لوگ دنیا کے غلام بن چکے ہیں اور دین ان کی زبانوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے ان کی تمام تر کوشش اپنے معاشی مفادات کے لئے ہے۔ جب ان کو کسی امتحان میں آزمایا جاتا ہے تو دیانت داری ان سے رخصت ہو جاتی ہے۔"[۱]

آپ علیہ السلام نے اہلِ کوفہ کے خطوط کے جواب میں یہ مکتوب تحریر فرمایا۔ اس میں بھی آپ علیہ السلام نے باقی خطوط کی مانند حاکمِ اسلامی کے اوصاف و شرائط کی نشاندہی فرمائی ہے:

۱۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۸۱، ۳۸۳، طبری ج ۳ ص ۳۰۰، منتخب طریحی ج ۲ ص ۴۳۸، تحف العقول ص ۱۷۶۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. مِنَ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ ؑ اِلَی الْمَلَاْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ. اَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّ ھَانِیاً وَسَعِیْداً قَدِمَا عَلَیَّ بِکُتُبِکُمْ وَ کَانَا آخِرَ مَنْ قَدِمَ عَلَیَّ مِنْ رُسُلِکُمْ وَقَدْ فَھِمْتُ کُلَّ الَّذِیْ قَصَصْتُمْ وَذَکَرْتُمْ وَ مَقَالَۃُ جُلِّکُمْ اَنَّہٗ لَیْسَ عَلَیْنَا اِمَامٌ فَاَقْبِلْ لَعَلَّ اللّٰہَ یَجْمَعُنَا بِکَ عَلَی الْھُدٰی وَالْحَقِّ. وَقَدْ بَعَثْتُ اِلَیْکُمْ اَخِیْ وَابْنَ عَمِّیْ وَثِقَتِیْ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ وَاَمَرْتُہٗ اَنْ یَکْتُبَ اِلَیَّ بِحَالِکُمْ وَاَمْرِکُمْ وَرَأْیِکُمْ فَاِنْ کَتَبَ اَنَّہٗ قَدِ اجْتَمَعَ رَأْیُ مَلَأِکُمْ وَذَوِی الْفَضْلِ وَالْحِجٰی مِنْکُمْ عَلٰی مِثْلِ مَا قَدِمَ عَلَیَّ بِہٖ رُسُلُکُمْ وَقَرَأْتُ فِیْ کُتُبِکُمْ اَقْدِمُ عَلَیْکُمْ وَشِیْکاً اِنْ شَاءَ اللّٰہُ فَلَعَمْرِیْ مَا الْاِمَامُ اِلَّا الْعَامِلُ بِالْکِتَابِ وَالْآخِذُ بِالْقِسْطِ وَالدَّائِنُ بِالْحَقِّ وَالْحَابِسُ نَفْسَہٗ عَلٰی ذَاتِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ.

"... ہانی اور سعید تمہارے خطوط لے کر پہنچے اور یہ دونوں تمہارے سب سے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے ہیں جو کچھ تم نے لکھا ہے میں نے اسے غور سے پڑھا اور سمجھا تم میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ہے آپؑ آیئے، شاید خدا ہم کو آپؑ کی بدولت حق پر جمع فرما دے ـ میں تمہاری طرف اپنے چچازاد بھائی اور معتمد خاص کو روانہ کر رہا ہوں اور انہیں حکم دیتا ہوں کہ وہ تمہارے حالات کی مجھے اطلاع دیں ۔ اگر انہوں نے مجھے یہ اطلاع دی کہ تمہاری جماعت اور اہلِ حل وعقد اس پر متفق ہیں جس کا اظہار تم نے اپنے خطوط میں کیا ہے تو میں عنقریب تمہاری طرف آؤں گا اور واضح رہے کہ امام کے معنی نہیں سوائے اس کے کہ جو کتاب خدا پر عامل، عدالت کا پابند، حق کا تابع اور اپنی ذات کو خدا کی رضا کے لئے وقف کئے ہوئے ہو۔ والسلام "[1]

---

[1] بحار ج ۴۴ ص ۳۳۷ - ارشاد ۲۰۴ - طبری ج ۳ ص ۲۷۸ -

۳۔ ثقافتی پہلو

بنی امیہ کی ایک منصوبے کے تحت یہ کوشش تھی کہ لوگوں کو جاہل اور انجان رکھا جائے اور وہ کسی صورت میں علم معرفت اور اسلامی ثقافت سے بہرہ مند نہ ہونے پائیں خاص کر علوم و معارفِ اہل بیت (ع) جو مدینۃ العلم رسول (ص) تک رسائی کا واحد ذریعہ ہیں، کا دروازہ مکمل طور پر بند کر دیا گیا۔ اس کے برعکس شام میں لوگوں کو یہ بتایا گیا کہ رسولِ اکرم (ص) کے اہل بیت صرف اور صرف بنی امیہ ہیں اور ان کے علاوہ آپ (ص) کا کوئی اور وارث نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اہلِ بیت (ع) کا ذکر ممنوع قرار دے دیا گیا[۱]

لوگوں کو اسلام کی حقیقت سے جتنا دور رکھا جائے اتنا ہی جابر حاکم اپنے اقتدار کو مضبوط کر سکتا ہے۔ چنانچہ بنی امیہ نے چند سرکاری راویوں کو مقرب درگاہ بنا رکھا تھا تاکہ وہ حاکم کے ارادہ و منشاء کے مطابق احادیث وضع کرنے پر ہمہ وقت آمادہ رہیں اس طرح ہزاروں کی تعداد میں احادیث وضع کی گئیں۔ جبکہ بنی امیہ کے دور میں اہلِ بیتِ رسول ص سے معدودے چند احادیث کا تذکرہ کتبِ احادیث میں ملتا ہے۔

امتِ اسلامیہ کی عمومی جہالت سے حاکمِ وقت نے کافی ناجائز فائدہ اٹھایا۔ ایک طرف اسلام کی بیخ کنی ہو رہی تھی۔ تو دوسری طرف نماز، روزہ اور حج کا فریضہ بھی انجام دیا جا رہا تھا۔ عمل تو تھا مگر روحِ عمل سے خالی۔ خلافت اسلامیہ کا مقدس منصب خالی تو نہیں تھا مگر سراپا اس کی توہین ہو رہی تھی۔

ایک قوم و ملت کی تباہی و بربادی صرف حاکمِ وقت کے ظلم و ستم میں ہی مضمر نہیں ہے بلکہ اس کے اصل علل و اسباب، اس کے اجتماعی و نفسیاتی اور ثقافتی ماحول میں پائے جاتے ہیں۔

ص[۱] اس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں "آثار و نتائج" کے ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

بنی امیہ نے ایسا ماحول تیار کر رکھا تھا کہ اس میں جو کچھ بھی وہ کرے اسے قبول کر لیا جاتا تھا۔ اسلام کے اصل خدوخال مسخ ہو چکے تھے۔ ہر طرف ظلم وستم کی یلغار تھی حاکم کے ہر عمل وسلوک کو آئینی حیثیت دینے کی خاطر چند دنیا پرست افراد کو تیار کیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے رسول اکرم (ص) کی مقدس صحبت سے غلط فائدہ اٹھائیں۔

اس وقت ان تمام حالات وماحول کے حاکم ہونے کی اصل وجہ اسلامی روح سے دوری اور جہالت تھی جس پر بنی امیہ ایک طے شدہ منصوبے کے تحت عمل پیرا تھے معاویہ کے دور میں بے انتہا بدعتوں اور مخالف اسلام نظریات واعمال کے ظہور کے باوجود اسلامی ممالک میں کسی گروہ کی طرف سے مخالفت اور حکومت کے خلاف جنگ وجہاد کی کوئی مؤثر لہر نہیں تھی اس کی وجہ حاکم کی غیر انسانی روش اور ظلم وستم کے علاوہ اس میں ایک عنصر یہ بھی تھا کہ انہیں اس بات میں شک وشبہ تھا کہ حاکم کی بیعت کرنے کے بعد اس سے ٹکر لینا جائز ہے یا نہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اہداف میں سے ایک یہ تھا کہ لوگوں کو حق سے روشناس کرایا جائے۔ جہل ونادانی کے بادلوں کو لوگوں کے دل ودماغ سے دور کیا جائے اور علم ومعرفت اور اسلام کا حقیقی چہرہ اہل بیتؑ عصمت کی وساطت سے دوبارہ نمایاں کیا جائے [1]

لہذا حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے مراسلے اور خطبات میں اہل بیت (ع) کے مقام اور حقانیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ علم وسلوک اور معرفت وعمل دونوں اعتبار سے اسلام کے حقیقی محافظ اہل بیت رسول (ص) ہیں جن کی فضیلت ومنزلت کی گواہی خود رسول اعظم (ص) نے دی ہے۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] اس کی مزید تفصیل باب پنجم میں ملاحظہ فرمائیں۔

اَمَّا بَعْدُ اَیُّهَا النَّاسُ فَاِنَّکُم اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ وَتَعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَهْلِهٖ یَکُنْ اَرْضٰی لِلّٰهِ وَ نَحْنُ اَهْلُ بَیْتِ مُحَمَّدٍ(ص) اَوْلٰی بِوَلَایَةِ هٰذَا الْاَمْرِ مِنْ هٰؤُلَاءِ الْمُدَّعِیْنَ مَا لَیْسَ لَهُمْ وَ السَّائِرِیْنَ بِالْجَوْرِ وَالْعُدْوَانِ وَ اِنْ اَبَیْتُمْ اِلَّا الْکَرَاهَةَ لَنَا وَ الْجَهْلَ بِحَقِّنَا وَ کَانَ رَأْیُکُمُ الْآنَ غَیْرَ مَا اَتَتْنِیْ بِهٖ کُتُبُکُمْ اَنْصَرِفُ عَنْکُمْ.

"لوگو! اگر تم خدا سے ڈرو اور حقدار کا حق پہچانو تو یہ خدا کو زیادہ پسند ہے اور ہم اہل بیت رسول (ص) مسلمانوں کی قیادت و خلافت اسلامیہ کے لئے ان تمام لوگوں سے زیادہ اہل اور سزاوار ہیں جو اس منصب کے جھوٹے مدعی ہیں اور مسلمانوں پر ستم ڈھاتے ہیں اگر تم ہم سے کراہت و نفرت پر ہی مصر ہو، ہمارے حق سے انکار کرتے ہو اور تمہاری موجودہ رائے ان خیالات کے مخالف ہے جن کا اظہار تمہارے خطوط میں کیا گیا تھا تو میں واپس چلا جاؤں گا۔"[1]

اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس مطلب کا اظہار اس مراسلہ میں بھی فرمایا تھا جو کہ اہل بصرہ کو ارسال کیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام اہل بیت رسول (ص) کو مقام و منصب قیادت و رہبری کا تمام لوگوں سے زیادہ حقدار و اہل سمجھتے تھے۔[2]

چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت اربعین میں اس نکتہ کی طرف واضح الفاظ میں اشارہ ملتا ہے اور اس جانب توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے کہ آپ (ع) کا مقصد جہالت کے خلاف مظاہرہ کرنا تعلیم کو عام کرنا اور لوگوں کو قوت فکر و تدبر عطا کرنا تھا۔

وبذل مهجته فيك ليستنقذ عبادك من الجهالة وحيرة الضلالة۔

---

[1] ارشاد ص ۲۲۵۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۷۷۔ طبری ج ۳ ص ۳۰۶۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۰۔
[2] اس پر آپ کا خطبہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

"آپنے خوب دل کو تیری راہ میں بہا دیا تاکہ تیرے بندوں کو جہالت و نادانی اور گمراہی سے نجات دلائی جا سکے۔"[1]

۴۔ دینی پہلو

اسلامی نقطۂ نگاہ کے مطابق کوئی بھی مسلمان اسلامی ممالک میں رونما ہونے والے تمام واقعات سے لاتعلق نہیں رہ سکتا اور ہر فرد اپنی قدرت و امکانات کے مطابق مسئول اور ذمہ دار ہے یہ بات بالکل غلط ہے کہ باشعور مسلمان واقعات و حالات کے سامنے خاموش تماشائی بنا رہے اور باقی مسلمان بالخصوص اور انسانیت بالعموم ظلم و ستم، جبر اور استبداد کی چکی میں پستی رہے حضور اکرم (ص) نے اس فریضہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

"کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ

تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام کو اسلام کا فرزند اور قرآن و نظام الٰہی کا شیدائی ہونے کی وجہ سے اس مسئولیت و فریضۂ دینی کا شدت سے احساس تھا اور آپ (ع) نے بنی امیہ کے مسلط کردہ جاہلیت کے تمدن و نظریات کی بیخ کنی اور ہر بدعت و انحراف کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا۔ کیونکہ آپ (ع) کے جد بزرگوار نے فرمایا تھا:

"اذا ظہرت البدع فی امتی فلیظہر العالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنۃ اللہ"

"اگر میری امت میں بدعتوں کا ظہور ہو تو عالم پر فرض ہے کہ سلاح علم سے اس کا

---

[1] مفاتیح الجنان ۴۶۸۔

مقابلہ کرے ورنہ اس پر خدا کی لعنت ہو "۔ ح ۱

چنانچہ اس سلسلے میں خود حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرامین میں کافی حد تک شواہد موجود ہیں چنانچہ آپ (ع) نے فرمایا:

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے باز نہیں آیا جاتا اس ماحول میں ہر مومن کو موت و شہادت کی تمنا کرنی چاہیئے۔ کیونکہ میں اس حالت میں موت کو عین سعادت اور ظالمین کے ساتھ زندگی سراسر اذیت، بدبختی اور عین شقاوت سمجھتا ہوں "۔ ح ۲

لشکر حر کے سامنے بھی اس حقیقت کی طرف واضح الفاظ میں اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"رسول اکرم (ص) نے فرمایا ہے، جو ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ احکام الٰہی میں تبدیلی اور سنت خدا و رسول (ص) کی مخالفت کر رہا ہے اور بندگان خدا کے ساتھ ظلم و تعدی سے پیش آتا ہے اور وہ قول و فعل سے اس ظالم کو نہ روکے تو خدا یہ حق رکھتا ہے کہ اس کو ظالم بادشاہ کے زمرہ میں شمار فرمائے "۔ ح ۳

مذکورہ خطبے میں ایک جملہ یہ بھی ہے جو غور طلب ہے:

"وانا احق ممن غیر۔"

"موجودہ ماحول کے خلاف انقلاب اور تبدیلی لانے کا سب سے زیادہ اہل میں ہوں "۔

ب۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ اسلامی حتمی فرائض میں شمار ہوتا ہے اس فریضہ کی

ح ۱ الکافی ج ۱ ص ۴۴۔ وسائل ج ۱۱ ص ۵۱۰۔
ح ۲، ح ۳ مکمل خطبات گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔

انجام وہی کی تعریف اور اس کے ترک کی مذمت میں قرآن اور سنت میں مسلسل تاکید آئی ہے [۱]

بنی امیہ کا دور بذات خود ایک منکر اور برا دور تھا کیا اسلامی آئین کی رو سے یزیدی حکومت اور پھر اس کی بیعت سے بڑھ کر کوئی اور برائی ہو سکتی تھی ؟

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو تقریباً ہر زمانے میں ترک کیا جاتا رہا ہے مگر اس دور میں جو خطرناک کیفیت طاری ہو چکی تھی وہ منکر اور برائی کو اچھائی اور معروف و اچھائی کو برائی مانا جاتا تھی وہ تمام برائیاں جو معاویہ کے دور میں ظہور پذیر ہوئی تھیں وہ بذات خود اپنی جگہ قائم تھیں اس کے علاوہ وہ خط و راستہ جس پر یزید اپنے اسلاف کی مانند چل رہا تھا بذاتِ خود منکر و بدعت تھا۔ جس کا مقابلہ کرنا شرعاً واجب تھا۔ انقلابِ حسینی کا ایک اہم عنصر یہی فریضہ تھا جس کی انجام دہی آپ (ع) نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا خون بہا کر فرمائی۔

چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے انقلاب کے تاریخی منشور کے اہم نکات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"....اریدان آمر بالمعروف و نھی عن المنکر و اسیر بسیرۃ جدی و ابی ۔۔"

"...میں یہاں سے اظہار کبر ظلم و فساد یا تفریح کے لئے نہیں جا رہا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور اپنے جد بزرگوار اور والد ماجد کی سنت زندہ کروں...." [۲]

حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ فریضہ جس انداز اور طریقے سے انجام دیا اس کی مثال آج

---

[۱] مزید تفصیل کافی ج ۵ ص ۵۵۔ وسائل ج ۱۱ ص ۳۹۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔
[۲] بحار ج ۴۴ ص ۳۲۹۔ یہ خطبہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔

تک کہیں نہیں ملی۔ آپ علیہ السلام اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہوئے اور اپنے پاس جو کچھ تھا وہ سب قربان کر دیا۔ لہٰذا آپ (ع) کے زائرین ان الفاظ میں آپ کی زیارت کرتے ہیں:

"اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوۃَ وَ آتَیْتَ الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَیْتَ عَنِ الْمُنْکَرِ"

"بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (ع) نے نماز قائم کی، زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیا اور معروفات و اچھائیوں کا حکم دیا اور منکرات و برائیوں سے منع فرمایا۔

یقیناً حسین ابن علی (علیہما السلام) نے نہ صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بے مثال انداز سے تکمیل کو پہنچایا اپنے قیام و انقلاب سے بنی امیہ کے ناپاک عزائم پر ڈالے گئے پردۂ مکر و فریب اور جاہلیت کو چاک کیا، ان کے تمام اعمال، حرکات اور نظریات کو اسلامی حدود اور نظریاتی دائرہ سے نکال پھینکا اور ہر یزید زماں سے مقابلہ و جنگ اور جہاد کرنا ایک فریضہ قرار دیا بلکہ اس مردہ ماحول میں امر بالمعروف کے عنصر کو بھی دوبارہ زندہ کیا فراموش شدہ اس فریضہ کے جسم میں نئی روح پھونک دی اور ساکت و جامد اور غیر متحرک رگوں میں اس فریضہ کی انجام دہی کے احساس و شعور کا نیا خون جاری کر دیا جو تا قیامت جاری رہے گا۔

شرائطِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

کیا حضرت امام حسین علیہ السلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرائط پر توجہ نہیں دی؟ علمائے اسلام کتب فقہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی چند شرائط بیان کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا بذات خود خوف اور ضرر سے

محفوظ ہو جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس سلسلے میں سب سے بڑا خطرہ مول لیا اور جان، مال اور ناموس تک خطرہ میں ڈال دیئے !!

اس کا جواب بہت واضح ہے۔ البتہ یہ سوال اور اعتراض راحت طلب افراد کی زبان سے نکل سکتا ہے جو جان و مال اور منصب کے احتمالی خطرہ کا بہانہ بنا کر ادائے واجب سے رکے رہتے ہیں اور ان کی توجہ اسلامی نظریات و احکام اور مسلمین کے عقائد و اقدام کو درپیش خطرات کی طرف کبھی مبذول نہیں ہوتی گویا کہ مسلمانوں پر اغیار کے نظریات کی یلغار، مادہ پرستی اور مادہ پرستوں کا ہجوم، قرآن و اسلام کی توہین اور انبیاء (ع) و نمائندگان الٰہی کی تذلیل ان کے لئے ایسا کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے جس کے لئے وہ اپنی جان و مال اور کرسی، منصب اور مقام کو خطرہ میں ڈالیں۔

اصل میں ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کو خود ساختہ معیار و مقیاس پر ناپنا چاہتے ہیں۔ اور آپ (ع) کے نظریات کو اپنے نظریات کے مطابق قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

لیکن فرزند اسلام حضرت امام حسین علیہ السلام مسلمانوں کی عظمت کے مینار اور بے مثال فرض شناس شخصیت ہیں آپ (ع) نے جب دیکھا کہ بنی امیہ نے پورے اسلام کو تباہی و نابودی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے اور آپ (ع) کے یہ خونیں انقلاب برپا نہ کرنے سے اسلام و قرآن ایک قصہ پارینہ بن کر رہ جائے گا اور اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا تو آپ (ع) نے اپنی جان، مال اور خاندان رسالت (ص) کو خطرہ میں ڈال دیا تاکہ اسلام کی نابودی کا خطرہ ٹل جائے اس طرح آپ (ع) نے قرآن و اسلام کی حمایت کی۔

تبلیغ دین ہر چند اقتضاء کند
گاہی بکشتن و گاہی بکشتہ گشتن است

جو شرائط فقہا عظام بیان کرتے ہیں ۔ یہ اس وقت کے لئے ہیں جب منکرات کے ارتکاب کے اکا دکا واقعات پیش آئیں اور جن کے ارتکاب سے پورے نظام اسلام کی نفی اور نابودی کا خطرہ موجود نہ ہو یہاں پر امن وامان باقی شرائط سمیت لازمی ہے ۔

لیکن اگر مسئلہ روح اور کلِ اسلام کے دفاع سے مربوط ہو تو ہر قادر فرد پر بلا شرط وقید دفاع لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت آیت اللہ العظمیٰ قائدِ عالم اسلام امام خمینی قدس سرہ نے "تحریر الوسیلہ" کے باب دفاع میں اس امر کی وضاحت فرمائی ہے :

" اگر دشمن مسلمانوں کے شہروں اور سرحدوں پر اُمڈ آئے جس سے اسلام اور اسلامی معاشرہ کی نابودی کا خطرہ ہو تو تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ جس طرح ممکن ہو اس کا دفاع کریں اور جان ومال کی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں "[۱]

اسی طرح مرحوم آیت اللہ العظمیٰ آقای محسن حکیم قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ۔

" ہم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق جو شرائط باقی فقہا کی طرح بیان کی ہیں وہ صرف معمولی اور عام منکرات سے مربوط ہیں ۔ جیسے نماز ترک کرنا ، شراب پینا ، لوگوں کے اموال کھانا اور ان کے ناموس پر ظلم کرنا وغیرہ وغیرہ ۔ جن کے ارتکاب سے اصل دین اور روح اسلام خطرہ میں نہیں پڑتی ۔ مگر وہ منکرات جن سے ارکان دین اور اس کی بنیادیں ہلنے کا خطرہ ہو تو ان کا مقابلہ کرنا واجب اور اسلام کی حفاظت میں جان ومال اور ہر چیز کی قربانی ضروری ہے جس طرح اس غرض کی خاطر اکثر اوقات جہاد بھی واجب ہوتا ہے "[۲]

---

[۱] تحریر الوسیلہ مسئلہ ۱ ج ۱ ص ۴۸۵ ۔

[۲] انتظار الامام ص ۱۴۱ ۔ ۱۴۲ ۔

۵-انسانی پہلو

بنی امیہ کے عہد میں دین وعقائد اور اسلام کے اعلیٰ ترین اخلاق ونظام کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ انسانی شرافت، کرامت، عزتِ نفس اور ہر بلند صفت کو انسانیت کے ذہنوں سے مٹا دیا گیا اور انسانوں کو بنی امیہ کے احکام کی تعمیل کے لئے غلام بنا دیا گیا تھا۔ ان میں حریت وآزادی کی رمق تھی اور نہ ہی فکر وتدبر اور سوچ کی صلاحیت باقی تھی۔ یہاں تک کہ ان میں وہ صفات اچھی عادات اور اخلاق بھی مٹ چکا تھا جو قبائلی زندگی میں رسم ورواج کے طور پر پایا جاتا تھا۔ جیسا کہ غیرت وشہامت اور غیر مدمقابل سے مقابلہ کرنے میں عار محسوس کرنا جیسی عادات اور اخلاق بنی امیہ ہمیشہ کے لئے ختم کر چکے تھے۔ اس غیر انسانی اعمال وسلوک کا نمونہ واقعہ کربلا میں عروج پر نظر آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا انسانی ضمیر اور وجدان بھی مر چکا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام یزیدی افواج کو اس نکتہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں:

"اے پیروان آلِ ابوسفیان! دین وعقیدہ، قیامت وحساب اور حشر ونشر سے اگر تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہے اور تم مجھے بے خطا قتل کرنے آمادہ ہو، اسلام وقرآن کے محافظین کو، اسلام کے محافظ ہونے کے جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو اور اسلام کے اصولوں کی حمایت کی خاطر ایک فاسق وفاجر اور شرابی کی بیعت نہ کرنے کے جرم کی پاداش میں تم مجھ سے لڑنے کے لئے آئے ہو تو تمہاری وہ آزادی اور حریت کہاں گئی جو ایک دنیا وماده پرست کے پاس بھی ہوا کرتی ہے! اگر تم خدا سے نہیں ڈرتے تو کیا تمہیں اپنے ضمیر کی ملامت کا بھی خوف نہیں ہے!"

یہ کلام ان پر موثر نہیں ہوا۔ کیونکہ آپؑ کے کلام کے مضمون و معنی کے متعلق سوچنے کی صلاحیت ہی ان میں ختم ہو چکی تھی اور یہ کثیر تعداد میں انسانی شکل میں وحشی جانوروں کی ایک فوج تھی۔

آپ (علیہ السلام) یزیدی افواج سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

یَا شِیعَةَ آلِ أَبِی سُفْیَانَ اِنْ لَمْ یَکُنْ لَکُمْ دِینٌ وَ کُنْتُمْ لَا تَخَافُونَ الْمَعَادَ فَکُونُوا أَحْرَاراً فِی دُنْیَاکُمْ وَ ارْجِعُوا اِلٰی أَحْسَابِکُمْ اِنْ کُنْتُمْ عُرُباً کَمَا تَزْعُمُونَ.

...أَنَا الَّذِی أُقَاتِلُکُمْ وَ تُقَاتِلُونِی وَ النِّسَاءُ لَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ فَامْنَعُوا عُتَاتَکُمْ عَنِ التَّعَرُّضِ لِحَرَمِی مَا دُمْتُ حَیّاً

"اے پیروانِ آل ابوسفیان! اگر تم دین و شریعت کے معترف اور قیامت کے حساب کتاب سے خائف نہیں ہو تو کم از کم تم دنیا میں تو آزاد رہو اور اپنے عرب قبائل کے رسم و رواج کے پابند رہو۔ میں تم سے برسرِ جہاد ہوں اور تم مجھ سے برسرِ پیکار۔ مگر واضح رہے کہ اس تقدیر ساز مقابلے میں عورتیں بے گناہ ہیں تم اپنے ستم گروں کو میرے حرم سے معترض ہونے سے روک لو جب تک کہ میرے بدن میں جان ہے۔" [۱]

۶۔ تحریک کا پہلو

اس کتاب میں بار بار یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام صرف اور صرف راہِ حق میں شہید ہو جانے کو جس کی افادیت عام نہ ہو، پسند نہیں فرماتے تھے

[۱] مقتل المقرم ص ۳۴۶ - طبری ج ۳ ص ۳۰۷

شہادت بذاتِ خود ایک نہایت بلند مقام ہے جو شہید کو ملتا ہے اور شہید کا فرض بھی شہادت کے بعد انجام پاتا ہے نیز شہید کا خون اس کے ہدف کی تکمیل اور حفاظت میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شہید کی شہادت کے اثرات ایک محدود مدت تک باقی رہتے ہیں جو بعد میں کم یا معدوم ہو جاتے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا بڑا اور اعلیٰ ہدف اسلامی نظام و عقیدہ کو ہر قسم کے خطرے سے محفوظ رکھنے کی ضمانت فراہم کرنا تھا۔ یہ ضمانت بھی آپؑ کی شہادت کے فوراً بعد ہی حاصل ہونا مطلوب نہیں تھا اگرچہ اس کا آغاز آپؑ کی شہادت کے فوراً بعد سے ہو گیا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام خوب جانتے تھے۔ اس وقت ملتِ اسلامیہ کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے وہ خیر و شر، نفع و نقصان، فرض شناسی اور اس کی تعمیل کا احساس و شعور کھو چکا ہے اور اس مردہ ضمیر کو اسلام کی دائمی حفاظت کے لئے زندہ کرنا اشد ضروری ہے اسی طرح آنے والے مسلمانوں میں بھی ایسی حرکت اور جنبش پیدا کی جائے جسے کوئی جابر اور آمرانہ حکومت یا کوئی فرد اپنے مفاد کی خاطر ختم نہ کر سکے[۱]

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان مسلمانوں میں جن کے ضمیر مردہ اور سوچ و فکر کی نعمت و صلاحیت سے محروم ہو چکے تھے اپنے دلکش اور زریں فرامین کی وساطت سے ایسا دلگداز اور دلسوز ماحول پیدا کر کے ذہنی اور سماجی عوامل چھوڑے تھے کہ جن کا ثمرہ سانحہ کربلا کے بعد سے ہی ظاہر ہونا شروع ہو گیا۔

آپ (ع) نے اپنے اس تاریخی کلام سے جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے مسلمانوں کو اس طریقے سے ذہنی تذبذب اور متزلزل کیفیت سے دوچار کر دیا تھا کہ وہ یہ

۱۔ اس کی مزید تفصیل باب پنجم میں ملاحظہ فرمائیے۔

محسوس کرنے لگے کہ اگرچہ انہوں نے خود ظالم وجابر حاکم کے اعمال اختیار نہیں کئے لیکن ان پر خاموش رہنے کے جرم میں ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو ظالم وجابر حاکم کا ہوگا۔

اسی طرح آپ (ع) انسانی ضمیر اور مسلمانوں کے احساس و شعور کو ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ ملانے اور اس کو قائم و دائم رکھنے کے لئے زندگی کے آخری لمحات تک باشعور اور فرض شناس افراد سے مدد طلب فرماتے رہے:

اَمَا مِنْ مُغِیثٍ یُغِیثُنَا، اَمَا مِنْ ذَابٍّ یَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللّٰهِ .

"ہے کوئی فریاد رس جو ہماری فریاد سنے؟ کوئی ایسا شخص نہیں ہے! جو انسانیت کی نجات بخشش اور شرافت و کرامت کے پیامبر رسولِ خدا (ص) کی حرمت کا دفاع کرے"[1]

واضح رہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ آپؑ کی نصرت صرف میدانِ کربلا تک ہی محدود رہے کیونکہ آپ (ع) کی شہادت و انقلاب، اعلیٰ مقاصد کی خاطر عمل میں آیا تھا۔ لہذا جس وقت بھی کوئی شخص آپؑ کے مقاصد کی پیش رفت کے لئے کوئی قدم اٹھائے گا تو وہ آپؑ کی فریاد کی فریاد رسی کرنے والا اور حرمتِ رسولؐ و حدود الٰہیہ کی مدافعت کرنے والا قرار پائے گا۔ لہذا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کرہ ارض پر بسنے والے تمام باضمیر اور آزاد خیال انسانوں کو بغیر کسی تمیز کے یہ جاویداں پیغام دیا ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسلامی تعلیمات کو اپنی شہادت سے عملی جامہ پہنایا اور قرآن کریم میں عزت، اللہ، رسول اور مومنین سے مخصوص کی گئی ہے حضرت امام حسین علیہ السلام

---

[1] سخنانِ حسینؑ ص ۱۶۱۔ المقرم ص ۳۲۹۔

نے عملاً مسلمانوں کو بتا دیا کہ عزت کی زندگی کیا ہے اور ذلت کی زندگی کون سی ہے۔

کبھی آپ (ع) فرماتے ہیں کہ ظالم کے ساتھ زندہ رہنے سے گھاٹے اور نقصان کے علاوہ کچھ نہیں ملتا اور اس سے مقابلہ کرتے ہوئے جان دینا آپؑ نہ صرف اپنے لئے عین سعادت و شرافت سمجھتے ہیں بلکہ باقی مومنین کو بھی (ہمیشہ کے لئے) اسی راستے پر گامزن ہونے کی دعوت دیتے ہیں:

"... مومن یقیناً خدا سے ملاقات کا آرزومند ہوتا ہے میرے نزدیک تو موت کی صورت میں شہادت صرف اور صرف سعادت ہے اور ظالمین کے ساتھ زندہ رہنا ذلت اور وبال جان کے علاوہ کچھ نہیں ...." [۱]

ایک اور مقام پر آپ (ع) فرماتے ہیں:

اَلَا اِنَّ الدَّعِیَّ بْنَ الدَّعِیِّ قَدْ رَکَزَ بَیْنَ اثْنَتَیْنِ بَیْنَ السِّلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَ هَیْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ یَاْبَی اللّٰهُ لَنَا ذٰلِكَ وَ رَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَ حُجُورٌ طَابَتْ وَ طَهُرَتْ وَ اُنُوفٌ حَمِیَّةٌ وَ نُفُوسٌ اَبِیَّةٌ مِنْ اَنْ نُؤْثِرَ طَاعَةَ اللِّئَامِ عَلٰی مَصَارِعِ الْکِرَامِ اَلَا اِنِّی قَدْ اَعْذَرْتُ وَ اَنْذَرْتُ اَلَا اِنِّی زَاحِفٌ بِهٰذِهِ الْاُسْرَةِ عَلٰی قِلَّةِ الْعَدَدِ وَ خِذْلَانِ النَّاصِرِ

"آگاہ رہو! دعی بن دعی (حرام زادہ پسر حرام زادہ یعنی زیاد اور ابن زیاد) مجھے دو راستوں میں سے ایک میں محصور کرنا چاہتا ہے۔ تلوار (شہادت) یا ذلت (یزیدی حکومت کو تسلیم کرنا) مگر وہ اس سے غافل ہے کہ ذلت خواری ہماری شان سے دور ہے خدا، رسول خداؐ اور مومنین ذلت و خواری ہمارے لئے پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح پاک دامن غیرت مند اور ظلم و ستم کے سامنے نہ جھکنے والے انسان، کمینے اور پست فطرت افراد کی اطاعت

---

[۱] بحار ج ۴۴ ص ۳۸۱ تا ۳۸۲ - طبری ج ۳ ص ۳۰۷ - منتخب طریحی ج ۲ ص ۴۳۸ ، تحف العقول ص ۱۷۶ -

کو کرامت و شرافت کی شہادت پر ترجیح دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ آگاہ رہو! میں نے ان لوگوں پر اتمام حجت کر دی ہے۔ آگاہ رہو کہ میں اپنے باوفا ساتھیوں کے ہمراہ تعداد کی کمی اور مددگاروں کے نہ ہونے کے باوجود جنگ و جہاد پر آمادہ ہوں ۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقابلہ کس سے تھا

حضرت امام حسین علیہ السلام کے مذکورہ فرامین اور باقی کلام سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ آپ (ع) کا مقابلہ صرف اور صرف یزید کی ذات سے نہیں تھا بلکہ یہ ایک طویل موروثی نظام اور متعدد حکام سے نبرد آزمائی تھی۔ جیسا کہ سابقہ مباحث میں ذکر ہو چکا ہے کہ یزید سے مقابلہ کرنا اسی لئے ضروری تھا کہ وہ اس جاہلیت کے نظام نظریات اور مظاہر کے ایک مرحلے کا نمائندہ تھا اور آپ (ع) نظام جاہلیت سے ہی ٹکر لینے کے لئے کمر بستہ ہوئے تھے دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ آپ (ع) کا اصل مقابلہ جاہلیت کے نظریات، مظاہر، فساد اور برائیوں سے تھا جس کا ظہور و آغاز یزیدی دور سے سالہا سال قبل ہو چکا تھا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یزیدی سے پہلے کے ادوار میں جنگ و جہاد کے جواز میں کوئی شرعی رکاوٹ یا شک و شبہ تھا بلکہ انقلاب کے تمام عوامل و محرکات یزیدی دور سے پہلے بھی مکمل طور پر موجود تھے مگر اس کے لئے اجتماعی، سیاسی اور نفسیاتی ماحول اس انداز سے انقلاب کے حق میں نہ تھا جیسا کہ یزیدی عہد میں اس کے لئے آمادہ تھا یزیدی دور میں انقلاب و قیام کے تمام موانع اور رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں اور یہ عہد گذشتہ ادوار کی نسبت قیام اور مقابلہ کے لئے نہایت موزوں تھا!

---

[1] سخنان حسین ابن علیؑ ص ۲۳۶-۲۳۷

اب ہم آپ (ع) کے فرامین و ارشادات کی روشنی میں اس بات کے شواہد اور دلائل پیش کرتے ہیں کہ آپ (ع) کا مقابلہ صرف یزید بن معاویہ سے نہیں تھا بلکہ ایک موروثی نظام سے تھا جس کی کرسی پر وہ ناجائز طور پر متمکن تھا۔

معاویہ کی ہلاکت کے بعد جب حسین بن علی (علیہما السلام) سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا گیا۔

تو آپ (ع) نے والیٔ مدینہ ولید بن عقبہ سے انکار بیعت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَیُّهَا الْأَمیر اِنَّا اَهلُ بیتِ النُّبوّةِ وَمعدِنُ الرِّسالَةِ وَمُختلفُ الملائکة وَمَهبطِ الرَّحمَةِ بِنافَتَحَ اللّٰهُ وَبِنا یَختِمُ، وَیَزیدُ رَجُلٌ شارِبُ الخمرِ وَقاتِلُ النَّفسِ المُحترمَةِ مُعلِنٌ بِالفِسقِ وَمِثلی لایُبایِعُ مِثلَهُ وَلٰکِن نُصبحُ وَتُصبِحُونَ وَننظُرُ وَتنظُرُونَ اَیُّنا اَحَقُّ بِالخِلافَةِ وَالبَیعَةِ۔

"..... یزید جیسے ایک فاسق، شرابی، قاتل نفس محترمہ اور علی الاعلان گناہ کرنے والے کے ہاتھ پر مجھ جیسا شخص ہرگز بیعت نہیں کرے گا۔"[1]

آپ علیہ السلام کا یہ کلام دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں اہل بیت (ع) کے فضائل و منزلت کا تذکرہ ہے جس کا تذکرہ گزشتہ مباحث میں ہو چکا ہے دوسرا حصہ یزید کی ذات و کردار سے مربوط ہے، جس میں اسے (i) فاسق (ii) شرابی (iii) قاتل نفس محترمہ اور (iv) علی الاعلان فسق و فجور کرنے والا قرار دیا ہے۔ ان چار اوصاف میں سے تین اس میں بوجہ اتم ظاہر تھے لیکن عہد معاویہ سے لے کر حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کرنے تک یزید کب نفس محترمہ کا مجرم تھا؟ تاریخ میں ایسا کوئی شاہد نہیں ملتا کہ وہ واقعہ کربلا سے پہلے قتل نفوس میں ایسی شہرت رکھتا ہو جیسی کہ باقی جرائم میں تھی بلکہ وہ بذات خود عہد معاویہ میں مملکت کے انتظامی امور سے لاتعلق تھا اور اس کا واحد مشغلہ مے خواری، لہو و لعب، زنا کاری،

---

[1] مقتل الامین ص ۲۳ - حیاۃ الحسین ج ۲ ص ۲۵۵ - سخنان حسین ص ۱۲، بحار ج ۴۴ ص ۳۲۵

ناچ گانوں کی محافل برپا کرنا اور اسی طرح کے باقی غیر اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنا تھا۔ لہذا یہ نوبت ہی نہ آئی تھی کہ وہ کسی کو قتل کرے۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کے جرائم اور بداعمالیوں میں سے ایک قتل نفس محترمہ بھی قرار دیا ہے جس میں یہ صفت موجود ہو۔ وہ مسلمانوں کا حاکم بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور جس نے ناجائز طریقے سے خلافتِ اسلامیہ پر قبضہ جما رکھا ہو اس سے مقابلہ کرنا عین جہاد ہے۔

یہاں سے یزید کو قتل نفس محترمہ کا مجرم ٹھہرانے کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ (ع)، کا مقابلہ ایک فرد سے نہیں تھا۔ جس کا نام یزید بن معاویہ تھا۔ کیونکہ اس وقت اگرچہ یزید بذات خود نفس محترمہ کے قتل کا مجرم نہیں تھا لیکن وہ ایک ایسے نظام واقتدار کا وارث بنا ہوا تھا جس کی بنیادیں، ہزاروں بے گناہوں کے خون، جائیدادوں کو لوٹنے اور مسلمانوں کے ناموس کی عصمت دری پر استوار تھیں۔ لہذا بذاتِ خود یہ نظام مجرم اور غیر آئینی ہونے کی وجہ سے اس کا محافظ (یزید) بھی مجرم قرار پاتا ہے۔

آپ (ع)، گویا اس امر کی وضاحت فرمانا چاہتے ہیں کہ یزید اپنے ذاتی جرائم کے علاوہ چونکہ نظام جاہلیت کے جرائم میں بھی شریک ہے اس لئے وہ مجرم ہی رہے گا اور وہ نظام اسلامی جو عدل و انصاف اور مساوات بین المسلمین کا اعلیٰ نمونہ ہے کا نمائندہ قطعاً نہیں ہو سکتا البتہ اس مقامِ الٰہی اور عدل و انصاف کی نمائندگی آپ (ع) جیسا شخص کر سکتا ہے جو موروثی بلند کمالات، بے مثال خاندانی تعلیم و تربیت، فہم و فراست، بے داغ کردار اور اسلام شناسی کی آخری منزل پر فائز ہو اور ان تمام شرائط و کمالات کا حامل ہو جو ایک آئینی حاکم اسلامی میں موجود ہونا لازمی ہیں۔

لہذا آپ (ع) اپنے اس جملے " مجھ جیسا یزید جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا " سے ایک دستور

العمل دے رہے ہیں کہ یہ جنگ و مقابلہ دو افراد کے درمیان نہیں ہو رہا بلکہ یہ مقابلہ باقی نظریاتی و آئیڈیالوجی مقابلوں میں ایک سنگ میل ثابت ہوگا جس کا سلسلہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

ب۔ آپ (ع) اپنے بعض فرامین میں بنی امیہ کا نام لیتے ہوئے ان کے مظالم اور اسلام دشمنی پر مبنی اعمال و سلوک کو انقلاب کے عوامل میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ مکہ سے نکل کر کوفے کی طرف جا رہے تھے۔ تو ابو ہرم (ابو ہرہ) نامی ایک شخص آپؑ کے پاس آیا اور اس نے مکہ چھوڑنے کی وجہ آپ سے دریافت کی۔ آپؑ نے جواب میں فرمایا:

یَا اَبَا هِرَم ! اِنَّ بَنی اُمَیَّةَ شَتَمُوا عِرْضِی فَصَبَرْتُ وَ اَخَذُوا مَالِی فَصَبَرْتُ وَ طَلَبُوا دَمِی فَهَرَبْتُ وَ اَیْمُ اللهِ لَیَقْتُلُونِی فَیُلْبِسُهُمُ اللهُ ذُلاً شَامِلاً وَ سَیْفاً قَاطِعاً وَ یُسَلِّطُ عَلَیْهِمْ مَنْ یُذِلُّهُمْ حَتّٰی یَکُونُوا اَذَلَّ مِنْ قَوْمِ سَبَأٍ اِذْمَلِکَتْهُمْ اِمْرَأَةٌ فَحَکَمَتْ فِی اَمْوَالِهِمْ وَ دِمَائِهِمْ

"اے اباہرم! بنی امیہ نے ہم اہل بیت (ع) پر سب و شتم کیا، ہم نے صبر سے کام لیا۔ انہوں نے ہمارے اموال لوٹ لئے، ہم نے تحمل کیا۔ اب وہ میرا خون بہانے کے درپے ہیں تو میں (حرم خدا و رسول (ص)) میں خونریزی سے) گریزاں ہوا۔"

واضح رہے یہ تمام مظالم عہد معاویہ میں بھی ہوا کرتے تھے۔ اور یہ صرف یزیدی دور سے مخصوص نہیں ہیں۔

ج۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے کلمات اور انقلاب کے منشور کے اکثر الفاظ صیغہ جمع میں ہیں۔ جیسا کہ اس کا ایک نمونہ آپ "من رای سلطان جائراً" میں ملاحظہ کر چکے ہیں اسی طرح یہ بھی واضح رہے کہ یہ تمام فساد و انحراف شیطان کی اطاعت، اللہ کی معصیت، بدی کا ظہور اور سنت

کی پامالی یقیناً معاویہ کی موت کے بعد ظہور پذیر نہیں ہوئے تھے بلکہ اکثر بدعتیں عہد معاویہ میں وجود میں آئیں اور باقی برائیوں کا آغاز اس سے پہلے ہو چکا تھا جیساکہ اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے ۔

د ۔ معاویہ کو بھیجے جانے والے آپ (ع) کے جوابی مراسلے سے واضح ہوتا ہے کہ خونیں انقلاب واقدام کے عوامل ومحرکات معاویہ کے عہد میں بھی پائے جاتے تھے اور اس وقت سے لے کر معاویہ کے ہلاک ہونے تک کوئی نیا جرم اور نئے عوامل ظہور پذیر نہیں ہوئے تھے جس کی وجہ سے انقلاب وقیام عمل میں آیا ہو یعنی اگر وہ عوامل ظہور پذیر نہ ہوتے ہوتے تو حکومت کے خلاف انقلاب اور خروج کرنا ناجائز تصور کیا جاتا ۔ ایسا ہرگز نہیں تھا یزید اور معاویہ ایک ہی نظام کے حامی اور ایک ہی نظریہ کے فروغ کے خواہاں تھے اور دونوں اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے ۔

ھ ۔ اس کے علاوہ آپ (ع) نے اپنے تاریخی اور انقلاب کے سب سے پہلے منشور میں انقلاب کے علل واسباب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا :

"ارید ان آمر بالمعروف وانھی عن المنکر واسیر بسیرۃ جدی و ابی علی ابن ابی طالب "

" میں امر بمعروف اور نہی از منکر کا فریضہ انجام دینا چاہتا ہوں اور میں اپنے جد بزرگوار علی ابن ابی طالب (ع) کی سیرت وراہ پر گامزن رہوں گا " [۱]

اس سے آپ (ع) کے انقلاب کے دور رس عوامل اور ہر فتنہ وفساد کا پتہ چلتا ہے ۔ آپ (ع) اس راہ وخط کا دفاع کرنا چاہتے تھے جس پر رسول اکرم (ص) اور آپ (ع) کے

---

[۱] بحار ج ۴۴ ص ۳۲۹ ۔ مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۱۸۸ ۔ عوالم ص ۵۴ ۔

جد بزرگوار اپنے عہد میں چلتے رہے اور ساری عمر اس راہ کی حفاظت و حمایت کرتے رہے۔ آپ (ع) کے نزدیک ان دونوں ہستیوں کی سیرت و سنت کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ آئینی حیثیت رکھتا ہے اور نہ اسے شرعاً اپنی زندگی، جہاد، جنگ اور دفاع کرنے کے لئے لائحہ عمل اور سر مشق بنایا جاسکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ (ع) کا انقلاب صرف یزیدی حکومت کے خلاف نہیں تھا بلکہ ہر دور کے یزید سے آپ کا مقابلہ تھا اور یہی اصول ہر دور میں کربلا کا لافانی سبق ہے جس پر حسینی مکتبِ فکر کے شیدائیوں کو چلنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا ہے اور یہ حسینی تعلیمات میں سے ایک ہے۔

كُلُّ يَوْمٍ عَاشُورَا وَ كُلُّ أَرْضٍ كَرْبَلَا.

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید　　　　این دو قوت از حیات آمد پدید

عہدِ معاویہ میں انقلاب نہ لانے کے اسباب

یہاں دو سوال کیے جاتے ہیں :

(۱) ۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے صلح کا راستہ کیوں اختیار کیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے جنگ کی راہ کیوں اختیار کی جبکہ نظام ایک ہی تھا ؟

(۲) ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے معاویہ سے مقابلہ کیوں نہیں کیا اور یزید سے کیوں مقابلہ کیا ؟

ہم یہاں پر صلح حضرت امام حسن علیہ السلام کے اسباب اور اس کے نتائج پر بحث نہیں کر رہے۔ ہم صرف اتنا کہتے ہیں کہ جن عوامل نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو صلح کرنے پر مجبور کر دیا تھا انہی عوامل نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو معاویہ کے خلاف انقلاب نہ کرنے پر مجبور کیے رکھا۔

گزشتہ مباحث میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ معاویہ سے جنگ نہ کرنے اور حزبِ مخالف کی حیثیت سے اس کے جرائم کی نشاندہی کرتے رہنے سے ہرگز یہ عندیہ نہیں ملتا کہ اس سے جنگ و جہاد کرنے میں شرعاً اور نظامِ جہادِ اسلامی کے نقطۂ نگاہ سے کوئی شک و شبہ تھا بلکہ اس کے ساتھ مقابلہ کرنا بہترین عمل اور افضل ترین جہاد شمار ہوتا تھا جیسا کہ

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اقوال گزشتہ مباحث میں بیان کئے جا چکے ہیں ۔

حضرت امام حسن و حضرت امام حسین (علیہما السلام) کے معاویہ کے خلاف جنگ و انقلاب کرنے سے دو میں سے ایک نتیجہ برآمد ہوتا تھا اور یہ نتائج مطلوبہ اور ثمر بخش نہ ہوتے :

(ا) ۔ آپ دونوں (ع)، عسکری اعتبار سے غالب آجاتے ۔

(اا) ۔ آپ دونوں (ع)، شہید ہو جاتے ۔

اب ہم ان (ع) کے موقف کی تشریح کرتے ہیں :

حضرت امام حسن علیہ السلام کا موقف

اگر حضرت امام حسن علیہ السلام معاویہ کے خلاف جنگ کرتے تو لامحالہ :

ا ۔ آپ (ع)، معاویہ پر غالب آجاتے یا

اا ۔ معاویہ آپ (ع) کو شہید کر دیتا ۔

(ا) ۔ اگر حضرت امام حسن علیہ السلام معاویہ پر غالب آجاتے یا اسے قتل کر دیتے اگرچہ یہ احتمال اس دور کے اجتماعی، نفسیاتی، سیاسی اور عسکری حالات کے اعتبار سے ناممکن ہے لیکن یہاں ہم اسے فرض کئے لیتے ہیں، تو بنی امیہ کے باقی افراد اور دشمنانِ آلِ علی (ع)، بنی امیۃ کو مظلوم قوم تصور کرتے اور انہیں یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ کل حضرت عثمان کو قتل کیا تھا ۔ آج معاویہ کو قتل کیا ہے اور کل کسی اور کو ضرور قتل کریں گے ۔

معاویہ، بنی امیۃ اور دنیا پرست افراد، حضرت علی علیہ السلام کو قتلِ حضرت عثمان میں شریک سمجھتے تھے اور اسی خون کے انتقام کے بہانے جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان ہوئی ان میں حضرت عثمان کی قمیض کو مرکزی حکومت کے خلاف استعمال کیا گیا اب

اس میں معاویہ کی قمیض کا بھی اضافہ ہو جاتا اور یہ پروپیگنڈا ہوتا کہ حضرت امام علی علیہ السلام قتل عثمان اور حضرت امام حسن علیہ السلام قتل معاویہ میں شریک ہیں اور بنی ہاشم و بنی امیہ کے خاندانی پس منظر اور قدیمی عداوت نے مسلمانوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

اس پروپیگنڈا کے مطابق بنی امیہ کو حق بجانب سمجھا جاتا تو لوگوں کا ردعمل کیا ہوتا؟

یہ وہ لوگ تھے جو ہر آواز کے پیچھے لگ جاتے اور ہر ایک کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ ان میں سوچنے کی صلاحیت ہے نہ تمیز کرنے کی قوت اور نہ حق کی پہچان کہ باطل کی شناخت کر لیتے ان کے نزدیک خلیفۃ المسلمین اور خال المسلمین کی مظلومیت ہوتی اور وہ یہ سمجھتے کہ خاندانی کشمکش یا حکومت و اقتدار کی ہوس نے مسلمانوں کو مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔

(۱۱)۔ اگر امام حسن علیہ السلام اپنے سارے خاندان سمیت شہید ہو جاتے تو بھی معاویہ کی سیاسی شیطنت آپؑ کی شہادت کو اتنی موثر واقع نہ ہونے دیتی۔

معاویہ لفظ صلح سے فائدہ اٹھا کر صلح کی پیشکش کر چکا تھا اور اکثر لوگ جنگ کے مخالف اور صلح و مصالحت کے حامی تھے جس طرح جنگِ صفین کے موقع پر قرآن کی حکمیت کے نام پر معاویہ، حضرت علی علیہ السلام کی فوج میں پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو چکا تھا اسی طرح اگر حضرت امام حسن علیہ السلام کی جانب سے صلح کی پیش کش مسترد کرتے ہوئے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا جاتا اور اس کے نتیجے میں آپؑ اپنی آل اور خواص کے ہمراہ درجہ شہادت پر فائز ہو جاتے تو سب سے پہلے آپ (ع) کے لشکر میں موجود صلح کے حامی اور باقی افراد یہ ضرور کہتے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اپنی اور اپنے خاندان و خواص کی ہلاکت کا باعث بنے ہیں۔ اور وہ معاویہ کو حق بجانب تصور کرتے چونکہ صلح کی پیشکش معاویہ کی طرف سے ہوئی تھی لہذا یہ لوگ کہتے کہ جو صلح و مصالحت کو مسترد کرتا ہے اس کا انجام یہی

ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ معاویہ کو موقع مل جاتا کہ وہ بنی ہاشم اور خاندان رسالت کو بہانے سے قتل کر کے صفحہ ہستی سے ختم کر دے جیسا کہ معاویہ کی خواہش بھی یہی تھی کہ خاندان بنی ہاشم کا ایک فرد بھی زندہ نہ رہنے پائے ۔[1]

حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے خاندان کے ہمراہ شہید ہونے سے فی الواقع ڈرتے نہیں تھے لیکن آپ (ع) کو صرف یہ خوف تھا کہ اتنے افراد کی شہادت تاریخ انسانی و اسلامی میں کہیں رائیگاں نہ چلی جائے۔ آپؑ کے نزدیک اس قسم کی شہادت سے یقیناً یہ بہتر تھا کہ ایک مؤثر، ہمہ گیر اور بت و ظلم شکن شہادت کے لئے ماحول فراہم کیا جائے اور جب راہِ شہادت میں حائل تمام رکاوٹیں اور مزاحمتیں ختم ہو جائیں تب اسلام کی حفاظت کی خاطر نفس نفیس تک کو قربان کرنے پر تیار رہا جائے ۔

اس منصوبہ میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین (علیہما السلام) دونوں شریک تھے لہذا حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام دس سال تک اسی پروگرام پر عمل پیرا رہتے ہوئے اس گھڑی کا شدت سے انتظار کرتے رہے جس میں شہادت کا موقع سنہری ہاتھ آئے ۔

اس کے علاوہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے پیش نظر جو نکتہ ہمیشہ رہا وہ اسلام کا بول بالا کرنا تھا - آپؑ کی شہادت کی صورت میں خاندان اہل بیتؑ کے خاتمہ کے ساتھ اسلام کا بھی خاتمہ ہو جاتا تھا - اور حضرت امام حسن علیہ السلام یہ نہیں چاہتے تھے - آپؑ نے صلح کی تلخی و کڑواہٹ اس لئے برداشت کی کہ اس طرح ایک تو حاکم نظام کی حقیقت کھل کر مسلمانوں کے سامنے آجاتی اور وہ اپنے مشاہدات علم اور یقین سے فیصلہ کرتے کہ معاویہ

---

[1] مروج الذهب ج ۳ ص ۲۸

کیا تھا، دوسرے حاکم نظام کے خلاف قیام کرنے کا ماحول بھی تیار ہو جاتا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مؤقف

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مؤقف بھی وہی تھا جو حضرت امام حسن علیہ السلام کا تھا۔ وہی نامناسب ماحول جس کی بنا پر حضرت امام حسن علیہ السلام صلح قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے بھی موجود تھا۔ معاویہ کے عہد میں فوجی کامیابی کا امکان معدوم تھا اور صرف شہادت کا پہلو باقی تھا۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام ایسی شہادت کے خواہاں نہیں تھے جو ثمر بخش اور پوری انسانیت کو دہلانے والی نہ ہو اور تشدد و جبر کا خاتمہ نہ کر سکے بلکہ جو تا قیامت ہر باطل قوت کو رسوا اور بے نقاب نہ کر سکے اس لئے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام نے حاکم نظام کو مہلت دی جو اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔

حاکم نظام صلح کے بعد حکومت و اقتدار پر قابض ہونے سے بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے آپ کو اس کش مکش و نزاع میں کامیاب و کامران سمجھا کیونکہ اس کے سامنے اس کے علاوہ کوئی اور ہدف نہیں تھا۔

اس طرح حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین (علیہما السلام) معاویہ سے جنگ نہ کر کے اپنے دور رس نتائج کے پیش نظر کامیاب ہوئے کیونکہ معاویہ کے ناپاک عزائم سے پردہ اٹھانے اور ایک عظیم انقلاب کے لئے مناسب ماحول تیار کرنے میں آپ یقیناً کامیاب رہے۔

اس مدت میں معاویہ کے ناجائز اعمال بدعتیں اور اسلامی احکام میں تبدیلی منظر عام پر آ

چکی تھی۔ ہر سطح پر لوگوں کے نظریات بدل گئے تھے اور بنی امیہ کو اسلام دشمن کی حیثیت سے دیکھا جائے لگا تھا۔ لہٰذا جب یہ ماحول پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ معاویہ کی شیطانی سیاست کا بھی خاتمہ ہوگیا تو انقلاب حسین علیہ السلام کی راہ ہموار ہوگئی۔

یہ راہ ہموار کرنے میں صلح حضرت امام حسن علیہ السلام سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اگر انقلاب برپا کیا تو اس انقلاب کے لئے زمین، راہ اور رائے عامہ ہموار کرنے میں حضرت امام حسن علیہ السلام شریک تھے۔ معاویہ سے صلح کرنے کے بارے میں دونوں کا مؤقف ایک تھا۔ اور اس کے ساتھ جنگ نہ کرنا بھی آپ (علیہما السلام) کا مشترکہ وقتی ہدف تھا۔ اس حکمت عملی میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین (علیہما السلام) میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔

چنانچہ صلح کے بعد جب سلیمان بن صرد خزاعی جو وقتِ صلح کوفہ میں موجود نہ تھا نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں آکر صلح پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تو آپؑ نے جو جواب دیا اس کا ایک جملہ یہ تھا:

"فلیکن کل رجل منکم حلسا من احلاس بیتہ ما دام معاویہ حیا فان ھلک ونحن وانتم احیاء سالنا اللہ العزیمۃ علی رشدنا۔"

"تم سب زیر زمین چلے جاؤ، جب تک معاویہ زندہ ہے۔ اگر وہ ہلاک ہوگیا۔ اور میں اور تم زندہ رہے تو خدا سے رشد و ہدایت کے ساتھ عزم و ارادہ کا خواہاں ہوں۔" [1]

سلیمان، حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس گیا اور آپ (ع)، کو حضرت امام حسن علیہ السلام کا پیغام سنایا اور صلح کی پابندی نہ کرتے ہوئے معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے آپ کو

---

[1] الامامۃ السیاسۃ ج ا ص ۱۴۲

کہا۔ مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کا جواب بھی بعینہ حضرت امام حسن علیہ السلام کا جواب تھا[1]۔
حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے معاویہ کے خلاف قیام میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے اور آپ (ع) کی بیعت کرنے پر جب آمادگی ظاہر کی تو آپ (ع) نے ان کی پیش کش یہ کہہ کر مسترد کر دی :۔

"جب تک معاویہ زندہ ہے ایسا کوئی کام مناسب نہیں ہے"[2]

ان مذکورہ وجوہات کے علاوہ معاویہ سے جنگ نہ کرنے کی حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیش نظر ایک اور وجہ بھی تھی اور وہ تھی معاہدۂ صلح[3]۔ توجہ رہے کہ معاویہ کی جانب سے کی جانے والی معاہدے کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے معاہدہ صلح واجب العمل نہیں رہا تھا۔ تاریخی شواہد اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ معاہدہ کی کسی بھی شرط پر معاویہ نے عمل نہیں کیا اور خود معاویہ نے کوفے میں ایک تقریر کے دوران اس کا علی الاعلان اقرار کیا :

"جنگ سے میرا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ تم نمازیں پڑھو یا روزے رکھو، حج کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ سب کچھ تم کرتے ہی تھے۔ جنگ کا مقصد صرف یہ تھا کہ میری حکومت تم پر قائم ہو جائے۔ رہ گئیں وہ شرائط جو میں نے حسن (ع) کے ساتھ کی ہیں وہ سب میرے ان پیروں کے نیچے ہیں۔"[4]

اگر حضرت امام حسین علیہ السلام عہد معاویہ میں انقلاب برپا کرتے تو معاویہ یقیناً معاہدۂ صلح کو آپ (ع) کے خلاف استعمال کرتا اور اسی بہانے سے آپ (ع) کی رہبری میں کی جانے والی

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۴۲۔
[2] ارشاد ص ۲۰۰۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۲۴۔
[3] ارشاد ص ۲۰۰۔
[4] کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۶۴۔

ہر حرکت و جنبش کی سرکوبی کرتا۔ لہذا اگر حضرت امام حسین علیہ السلام غالب بھی آجاتے تو یہ شبہ و خیال کیا جاتا کہ حسین بن علی (علیہما السلام) نے معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی کی ہے اور آپ (ع) کی حیثیت وہی ہوتی جو ایک فاتح فوجی قائد کی ہوتی ہے خود یہ مسئلہ باقی رہ جاتا کہ آیا آپ (ع) کا مقصد صرف اسلام کی برقراری تھا۔ یا اس میں ہوس اقتدار اور جذبہ انتقام بھی شامل تھا؟

اگر آپ (ع) مغلوب ہو جاتے اور فتح، فوجی نظام کی ہوتی تو حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی اور معاویہ جو شیطانی سیاست اور ہر مکر و فریب اور حیلہ استعمال کرنے میں بے نظیر ماہر تھا رائے عامہ کے سامنے قیام حسینی ؑ کو ہر طرح سے ناجائز قرار دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا۔ آپ ؑ کے خلاف پروپیگنڈہ، معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کرنے، تسلیم شدہ حکومت کے خلاف بغاوت کرنے اور امن عامہ میں خلل ڈالنے والے کی حیثیت سے کیا جاتا یا بالآخرہ آپ (ع) کو بھی ان سینکڑوں شہداء کی صف میں شمار کیا جاتا جو معاویہ کے جام غضب کا نشانہ بنے تھے اور ایک عرصہ گذرنے کے بعد فراموش کر دیئے گئے۔

اس کے علاوہ رائے عامہ میں جو حیثیت معاویہ کو حاصل تھی وہ یزید کو حاصل نہیں تھی۔ یزید حکومت جاہلیت کی زمام پر جب قابض ہوا تو وہ تمام رکاوٹیں اور امکانی مواقع زائل ہو چکے تھے جو عہد معاویہ میں موجود تھے۔ یزیدی دورِ حکومت میں مسلمانوں کا نقطہ نظر اور رائے عامہ سابقہ دور سے مختلف تھی۔ یزید کی ذاتی صلاحیتیں اور صفات بھی معاویہ جیسی نہ تھیں ان کے علاوہ یزیدی حکومت تمام بزرگوں کے نزدیک غیر آئینی تھی۔

معاویہ جیسی مکارانہ سیاست، تدبیر امور مملکت کے پرفریب طریقے اپنے ہر اقدام کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کر لینا ضمیر خرید کر یا منصب و سرکاری عہدے دے کر مخالفین کو خاموش کرا لینا یا خفیہ طور پر مخالفین کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا وغیرہ جیسی باپ کی سیاست

بیٹے میں نہیں تھی۔ بیٹے کا دماغ سیاستدان کا دماغ نہیں تھا۔ اس کے ذہن کا محور ناچ گانا، شراب کباب عشق و محبت اور جنسی امور تھے۔[۱]

مناسب وقت میں مناسب انقلاب

دورِ معاویہ ختم ہونے کے بعد یزید کا دور آیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام مسلمانوں کے خیر خواہ اور اسلام کے حقیقی محافظ و دلسوز نگہبان ہونے کے لحاظ سے یزید کی غیر آئینی بیعت تسلیم نہ کرنے کا قطعی فیصلہ کئی سال قبل فرما چکے تھے، اور انقلاب کے لئے ماحول و شرائط فراہم ہونے کے منتظر تھے۔ جب وہ گھڑی آگئی۔ انقلاب کی راہ میں حائل رکاوٹیں جن میں معاویہ کا وجود اور اس کا مکر و فریب اہم عنصر تھا، دور ہوگئیں اور نظام جاہلیت کی جانب سے بیعت کا شدت سے مطالبہ ہونے لگا تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے انقلاب کا پہلا قدم اٹھایا اور وہ تھا یزیدی حکومت کو تسلیم نہ کرنا۔

یزیدی حکومت کو تسلیم نہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ جبر و تشدد اور غیر انسانی اصولوں پر مبنی حکومت جاہلیت سے ٹکر لینا نہایت سنگین نتائج کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

مگر حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اقدام کے انجام سے آگاہ تھے اور آپ (ع) نے جو راستہ اختیار کیا وہ اپنی مرضی، علم اور ارادے سے اختیار کیا۔ حق کی تائید اور جاہلیت کے نظام و نظریات کی رد میں آپ (ع) کی قربانی نہ صرف اسلامی بلکہ پوری انسانی تاریخ میں بے مثال اور منفرد باب ہے۔ کیونکہ راہِ خدا اور اسلام و قرآن کی نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرنے کی غرض سے اس انداز، ایسی خندہ پیشانی ایسے عزم و

---

[۱] اس کی مزید تفصیل باب چہارم میں یزید کی غیر مقبول شخصیت کے ذیل میں پیش کی جائے گی۔

استقلال اور قوتِ ارادی سے کسی اور نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش نہیں کیا اس قیام و اقدام نے انسانی اور اسلامی تمدن و تہذیب کی تاریخ پر اتنے اچھے اور دیرپا اثرات مرتب کئے ہیں جو کسی اور اقدام نے نہیں کیے۔ چنانچہ آپ (ع) کے اس اقدام نے جاہلی تہذیب و تمدن کو بیخ و بن اور مسلمانوں کے دلوں سے اکھاڑ کر پھینک دیا جبکہ کوئی اور قیام یہ کام نہیں کر سکا۔

باب چہارم

بقاء انقلاب حسینؑ کے علل و اسباب

داخلی عوامل ○ اہداف و مقاصد ○ رضائے الٰہی ○ اسلامی اصول کی حفاظت ○ پوری انسانیت کی خیرخواہی ○ حضرت امام حسینؑ کی بےمثال شخصیت ○ احترام حضرت امام حسینؑ پیغمبر اکرم (ص) کے نزدیک ○ یزید کی غیر مقبول شخصیت ○ یزید اپنے کردار کے آئینے میں ○ یزید دوسروں کی نگاہ میں ○ یزید معاویہ کی نگاہ میں ○ یزید اپنے بیٹے معاویہ کی نگاہ میں ○ قاتلانِ حضرت امام حسینؑ کا وحشیانہ سلوک ○ قافلہ اسیران کی کربلا سے مدینہ تک تبلیغ ○ اسیران کے کارنامے ○ خطبات کے اثرات ○ کوفہ میں ○ یزید کا مبنی بر جھوٹ اعلان ○ خارجی عوامل ○ تربت حسینؑ پر سجدہ ○ زیارت ○ زیارت کی اہمیت ○ عزاداری ○ شعر و شعراء ○ زیارت اور عزاداری جہاد ہیں ○ جنت مفت ○ عزاداری کے مقاصد ○
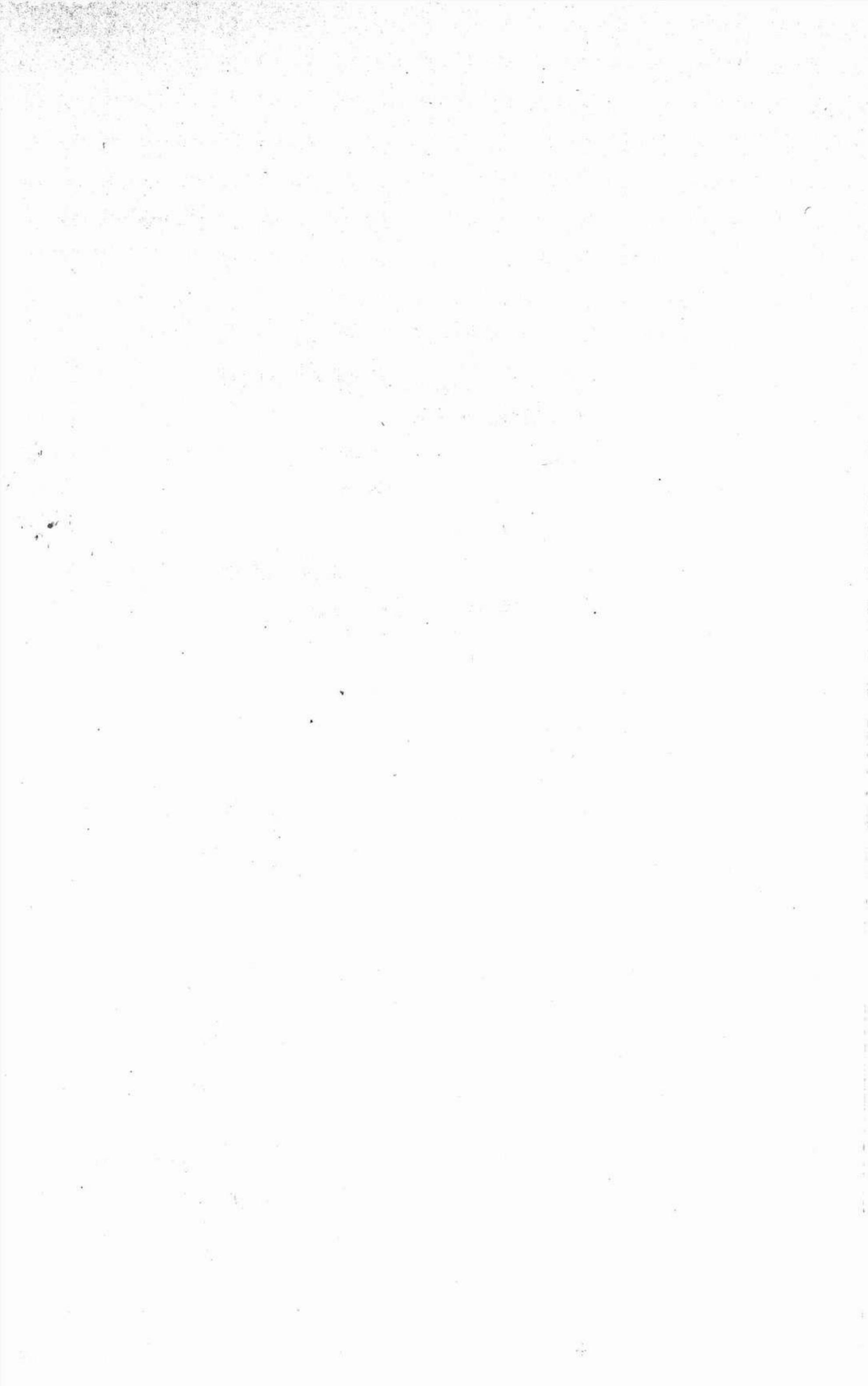
تاریخ انسانی میں بہت سے انقلابات رونما ہوئے ہیں۔ چنانچہ تاریخ مسلمین میں اسلام کی خاطر بڑے بڑے جانگداز اور ایثار و قربانی کے جذبے سے سرشار بے شمار واقعات پیش آئے مگر یہ سب کتب تواریخ تک محدود ہو کر رہ گئے۔ ان تمام واقعات کے برعکس سانحہ کربلا میں ایسا کون سا راز ہے کہ یہ واقعہ نہ صرف پرانا نہیں ہوتا بلکہ ہر سال، ہر ماہ اور ہر محرم میں یہ نیا پیغام تازہ جوش و ولولہ، عجیب عشق و محبت اور روح جہاد دے کر آتا ہے گویا کہ یہ واقعہ ابھی ابھی پیش آیا ہو سینکڑوں برس گزرنے کے باوجود کربلا نہیں بھولی بلکہ ہر زمین ایک اور کربلا میں تبدیل ہو گئی۔

۶۱ ھ کا یہ دلخراش واقعہ آج تک مسلسل زندہ و جاوید چلا آ رہا ہے۔ بلکہ ہر دن عاشورہ کا نمونہ بن چکا ہے۔

"کان کل مکان کربلا لدی
عینی وکل زمان یوم عاشوراء"
میری آنکھوں کے سامنے ہر مقام
کربلا اور ہر زمانہ عاشورہ ہے

حضرت امام حسین علیہ السلام شہید اور سالار شہداء جیسے بلند و بالا مقام پر فائز ہونے کے علاوہ شہادت و جہاد کا رمز و راز کیونکر بنے؟

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے دور کے ظالمین سے نبرد آزما ہوئے تھے لیکن اب بھی آپؑ کا نام ہر ظالم کے سامنے تلوار بن کر کیوں آتا ہے؟

آپؑ انتہائی مظلومیت کے عالم میں شہید ہوئے مگر یہ کیا راز ہے کہ آپؑ ہر مظلوم و محروم کا سہارا ہیں ؟

"ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین (علیہ السلام) یہ کیا راز ہے" ؟

آخر وہ علل و اسباب کون سے ہیں جو انقلابِ حسین علیہ السلام کو بقاء و دوام بخشتے ہیں ؟

یقیناً اس انقلاب کی بقاء کے عوامل میں سب سے پہلے عنایت الہٰی کا عنصر روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ جس طرح حضرت حسین بن علی (علیہما السلام) کی شہادت مرضی الہٰی اور مطلوبِ خداوندی کے عین مطابق واقع ہوئی تھی اسی طرح اس کی بقاء و جاودانی بھی اسی ذاتِ لایزال کی خاص عنایت، مخصوص رحمتوں اور لطف و کرم کی بدولت ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان ظاہری علل و اسباب کی تلاش اپنی جگہ ہے جو اس انقلاب میں روحانی عوامل کے ساتھ حکم فرما تھے۔

انقلابِ حضرت امام حسین علیہ السلام کی بقاء و حیات کے ہمارے خیال میں دو عوامل ہیں :

i۔ داخلی عوامل۔

ii۔ خارجی عوامل۔

داخلی عوامل سے مراد وہ تمام اسباب ہیں جن کا انتظام اور بندوبست خود حضرت امام حسینؑ نے انقلاب کے دوران فرمایا تھا۔ یا دونوں فریقوں کی اجتماعی حیثیت، اغراض و مقاصد اور وہ تمام حرکات و سکنات اور افعال ہیں جو حادثہ کربلا میں انجام دیئے گئے تھے یہ بقاء انقلاب کے ایسے علل و اسباب ہیں جو کربلا کا ذکر ہوتے ہی ذہن میں تداعی معنی کی طرح آجاتے ہیں۔

اس میں یہ عوامل شامل ہیں۔

الف ۔ انقلاب کے اہداف و مقاصد۔

ب ۔امامؑ کی بےمثال شخصیت ۔

ج ۔یزید کی غیر مقبول حیثیت ۔

د۔ قاتلان حضرت امام حسین علیہ السلام کے وحشیانہ مظالم ۔

ھ ۔قافلۂ اسیرانِ کربلا کی کربلا سے مدینہ تک تبلیغ ۔

خارجی عوامل سے مراد وہ افعال، اقدامات ہیں ۔جو واقعہ کربلا سے پہلے یا بعد میں اس کے احیاء کے لئے خود حضرت رسول اکرم (ص) اور باقی آئمہ معصومین (ع) نے انجام دیئے اور فرامین ارشاد فرمائے:

الف ۔حسینی تربت پر سجدہ کا استحباب ۔

ب ۔ زیارت حسینؑ کی تاکید ۔

ج ۔عزاداری ۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اور بھی انقلابات اور جانگداز واقعات رونما ہوئے ہیں مگر اُن میں اور انقلاب حسین علیہ السلام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اُن میں مذکورہ علل واسباب یا تو سرے سے موجود نہیں تھے اور اگر موجود تھے تو بہت تھوڑے سے تھے ۔انقلاب حسین علیہ السلام میں مذکورہ عوامل بحیثیت مجموعی اس کی بقاء وجاودانی کی ضمانت فراہم کرتے ہیں ۔اب ہم ان عوامل کی وضاحت نذر قارئین کرتے ہیں :

۲۔ داخلی عوامل

ا۔ اہداف و مقاصد

کربلا کے عظیم انقلاب کے اہداف و مقاصد پر خود حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرامین کی روشنی میں تفصیلاً بحث ہو چکی مگر یہاں اس کا دوبارہ ذکر اس باب کے عنوان کی مناسبت سے کیا جاتا ہے اور اس باب سے مربوط اس کا خلاصہ تین چیزوں میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ رضائے الٰہی: آپ (ع) کے اقدام کا ہر پہلو اور واقعۂ کربلا کے مجموعی عوامل و محرکات اس بات پر روشن گواہ ہیں کہ اس انقلاب میں سراسر رضائے الٰہی کارفرما نظر آتی ہے۔

آپؑ نے اپنا سب کچھ مادیات سے لے کر جان تک رضائے الٰہی کے لئے فنا کر دیا اور جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر فنا ہوتا ہے وہ اپنے وجود کی بقاء و دوام کے اسباب خود فراہم کرتا ہے۔ اس کے برعکس جو مادہ و نفس، مادہ و نفس پرستی اور غیر اللہ کے لئے فنا ہوتا ہے۔ وہی اپنے وجود کی فنا و نابودی کے وسائل و اسباب فراہم کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کمیل بن زیاد کے ایک سوال کے جواب میں نفس انسانی کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے یہ حقیقت بیان فرماتے ہیں:

"بقاء فی فناء ونعیم فی شقاء وعز فی ذل وفقر فی غناء وصبر فی بلاء۔"

فنا میں بقا، شقاوت میں نعمت، ذلت میں عزت، فقر میں غنا اور آزمائش میں صبر و شکیبائی ہے[1]

اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے امیری
میراث مسلمان ہے سرمایہ شبیری (اقبال)

۱۱۔ اسلامی اصول کی حفاظت:

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

حسینی انقلاب کا اہم ترین عنصر اسلامی نظام کو نظام جاہلیت کے حامیوں کے شکنجے سے نجات دلانا اور اس کی حفاظت کی خاطر ایسے رہنما اصول وضوابط وضع کرنا تھا جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رہ سکے۔

اسلامی عقاید و نظریات، مسلمانوں کی تقدیر، اخلاق کی قدر و قیمت اور حکمرانی کے زندہ اصول و قواعد وضع کرنے کے ساتھ ساتھ مذکورہ امور کی حفاظت اور ان کا دفاع کرنے کے لئے نئے نئے عملی اقدامات اور بروقت فوری حل وعلاج کے پیش نظر اپنا سب کچھ لٹا دینے کا جو بے مثال درس اور ایثار و قربانی کا جو بے نظیر نمونہ آپ (ع) نے پیش کیا وہ کوئی دوسرا فرد پیش نہیں کرسکا۔ دین حق کی حفاظت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا حتیٰ کہ نفس نفیس سمیت کم سن بچے تک کی قربانی اور مسلمانوں کے دلوں سے فراموش شدہ جذبہ جہاد کو زندہ کرنا ایسے کارنامے ہیں جو آپ (ع) کے علاوہ کوئی اور شخص پیش نہیں کرسکا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے منفرد اقدام کے ذریعے اسلامی اصول کی نگہبانی

---

[1] فلسفۃ الاخلاق الاسلامیہ ص ۳۵۶ از الحقائق فیض کاشانی ص ۳۶۶-

کے اسباب فراہم کئے جو کہ اصول و نظام اسلام کی طرح زندہ و جاوید رہیں گے۔ درحقیقت آپ (ع) نے ایک تیر سے دو شکار کئے۔ اسلام کی بقار و حفاظت کے اسباب فراہم کرنے میں خود آپ (ع) کی بقار و جاویدانی کے اسباب بھی مضمر تھے۔ چنانچہ قرآن کی صریح آیات کے مطابق جو اس راہ میں شہید ہوتا ہے وہ اپنے زندہ و جاوید ہونے کے اسباب خود فراہم کرتا ہے:

ولاتقولوا لمن يقتل فی سبيل الله امواتا بل احيار ولكن لاتشعرون (۲: ۱۵۴)

"اور جو لوگ راہِ خدا میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں"۔

ولاتحسبن الذين قتلوا فی سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم . يرزقون فرحين بما اتاهم الله من فضله ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم الاخوف عليهم ولاهم يحزنون يستبشرون بنعمة من الله وفضل وان الله لا يضيع اجر المؤمنين (۳: ۱۶۹-۱۷۱)

"اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ تصور نہ کرو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ اس سے خوش ہیں اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔ اور اب تک ان سے آنہیں ملے ہیں ان کے بارے میں خوشخبری پاتے ہیں کہ ان پر کسی طرح کا خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے خدا کی نعمت اور فضل کی خوشخبری پاتے ہیں اور اس کی کہ اللہ مومنوں کے کسی اجر کو ضائع نہیں کرتا"

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نظام اسلام ایک مخصوص وقت، محدود گروہ، قبیلہ یا قوم کے لئے نہیں آیا تھا۔ یہ نظام خداوندی ہے کہ اپنے بندوں کی فلاح وبہبود کی خاطر اس نے آخری نظام کی حیثیت سے اسے نازل کیا تاکہ رہتی دنیا تک ہر فرد، قبیلہ اور ہر معاشرہ اس نظام کے خطوط اور اس کی بتائی ہوئی تعلیمات کو اپنی زندگی کے ہر پہلو اور شعبے پر نافذ کرے یہ نظام نہ منسوخ ہوگا اور نہ اس پر عمل کیا جانا معطل کیا جائے گا بلکہ یہ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

لہذا یہ ایک فطری نتیجہ ہے کہ جو اس قانون کی حفاظت نگہداشت، بقاء اور نشاۃ ثانیہ کے لازوال اسباب فراہم کرے گا۔ اس کا نام اس کارنامے کا جزو لاینفک تصور کیا جائے گا، اس قانون کے اہداف ومقاصد کی تکمیل کے منفرد باب اور اس کی علت مبقیہ کی حیثیت اسے حاصل ہو جائے گی۔

چنانچہ محافظِ نظام کو خود اس نظام سے جدا کرنا اور اسے الگ وجود تصور کرنا ایسے سنگین اور نامطلوب نتائج کا متقاضی ہے جن کا تدارک خارج از امکان ہوتا ہے اور اس سے وہی صورت حال اور ماحول پیدا ہو سکتا ہے جو واقعہ کربلا سے پہلے تھا اور جس کے انسداد کے لئے یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

iii۔ **پوری انسانیت کی خیر خواہی** ؛ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اہداف میں سے ایک ساری مظلوم اور پسی ہوئی انسانیت کے حقوق کی بحالی تھا۔

گزشتہ مباحث میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ بنی امیہ کے دور میں انسانی کرامت وشرافت عزت اور حقوق کا نام ونشان تک نہ تھا۔ حاکم نظام کی جو غلامی قبول کر لے وہ غلامی کی حد تک زندہ رہ سکتا تھا۔ اور جو اس کا ساتھ نہیں دیتا تھا اسے نہ صرف صاف وشفاف بلند اسلامی حقوق سے محروم ہونا پڑتا بلکہ انسانیت کے مشترکہ حقوق سے بھی اسے محروم کر دیا

جاتا تھا

حضرت امام حسین علیہ السلام حقوقِ انسانی کے محافظ اور محروم و مظلوم قوموں کے مدافع کی حیثیت سے ظالم کے ساتھ لڑنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جیسا کہ انسانی عدالت کی آواز آپ کے والد گرامی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے آخری وصیت میں فرمایا تھا:

"کونا للظالم خصما و للمظلوم عونا"

"ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہنا۔" [1]

نیز آپ نے فرمایا:

و ما اخذ اللہ علی العلماء ان لا یقاروا علی کظۃ ظالم ولا سغب مظلوم لالقیت حبلہا علی غاربہا ولسقیت اٰخرھا بکاس اولہا ولالفیتم دنیاکم ھذہ ازھد عندی من عفطۃ عنز [2]

اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پُری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابلِ اعتنا پاتے"۔ مظلوم اقوام کی حمایت میں ظالموں اور جابروں سے لڑنے کا اصول سب سے پہلے قرآنِ حکیم نے وضع کیا تھا:

مالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح وصیتہ ۴۷ ص ۴۲۱۔
[2] " " " خطبہ ۳ ص ۵۰۔

والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا "[۱]

(اور مسلمانو!) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان کمزور اور بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں (کو کفار کے پنجہ سے چھڑانے) کے واسطے جہاد نہیں کرتے جو (حالت مجبوری میں) خدا سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے کسی طرح اس بستی (مکہ) سے جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں ہمیں نکال اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا سرپرست بنا اور تو خود ہی کسی کو اپنی طرف سے ہمارا مددگار بنا۔"

لہذا حضرت امام حسین علیہ السلام جو اسلامی تعلیمات کا عملی مجسمہ اور فرزندِ قرآن تھے، کس طرح تحمل کرتے اور قرآن کی مذکورہ آیت سنتے اور اس کی آواز پر لبیک نہ کہتے۔ آپؑ فرض شناسی اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، نظام جاہلیت اور ظالم سے نبرد آزما ہوئے آپؑ نے ذاتی اور نفسانی خواہشات سے بالاتر ہو کر ساری محروم انسانیت کی فلاح و بہبود اور اس کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لئے، انسانی و اخلاقی تمام مشترکہ اصولوں کا دفاع کیا اور انسان کو محدود کرنے والی زمانی و مکانی، نسلی اور خونی رکاوٹوں سے دور رہے لہذا آپؑ ہر باضمیر انسان کے محبوب قرار پائے۔ جب تک انسانی بلند اصول و اخلاقی ضوابط جاوید و باقی ہیں۔ آپ (ع) بھی جاوید و باقی رہیں گے۔ کیونکہ آپؑ کے انقلاب کا مقصد ابتداء سے انتہا تک مذکورہ اصول و نظریات کی برقراری اور بقا تھی۔

دنیا کی تاریخ میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو صرف واقعہ کی حد تک محدود

---

[۱] ۴:۷۵۔

رہتے ہیں اور انفرادی و اجتماعی زندگی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا اسی طرح کچھ ایسے واقعات بھی رونما ہوتے ہیں جن کا معاشرہ اور فرد کی زندگی سے جزوی تعلق ہوتا ہے تیسری قسم کے واقعات مذکورہ دونوں قسموں سے مختلف ہوتے ہیں یعنی انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے ان کا مضبوط رشتہ ہوتا ہے اور ان کے وجود کے علل و اسباب خود معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے اہداف و مقاصد، معاشرے کی سماجی، فکری اور اخلاقی اصلاح میں مضمر ہوتے ہیں یہ واقعات سالوں گزر جانے کے باوجود ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا انقلاب بھی اسی قسم کا ایک بے مثال نمونہ ہے اس انقلاب کی جڑیں اسلامی تاریخ اور بلند انسانی اخلاق کی اصلاح و حفاظت میں مرکوز ہیں۔ لہذا جب تک اسلام اور انسانی شرافت و کرامت کا تذکرہ باقی ہے حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذکر لازماً ہوتا رہے گا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام حق و عدالت کی برقراری کی راہ میں شہید ہوئے حق و عدالت کسی خاص فرد یا گروہ سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ پوری انسانیت کا پیدائشی حق ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے پوری انسانیت کو درس زندگی دیا ہے آپؑ نے آزادی و حریت کی خاطر ہر چیز کی قربانی دینا قبول کیا۔ لیکن ذلت و غلامی کی زندگی کسی بھی شکل میں گوارا نہ فرما کر ایک کارنامہ انجام دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جہل و پسماندگی کے خلاف مقابلہ کیا تاکہ ہر میدان میں ترقی اور تہذیب و تمدن کو فروغ حاصل ہو۔ یہ سب ایسے اصول ہیں جن میں تمام بشر بغیر کسی امتیاز کے شامل ہیں۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے اہداف انقلاب میں مشترکہ انسانی اصول خاص مقام کے حامل ہیں اور آپؑ کے اقدام کی ماہیت وحقیقت میں انسان کے پامال شدہ حقوق کی بحالی ایک مسلمہ حقیقت ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ آپ (ع) کی بقاء جاویدانی اس وقت تک برقرار رہے جب تک انسان کی عزت وشرافت وکرامت اور حقوق کا نام موجود ہے۔

چنانچہ سابقہ ابواب میں تذکرہ کر چکا ہے کہ آپؑ کا انقلاب ایک مخصوص گروہ یا خاص مذہب کی ترویج کے لئے رونما نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس سے ایک طرف پوری انسانیت کے حقوق کی بحالی منظور تھی۔ تو دوسری طرف اسلام کے تمام مفاہیم اور تعلیمات کو رواج دینا مقصود تھا کیونکہ آپؑ اپنی ملکیت نہیں بلکہ پوری انسانیت کا سرمایہ ہیں۔ لہذا آپؑ نے اپنے آپ کو سارے انسانوں پر قربان کر دیا اور آپ (ع) پورے معاشرے کی اصلاح وہدایت کی راہ میں فدا ہو گئے۔ لہذا آپؑ کا وجود انسانی وجود سے مل گیا اور ہر فرد وبشر آپ (ع) کو اپنا قلبی محبوب سمجھتا ہے۔

ب۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی بے مثال شخصیت

انقلاب حسین علیہ السلام کی بقاء کے علل واسباب میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کو بڑا دخل حاصل ہے۔

ہر واقعہ وحادثہ کی بقاء وحیات جاوید میں اس حادثہ کے مالک کا وجود نہایت مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ اس وجود کی محبوبیت کے مطابق اس کا کارنامہ بھی محبوب ہوتا ہے اور اس طرح اس واقعہ کو ایک نیا وجود مل جاتا ہے اگر کسی واقعہ کا مالک لوگوں میں اتنا محبوب

نہ ہو اور اس کی شخصیت کسی خاص اہمیت کی حامل نہ ہو تو اس کے کارنامے بھی جلد ہی بھلا دیئے جاتے ہیں اور ایک محدود مدت میں سب چیزوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت عالم اسلام کے افق پر اظہر من الشمس تھی اور شمع ہدایت بن کر پوری دکھی انسانیت کے نجات کا سامان فراہم کر رہی تھی۔ آپ (ع) کے مقابلے میں کوئی ایسی شخصیت موجود نہیں تھی جو آپ (ع) کی جگہ سنبھال سکے۔ چنانچہ آئندہ مباحث میں ہم اس کا ثبوت فراہم کریں گے ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کا ہم چند زاویہ نگاہ سے مطالعہ کر سکتے ہیں۔

i - از نظرِ قرآن ۔

ii - از نظرِ رسول اکرمؐ ۔

iii - از نظرِ مسلمان ۔

قرآن کریم میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں سینکڑوں آیات موجود ہیں اس کے علاوہ لاتعداد احادیث نبوی آپ (ع) کی شان و منزلت بیان کرتی ہیں ۔ اسی طرح آپؑ کی شخصیت اور بے مثال کردار میں کوئی فرد شریک نہیں ۔

فی الحال ہم آپ کی شخصیت کے مذکورہ تمام پہلوؤں پر بحث کرنا نہیں چاہتے بلکہ آپؑ کے اجتماعی و سیاسی پہلو کی ایک جھلک پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں یعنی اس محبت و احترام پر گفتگو ہوگی جس کا اظہار آنحضرت (ص) بزرگ صحابہ، رجالِ سیاست اور علمی شخصیات نے فرمایا ہے ۔

احترام حضرت امام حسینؑ، پیغمبر اکرم (ص) کے نزدیک

نبی اکرم (ص) حضرت امام حسین علیہ السلام کا بے حد احترام کرتے تھے یہ ایسا واقعہ ہے

جس سے تمام مسلمان بخوبی آگاہ تھے۔ آنحضرت (ص)، کبھی حسین علیہ السلام کو اپنے دوش مبارک اور کبھی پشت مبارک پر بٹھاتے تھے۔ اور اپنے دامنِ مہر و عطوفت میں بٹھا کر کبھی حضرت امام حسن (ع) کا بوسہ لیا کرتے تھے اور کبھی حضرت امام حسین علیہ السلام کا۔ کبھی آپ صلی علی الاعلان فرمایا کرتے کہ حسن و حسین (علیہما السلام) کا رونا مجھے گوارا نہیں ہے۔ اس طرح آپ (ص) اپنی حیاتِ طیبہ میں ہر مناسب مقام پر مسلمانوں کو یہ عملاً اور قولاً سمجھاتے رہے کہ حسنین (علیہما السلام) کا مقام کتنا بلند ہے اور وہ آپ (ص) کو کتنے عزیز ہیں۔ لہذا ہر مخالف و موالی یہ حقیقت تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، آنحضرت (ص) کے محبوب ترین افراد میں سے تھے۔

چنانچہ مسلمان عام طور پر حضرت امام حسین علیہ السلام کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ (ع) کا احترام اور آپ (ع) سے محبت کرنا رسول اکرم (ص) کا احترام اور آپ (ص) سے محبت کرنے کے مترادف سمجھتے تھے۔ درحقیقت مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ رسولِ اکرم (ص) کے فرامین کے مطابق محبت و احترامِ رسولِ اکرم (ص) کا مفہوم اس وقت صحیح ہے جب اس کے ساتھ ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کا احترام بھی کیا جائے اس کے علاوہ محبت و احترام حضرت امام حسین علیہ السلام محبتِ خدا کے ہم معنی بھی ہے۔[1]

"حسین منی وانا من حسین احب اللہ من احب حسینا" (رسول اعظم ص)

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین (ع) سے ہوں اللہ اسے دوست رکھتا ہے جو حسین (ع) کو دوست رکھے۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام کی رگوں میں جاری خون، آنحضرت (ص) کا خون تھا۔ آپ ع کے

---

[1] نور الابصار ص ۲۲۰ - ینابیع المودۃ ج ۲ ص ۸۴ -

بدن کا ٹکڑا آنحضرت (ص) کے تمام پہلوؤں کا حصہ تھا۔ چنانچہ آپ (ع) کا روحانی اور اخلاقی رویہ آنحضرت (ص) کے اخلاق و روحانیت کا مجموعہ تھا۔ لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف اقدام کرنا درحقیقت آنحضرت (ص) سے بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔ آپؑ کے قاتلوں کو نہ صرف آپ (ع) کا بلکہ نفس نفیس رسول اکرم (ص) کے قاتل تصور کیا جاتا ہے اور سرزمین کربلا پر آپ (ع) کا خون بہنا آنحضرت (ص) کا خون بہانے کے ہم معنی ہے۔

لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلین اور آل رسول (ص) کو قیدی بنانے والے، مسلمانوں کی نگاہ میں اس قدر منفور اور ذلیل ہو گئے جس قدر حضرت امام حسین علیہ السلام کے احترام و محبت میں اضافہ ہوا۔

آپ (ع) کے اقدام کو جتنا تقدس حاصل ہوا کسی اور کے اقدام کو اتنا تقدس حاصل نہیں ہوا اور یہ تقدس لوگوں کے قلب و ضمیر پر اثر انداز ہوا جو کہ خود بخود اس انقلاب کی بقاء کا ایک سبب بن گیا۔

درحقیقت حضرت امام حسین علیہ السلام کا جو احترام مسلمانوں کے دلوں میں موجود تھا وہ آپ (ع) کی اپنی صلاحیت اور بلند کمالات کے علاوہ اس مقام و احترام کا انعکاس بھی تھا جس کا اظہار آنحضرت (ص) بار بار کر چکے تھے اس کا مشاہدہ اصحاب رسول اکرمؐ خود کر چکے تھے۔ اور ابھی تک رسول اکرم (ص) کا یہ خاص رویہ ان کے دلوں سے محو نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ تابعین بھی بالواسطہ آپ (ع) کے بلند مقام اور بے مثال تقدس سے آگاہ تھے۔

ہم یہاں پر بطور شاہد اس زمانے کی چند شخصیتوں کے افعال و اقوال نقل کرتے ہیں جو

حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق ان سے مروی ہیں:

حبرالامہ ابن عباس

"کان ابن عباس یمسک برکاب الحسن والحسین (ع)، حتی یرکبا و یقول: هما ابنا رسول الله (ص)" [۱]

"ابن عباس حضرت حسنین (علیہما السلام) کی رکاب تھام لیتے تاکہ آپ دونوں سوار ہو جائیں پھر کہتے کہ یہ دونوں فرزندان رسولؐ ہیں"

ابن عساکر لکھتے ہیں کہ حضرت حسنین (علیہما السلام) کا احترام کرنے پر جب ابن عباس کی مذمت کی گئی تو انہوں نے کہا:

"یہ دونوں فرزندانِ رسول اللہ (ص) ہیں کیا یہ میرے لئے سعادت نہیں کہ میں ان کی رکاب تھام لوں" [۲]

ابوھریرہ

حضرت امام حسین علیہ السلام کسی کی تشیع جنازہ میں شرکت کے بعد تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھ کر آرام فرمانے لگے۔ ابوھریرہ، جو خود بھی اس جنازے کے ساتھ تھا، حضرت امام حسین علیہ السلام کے مبارک قدموں سے گرد و غبار اٹھانے لگا حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابوھریرہ سے کہا:

"....وانت تفعل هذا؟"

"میرے لئے تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

---

[۱] عنف الرسول ص ۳۰۹ از طبقات ابن سعد و ابن جوزی۔

[۲] تاریخ ابن عساکر ص ۱۴۶ تحقیق آثار محمودی جلد مخصوص بہ امام حسین علیہ السلام، تذکرۃ الخواص ص ۲۱۲۔

ابوھریرہ نے جواب دیا:

"دعنی، فواللہ لو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی رقابھم"۔[1]

"رہنے دیجیئے۔ اللہ کی قسم آپ کے بارے میں اگر لوگ وہ کچھ جانتے جو میں جانتا ہوں تو وہ آپ (ع) کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیتے۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ابوھریرہ جو نظریہ اور احترام رکھتے تھے۔ اس کا پتہ اس تاریخی واقعہ سے چلتا ہے جو عہدِ معاویہ میں پیش آیا۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید بن معاویہ بیمار ہو گیا اور کسی قسم کے علاج معالجے سے اسے افاقہ نہیں ہوا۔ آخر کار کسی وجہ سے معاویہ کو اطلاع دی گئی کہ یزید کی بیماری کی وجہ، اریںب دختر اسحاق سے عشق ہے اس کا شوہر عبداللہ بن سلام قرشی تھا اس کا شمار اپنے وقت کی مشہور اور خوبصورت ترین عورتوں میں ہوتا تھا۔ معاویہ نے یزید کو یہ راز فاش نہ کرنے کی ہدایت کی دوسری طرف اس نے مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے اریںب کو طلاق دلوا دی۔ پھر اس نے ابوھریرہ کو یزید کی خواستگاری کے لئے اریںب کے پاس بھیجا۔ ابوہریرہ اس کام کے لئے جا رہا تھا کہ راستے میں اس کی ملاقات حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہوئی اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو تمام ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تم میری طرف سے بھی خواستگاری کا پیغام دے دینا۔ ابوہریرہ اریںب کے پاس پہنچا اور اس نے اس کے سامنے حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے نام پیش کر دیئے۔ اریںب نے اسے کہا کہ میں اپنا معاملہ آپ پر چھوڑتی ہوں۔ آپ جو مناسب سمجھیں مجھے

---

[1] غض الرسول (ص)، ص ۳۰۹ - ابن عساکر ص ۱۴۹

منظور ہے ابوہریرہ نے کہا :

"ای بنیۃ ! ان ابن بنت رسول اللہ (ص) احب الی وارضی عندی واعلمی انی ماکنت افضل علی شفتی الحسین (ع) احداً الا تحبین ان تفضی شفتیک فی الموضع الذی قبلہ النبی "[1]

"اے بیٹی ! رسول (ص) کی بیٹی کا بیٹا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اور یہ جان لو کہ میں حسین (ع) کے لبوں پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا کیا تم رسول اللہ (ص) کی بوسہ گاہ کو پسند نہیں کرتیں ۔"

مذکورہ واقعہ کے بارے میں ایک اور روایت بھی موجود ہے جس میں پہلی روایت سے زیادہ حقیقت کی تجلی دکھائی دیتی ہے کیونکہ اس روایت کے مطابق ارنیب دختر اسحاق کی خواستگاری کرنے والوں میں عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر بھی شامل تھے اور ابوہریرہ نے ارنیب کے سامنے ان چاروں کے نام پیش کئے تھے۔

اس روایت میں اس سزا کا بھی ذکر ہے جو معاویہ نے ارنیب کا معاملہ ختم ہونے کے بعد ابوہریرہ کو دی تھی۔ اس روایت کے مطابق ابوہریرہ اور ارنیب بنت اسحاق کے درمیان تھوڑی سی گفتگو بعد، ارینب کے شوہر کے انتخاب کا فیصلہ ابوہریرہ پر چھوڑ دیا گیا تو اس نے کہا :

"واللہ لا اقدم احداً علی فم قبلہ رسول اللہ (ص) وھو الحسین "[2]

---

[1] غضِ الرسول (ص) ص ۷۷ ۔ الامامۃ السیاسۃ میں ابوہریرہ کی بجائے حکیم ابودردا ، مذکور ہے ص ۱۶۶-۱۷۳

[2] غضِ الرسول (ص) ص ۷۹ -

"خدا کی قسم! میں حسین (ع) کے ان لبوں پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا جو رسول اللہ (ص) کی بوسہ گاہ تھے۔"

ابوہریرہ کا یزید پر حضرت امام حسین علیہ السلام کو ترجیح دینا کافی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کا یہ فیصلہ ان کی زندگی کے درخشاں اور صادق ترین فیصلوں میں سے ہے۔ کیونکہ ابوہریرہ ایک آزاد فکر اور آزاد ضمیر راوی نہیں تھے۔ بلکہ وہ سرکاری علماء میں سے ایک تھے اور معاویہ کے مقرب ترین افراد میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ لہذا اس فیصلے کے بعد حاکم کی طرف سے ان کو اپنے سرکاری مقام و عہدہ سے بھی معزول کئے جانے کا خطرہ لاحق تھا مگر انہوں نے یہ خطرہ مول لیتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں اپنے نظریئے کا اعلان کردیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں کوئی اور شخصیت آپ (ع) کے ہم پلہ نہیں ہے۔

عبداللہ ابن عمر

عبداللہ ابن عمر[1] نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خانہ کعبہ کے پاس کہا:

"ھذا احب اھل الارض الیوم الی اھل السماء"[2]

"اہلِ آسمان کو اہلِ زمین میں سے یہ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔"

عبداللہ بن عمرو بن العاص

ابن اثیر روایت کرتے ہیں کہ مسجد الرسول (ص) میں ایک گروہ جس میں عبداللہ بن عمرو

[1] ابن عساکر ص ۱۴۸ میں عمرو بن عاص مذکور ہے۔

[2] غض الرسول ص ۹۵۔

بن عاص اور ابو سعید خدری بھی شامل تھے، بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام اس گروہ کے پاس سے گزرے آپؑ نے ان کو سلام کیا۔ لوگوں نے سلام کا جواب دیا مگر عبداللہ بن عمرو بن العاص خاموش رہا اور چند لمحوں کے بعد اس نے بلند آواز سے کہا:

"وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر اس نے کہا:

"الا اخبرکم باحب اهل الارض الی اهل السماء؟ قالوا بلیٰ! قال: هو هذا الماشی"[۱]

"کیا میں تم کو اہلِ زمین میں سے اہلِ آسمان کے محبوب ترین شخص کی اطلاع دوں؟ لوگوں نے کہا۔ ہاں۔ اس نے کہا وہ یہ جا رہا ہے۔"

معاویہ

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اس قدر بلند اور بے داغ تھی کہ آپؑ کے جانی دشمن معاویہ بھی آپؑ پر تنقید کرنے نہیں کر سکا۔ معاویہ وہ شخص ہے جس نے امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کو بھی ہدفِ تنقید بنائے بغیر نہیں چھوڑا، سبطِ رسول، جوانانِ جنت کے سردار حضرت امام حسن علیہ السلام کو شہید کرایا اور درجنوں علمائے امتِ اسلامیہ کو محض اس لئے اس نے شہید کرا دیا کہ وہ اس کے سیاسی حریف تھے یا اس کے سیاسی، اخلاقی اور انفرادی کردار پر وہ تنقید کیا کرتے تھے۔ یعنی معاویہ کی تنقید سے ایسا کوئی شخص نہیں بچ سکا جس سے اس کے سیاسی مفادات کو خطرہ ہونے کا امکان ہوتا

---

[۱] غض الرسول (ص)، ص ۳۰۹۔ ابوہریرہ ص ۱۹۱ منقول از اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۵۔

تھا۔ مگر یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت ہے کہ معاویہ بھی آپ (ع) کے خلاف کچھ گڑھنے سے گریز کرتا تھا۔

اس دور تک بلکہ پوری تاریخ میں نسبی اعتبار سے فرزندِ رسول (ص) ہونے کی وجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ذاتی صلاحیت اور قیادت کی اہلیت کے لحاظ سے آپ (ع) افقِ عالم پر چمکنے والا وہ واحد ستارہ ہیں جس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سیاسی و سماجی افق پر طلوع ہونے والا وہ سورج ہیں جس کی موجودگی میں ہر ہستی اس کی شعاعوں کی زد میں آ کر بے اثر ہو جاتی ہے۔

فرزندِ رسول (ص) حضرت امام حسین علیہ السلام کی بے داغ اور نمایاں شخصیت کا اندازہ خاندانِ رسالت کے سرگرم مخالف معاویہ کی زبانی بھی کیا جا سکتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان تلخ کلامی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ کبھی خطوط کے ذریعے اور کبھی آپس میں گفتگو کے ذریعے۔

ایک مرتبہ مروان بن حکم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف معاویہ کو مراسلہ بھیجا۔ معاویہ نے اس کے مندرجات کے تحت حضرت امام حسین علیہ السلام کو ایک تہدید آمیز خط لکھا۔ اس خط کا لب و لہجہ بھی کچھ سخت تھا۔ اس کے علاوہ اس میں حضرت امام حسین علیہ السلام پر حکومت کے خلاف تحریک چلانے کے کچھ الزامات بھی لگائے گئے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یہ خط پڑھا اور اپنے پر لگائے گئے الزامات کا آپ (ع) پر انکشاف ہوا تو آپ (ع) نے ایک طویل مراسلہ معاویہ کو ارسال کیا جس میں اس کے بعض جرائم اور سفاکانہ رویہ سے پردہ اٹھایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں ان شہداء عقیدہ کا بھی تذکرہ تھا جنہیں معاویہ نے اپنے سیاسی حریف یعنی محب

اہلِ بیت (ع) ہونے کے جرم میں شہید کرادیا تھا۔ اس خط کی تفصیل کسی اور مناسب مقام پر پیش کی جائے گی۔ بہر حال یہ خط معاویہ کو بہت ناگوار گزرا اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس نے یزید اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مشورہ لیا۔ دونوں کا جواب ایک ہی تھا کہ اس خط کا جواب حضرت امام حسین علیہ السلام کی تحقیر، گستاخ الفاظ اور آپ (ع) کے نقائص وعیوب پر مبنی ہونا چاہیئے حالانکہ حضرت امام حسینؑ کا مراسلہ سراسر مبنی بر حقیقت تھا جو کہ حاکم وقت کو ناگوار گزرا۔ معاویہ نے دونوں کے مشورے کو قبول نہیں کیا اور کہا:

" واللہ ما اری للعیب فیہ موضعاً "

" اللہ کی قسم! حسین علیہ السلام میں عیب جوئی کی گنجائش نہیں ہے "۔

عبداللہ بن مطیع

حضرت امام حسین علیہ السلام جب مدینہ سے مکہ کی جانب تشریف لے جا رہے تھے۔ تو آپ (ع) کی ملاقات عبداللہ بن مطیع سے ہوئی۔ عبداللہ نے آپ (ع) کو کوفہ جانے سے منع کرتے ہوئے کہا:

" الزم الحرم فانت سید العرب لا یعدل بک اھل الحجاز احداً، و یتداعی الیک الناس من کل جانب، واللہ لئن ھلکت لنسترقن بعدک "[1]

آپ حرمِ خدا میں قیام فرمائیں۔ آپ عرب کے سید و سردار ہیں اہلِ حجاز آپؑ سے عدول نہیں کریں گے اور ہر طرف سے آپؑ کی خدمت میں لوگ آیا کریں گے۔ اللہ

---

[1] سیرۃ الائمہ الاثنی عشرۃ ج ۲ ص ۵۷ اور البدایہ ج ۸ ص ۱۶۲ میں اس کے ہم معنی ہے۔

کی قسم اگر آپؑ شہید ہو گئے تو آپؑ کے بعد ہم کو غلام بنا دیا جائے گا۔"

حسن بصری

ان کا کہنا ہے کہ :

"حضرت حسین علیہ السلام کے ہمراہ شہید ہونے والے ۱۶ افراد ایسے کامل انسان تھے۔ کہ خدا کی قسم روئے زمین پر ان کا کوئی مماثل و شبیہ نہیں تھا"[1]

سیاسی سطح پر

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں مختلف المزاج افراد کے جو مذکورہ اقوال آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں وہ نظریات کی حد تک محدود ہیں اب ہم دوسرے پہلو سے اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں۔

آیا اس وقت سیاسی میدان میں امت اسلامیہ کی قیادت و رہبری کے لئے صرف اور صرف حضرت امام حسین علیہ السلام لائق ترین فرد تھے۔ یا آپ (ع) کے علاوہ اور بھی ایسے افراد سیاسی و سماجی میدان میں پائے جاتے تھے جو پوری امت اسلامیہ کی مشکلات سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں ہر دلعزیز اور محبوب تھے؟

کیا حضرت امام حسین علیہ السلام کے علاوہ ایسے باخبر، مدبر اور صاحب شرف دیگر افراد بھی مسلمانوں میں موجود تھے جن سے مسلمان اپنی آرزوئیں اور امیدیں وابستہ کر سکتے؟

تاریخی حالات کا مختصر جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے علاوہ، مسلمانوں کی نگاہ میں ایسی کوئی ہستی موجود نہیں تھی جو پوری امت اسلامیہ کی قیادت و رہبری کے فرائض انجام دے سکے لہذا تمام مسلمانوں کی نظر میں

---

[1] العقد الفرید ج ۴ ص ۱۷۰

حضرت امام حسین علیہ السلام پر مرکوز تھیں اور وہ آپ کو ہر طرح سے اسلامی قیادت کے فرائض سرانجام دینے کا اہل سمجھتے تھے۔

یاد رہے عہدِ معاویہ میں اگرچہ حکومت کا دارالخلافہ شام بن چکا تھا لیکن دینی مرکز مکہ اور مدینہ میں ہی منحصر تھا اور اس وقت بڑی بڑی ہستیوں نے مدینہ میں ہی سکونت اختیار کی ہوئی تھی۔ جو کبھی کبھار وقت کی سیاسی نزاکت کے پیشِ نظر مکہ میں بھی آتی تھیں۔

معاویہ نے اپنے وصیت نامے میں ان سیاسی ہستیوں کے ناموں کا ذکر کیا ہے جن سے یزیدی حکومت کے لئے خطرے کا اندیشہ تھا۔ مگر یہ چار افراد حضرت امام حسین علیہ السلام عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر سب کے سب ایک ہی سطح کے نہیں تھے بلکہ ہر ایک کا اندازِ فکر الگ الگ تھا۔ جیسا کہ خود معاویہ نے بیان کیا تھا اس کے علاوہ عبدالرحمٰن کے بارے میں بعض محققین کا یہ خدشہ بھی موجود ہے کہ ان کا انتقال اس سے قبل ہو چکا تھا۔

عبداللہ بن عمر گوشہ نشین شخص تھے جن سے کسی کو مثبت کردار ادا کرنے کی امید نہیں تھی۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان کا نام اس دور کے سیاسی افراد میں شامل کرنے کی وجہ ان کی اپنی ذاتی صلاحیت اور سیاسی مہم چلانا نہیں بلکہ ان کے والد کے اعتبار کو مدنظر رکھ کر ایسا کیا گیا تھا۔ یعنی خدشہ یہ تھا کہ وہ اپنے والد کے مقام کا سہارا لے کر حکومت کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا لیں۔ مگر سیاسی میدان میں ان دونوں کا کوئی کردار نہیں تھا چنانچہ واقعہ کربلا کے بعد رونما ہونے والے وقائع میں بھی ان دونوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔

بہر حال معاویہ کے جائزہ کے مطابق اس وقت کی با اثر سیاسی شخصیات حضرت امام حسینؑ اور ابن زبیر ہیں۔

ان دونوں کے متعلق کچھ بتانے سے پہلے ایک نکتہ کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ ان چار افراد کے علاوہ اور بھی با اثر باخبر اور مقبول شخصیات موجود تھیں۔ جیسا کہ ابن عباس جو کہ سیاسی بصیرت کے حامل ہونے کے علاوہ علمی شخصیت بھی تھے۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن جعفر اور محمد بن الحنفیہ بھی اس وقت کی نامور ہستیاں تھیں معاویہ نے ان میں سے کسی کا نام وصیت نامے میں نہیں لیا۔ حالانکہ ان کی شہرت اور مقبولیت حضرت امام حسین علیہ السلام کے علاوہ باقی تینوں سے اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہ تھی۔ بلکہ ان نامور شخصیتوں بالخصوص ابن عباس اور عبداللہ بن جعفر کی شہرت ہر ایک سے زیادہ تھی۔ کیونکہ ابن عباس ایک علمی ہستی تھے اور عبداللہ بن جعفر جود و سخاوت میں انتہائی مشہور تھے اس کے علاوہ یہ حضرت علی علیہ السلام کے دور میں مرکزی حکومت کے نزدیک ہونے کی وجہ سے معروف بھی تھے اور مسلمانوں کی مشکلات سے آگاہ بھی۔

اس کے باوجود ان کا نام نہ لینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں افراد بنی ہاشم کے تھے۔ جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی اجازت کے بغیر کوئی حرکت و جنبش نہیں کر سکتے تھے اور ہمیشہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ دوسرے معنوں میں معاویہ نے خاندان بنی ہاشم میں سے اس شخصیت کا نام لیا جو باقی شخصیتوں کا آقا و مولا ہے۔ لہذا ان حضرات نے کبھی بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

بہر حال ابن زبیر اگرچہ واقعہ کربلا کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کا نام استعمال کر کے مسلمانوں میں ایک حد تک مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اور مدینہ و مکہ میں اس کی بیعت بھی کی گئی لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں ابن زبیر کی حیثیت ایک عام فرد کی تھی جو اپنے فائدہ کے لئے کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا مکہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا وجود عبداللہ ابن زبیر کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ جسے وہ آنکھ سے باہر نکال

سکتا اور نہ آنکھ میں چھوڑ سکتا تھا اس کی مزید وضاحت درج ذیل تاریخی حقائق سے ہوتی ہے۔

۱۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

مکہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر دونوں موجود تھے۔ لیکن لوگوں کی توجہ کا مرکز ہمیشہ حضرت امام حسین علیہ السلام ہوتے تھے۔ وہ آپ (ع) کے پاس آکر بیٹھتے تھے اور آپؑ کی گوہر فشاں زباں سے احادیث سنتے اور مستفیض ہوتے تھے[1]

۲۔ ابو الفرج اصفہانی لکھتے ہیں:

ابن زبیر پر حضرت امام حسین علیہ السلام کا وجود بہت گراں اور سخت تھا۔ ابن زبیر کے لئے سب سے پسندیدہ امر یہ تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ چھوڑ کر عراق چلے جائیں کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں اہلِ حجاز اس کی طرف رجوع نہیں کریں گے[2]

۳۔ عبداللہ ابن عباس کا بھی یہی نظریہ تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں عبداللہ ابن زبیر کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ عراق کے سفر کے متعلق ابن عباس نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے بات چیت کرتے ہوئے ایک جملہ یہ کہا:

"فرزندِ رسول (ص)! حجاز چھوڑ کر آپ ابن زبیر کی تسکین قلب کا سامان کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس وقت اس پر کسی کی نگاہ نہیں ہے"[3]

حضرت امام حسین علیہ السلام کی نظروں سے ابن زبیر کی یہ خواہش پوشیدہ نہیں تھی۔ لہٰذا ایک مرتبہ آپ نے علی الاعلان فرمایا:

---

[1] حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۲ ص ۳۰۸۔ ارشاد ص ۲۰۲۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۳۲۔
[2] بحار ج ۴۴ ص ۳۳۲۔ طبری ج ۳ ص ۲۹۵۔
[3] طبری ج ۳ ص ۲۹۵، الکامل ج ۳ ص ۲۷۶، انساب الاشراف ج ۴ ص ۱۴، البدایہ ج ۸ ص ۱۶۳۔

"میرے عراق جانے سے بڑھ کر ابن زبیر کے لئے کوئی امر محبوب نہیں ہے اور وہ جانتا ہے کہ میری موجودگی میں اس کا کوئی زور نہیں چلتا"۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے دینی فریضہ کی انجام دہی کے لئے مکہ چھوڑ دیا۔ خواہ اسے ابن زبیر پسند کرتا یا نہ کرتا۔

۴۔ مروان بن حکم:

حضرت امام حسین علیہ السلام کی بے نظیر و انتہائی مقبول شخصیت معاویہ کے عہد حکومت میں بھی مسلمانوں کی مشکلات کا جائزہ لینے کا واحد مرکز بن چکی تھی اور اسلامی ممالک کے اطراف و اکناف سے آپ کی خدمت میں وفود حاضر ہوتے رہتے اور آپ (ع) کی خدمت میں اپنی مشکلات پیش کرتے اس دور کے سیاسی ماحول کے مطابق آپ (ع) کے دولت سرا پر مختلف شہروں سے آنے والے سرکردہ شیعہ حضرات کی میٹنگ ہوا کرتی جس میں آئندہ کے لئے پروگرام ترتیب دیئے جاتے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مرکزی حکومت کی طرف سے ان کی حرکات و سکنات کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہے لہٰذا صوبائی حکومت کی جانب سے مرکزی حکومت کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف رپورٹ ملی۔ مروان بن حکم نے اپنی اس رپورٹ میں معاویہ کو لکھا:

"ان رجالا من اهل العراق ووجوه اهل الحجاز یختلفون الی الحسین بن علی (ع)"۔[2]

"اہل عراق کے نامور افراد اور حجاز کی شخصیتوں کی حضرت امام حسین بن علی (علیہما السلام) کے

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۹۵۔
[2] الاخبار الطوال ص ۲۲۴، سیرۃ الائمہ الاثنیٰ عشر ج ۲ ص ۴۶۔

پاس آمد و رفت ہے۔"

خلاصہ یہ کہ اس سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات والا صفات کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ آپ (ع) تمام مسلمانوں اور سیاستدانوں کا مرکز آمال بن چکے تھے نیز مسلمانوں کا آپ (ع) کے ساتھ کس قدر رابطہ تھا۔ دوسری جانب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ (ع) کی موجودگی میں امتِ اسلامیہ آپ کے علاوہ دوسری ہر قیادت کو مسترد کر چکی تھی کیونکہ جو صلاحیت اور اہلیت فرزندِ رسول (ص) میں پائی جاتی تھی۔ وہ کسی دوسرے فرد میں قطعاً موجود نہیں تھی۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کی دلی تمنا تھی اور ان کی دینی سیاسی اور سماجی مشکلات کا یہ تقاضا تھا کہ آپ (ع) مسلمانوں کی مکمل سیاسی، علمی اور اخلاقی قیادت سنبھال لیں تاکہ بنی امیہ کے جاہلی نظامِ حکومت طبقاتی تقسیم دولت اور کینہ پرور نظامِ سیاست کو یکسر خاک میں ملا کر اس درخشاں اسلامی نظامِ حیات کو دوبارہ نافذ کیا جا سکے جس کے تحت عدل وانصاف اور اخلاقی اصولوں کے سائے میں آرام وسکون کی زندگی گزارنے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

ج۔ یزید کی غیر مقبول شخصیت

یزید کی شخصیت کا صحیح اندازہ خود اس کے نظریات، افکار و کردار کا مطالعہ کرنے سے ہوتا ہے اس کے بعد ہم اس کے مخالف و موافق اقوال وخیالات کی روشنی میں جائزہ لیں گے کہ یزید کیا اور کیسا تھا؟

یزید اپنے کردار کے آئینے میں

یزید سے مروی اقوال، افعال اور اشعار سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس کا عقیدہ

کیا تھا اور وہ اپنے رویے، سلوک اور انفرادی زندگی کے بارے میں کس قسم کی سوچ کا مالک تھا۔ اس سلسلے میں ثابت تاریخی واقعات اور اس کے زبانی شواہد کبھی اس کے کفر و الحاد پر دلالت کرتے ہیں اور کبھی اس کے فاسق اور لعنتی ہونے پر۔ یہاں ہم چند مستند تاریخی شواہد بطور نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں :

۱۔ یزید نے حسب عادت و معمول ایک شب میخواری، لہو و لعب اور ناچ گانے کی محفل گرم کر رکھی تھی۔ وہ اس محفل سے لطف اندوز ہوتے ہوئے شراب اور باقی محرمات کے استعمال سے نشے میں چور تھا۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ جب اسے بتایا گیا اے امیرالمؤمنین! اذان صبح ہو چکی ہے اور نماز صبح کیلئے آپ آمادہ ہو جائیں تو اس امیر المؤمنین یزید کا جواب تھا:

دع المساجد للعباد تسکنها   وقف علی دکة الخمار واسقینا

ما قال ربک ویل للذی شربوا   بل قال ربک ویل للمصلینا

ان الذی شربوا فی شربہم طربوا   ان المصلین لا دنیا ولا دینا [۱]

"مسجد عبادت گذاروں کے لئے رہنے دو۔ شراب کی صراحیوں سے ہمیں جام پلاؤ۔ خدا نے میخواروں کو عذاب سے ڈرانے کے لئے "ویل للشاربین" نہیں کہا بلکہ "ویل للمصلین" کہا ہے۔ جس نے شراب پی وہ لطف اندوز ہوا۔ نمازیوں کی نہ دنیا ہے نہ دین ہے۔"

۲۔ "ایک اور شب کو وہ ناچ و گانے کی گرم محفل میں نشے میں ڈوبا ہوا تھا اتنے میں مؤذن کی اذان "حی علی الصلوٰة" بلند ہوئی اور یزید کے کانوں تک پہنچی تو اس نے کہا :

معشر الندمان قوموا   واسمعوا صوت الاغانی

واشربوا کاس مدام   واترکوا ذکر المعانی

---

[۱] ماساة الحسین ص ۳۴

اشغلتنی نغمۃ العیدان عن صوت الاذان
وتعوضت عن الحور خمور الفی الدنان ؎۱

آے حریصانِ شراب! اٹھو اور گانوں کی آواز سنو، ساغرِ شراب پیو اور دوسری باتوں کو چھوڑ دو۔ ستار اور سارنگی کے نغموں سے مجھے آذان کی آواز سننے کی فرصت نہیں ہے۔ میں حوروں کے بدلے میں شراب کے بڑے بڑے برتنوں کو پسند کرتا ہوں۔"

فان حرمت یوماً علی دین احمد
فخذھا علی دین المسیح بن مریم ؎۲

"اگر دینِ احمد میں شراب پینا حرام ہے
تو دینِ عیسیٰؑ پر ہو کر پی لو"

۳۔ دربارِ یزید میں جب آلِ رسول (ص) کو قیدی بنا کر لایا گیا تو یزید یہ منظر دیکھ کر نشۂ انتقام میں مست ہوگیا۔ اس کے آباؤ اجداد کی تاریخ کا اعادہ ہو رہا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل، آلِ حسین علیہ السلام کو قیدی بنانے اور اپنے خاندان کے مقتولین کا انتقام لینے کی بے پناہ مسرت نے اس کے دل و دماغ کے اسرار اور اس کے ضمیر و عزائم کا راز فاش کرتے ہوئے اس کی زبان پر یہ اشعار جاری کئے:

لیت اشیاخی ببدر شھدوا جزع الخزرج من وقع الاسل
لاھلوا واستھلوا فرحاً ثم قالوا یا یزید لا تشل
قد قتلنا القوم من ساداتھم وعدلناہ ببدر فاعتدل

؎۱ ماساۃ الحسینؑ ص ۳۴ - تذکرۃ الخواص ص ۱۶۱
؎۲ دیوان یزید۔

لعبت هاشم بالملک فلا　　خبر جاء ولا وحی نزل

لست من خندف ان لم انتقم　　من بنی احمد ما کان فعل [۱]

"کاش آج میرے وہ بزرگ زندہ ہوتے جو جنگ بدر میں مارے گئے تو دیکھتے کہ آج میری تلواروں اور نیزوں نے بنی ہاشم سے کیسا انتقام لیا۔ اگر وہ آج ہوتے تو خوش ہوتے اور مجھ کو مبارکباد دیتے اور کہتے کہ اے یزید تیری قوت میں کمی نہ آئے اور تو نے ان کے بزرگ (حسینؑ) کو قتل کر کے جنگ بدر کے جھکے ہوئے ترازو کے پلہ کو برابر کر دیا۔ بنی ہاشم اسلام کا نام لے کر حکومت کا کھیل کھیلنا چاہتے تھے ورنہ نہ کبھی حکم خدا آیا اور نہ وحی نازل ہوئی۔ محمد مصطفیٰؐ نے جو کچھ کیا تھا اگر میں آل احمدؐ سے اس کا انتقام نہ لیتا تو میں گویا خاندان بنی امیہ ہی سے نہ ہوتا۔"

یزید دوسروں کی نگاہ میں

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"یزید ایک فاسق و فاجر، شراب خوار، قاتلِ نفس محترمہ اور علی الاعلان فسق و فجور کرنے والا شخص ہے۔" [۲]

مسلمانوں سے یزید کی جبراً بیعت لئے جانے کے دوران معاویہ مدینہ آیا اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ابن عباس کو اپنی اقامت گاہ پر بلا کر ایک تقریر کی جس میں اس نے یزید کی تعریف کی اور انہیں ڈرایا دھمکایا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواباً لاجواب تقریر کی۔ امامؑ کا یہ خطاب نہ صرف معاویہ کی تقریر کا دندان شکن جواب تھا بلکہ یہ اس کے لئے کمر شکن بھی ثابت

---

[۱] تذکرۃ الخواص ص ۲۳۵۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۹۲-۲۲۴ اور ینابیع المودۃ ج ۲ ص ۱۵۰ میں صرف چوتھا شعر نہیں ہے۔

[۲] حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۲ ص ۲۵۵۔ اعیان الشیعہ ج ۴ قسم اول ص ۱۸۳-۱۸۴۔

بہر اس مدلل تقریر کے بعض جملے جو یزید کی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں، پیش خدمت ہیں۔

"....وفہمت ماذکرت عن یزید من اکتمالہ، وسیاستہ لامۃ محمد تریدان توہم الناس فی یزید، کانک تصف محجوباً، اوتنعت غائباً، اوتخبر عما کان مما احتویتہ بعلم خاص وقد دل یزید من نفسہ علی موضع رایہ، فخذ لیزید فیما اخذ فیہ من استقرائہ الکلاب المہارشۃ عند التہارش، والحمام السبق لاترابہن، والقیان ذوات المعاذف، وضرب الملاہی،،[1]

"...یزید کی لیاقت اور امت اسلامی کے امور چلانے کی اہلیت کے بارے میں تو نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ معلوم ہوگیا ہے اے معاویہ! تو لوگوں کو یزید کے بارے میں دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ گویا کہ تو ایسے شخص کا تعارف کرا رہا ہے۔ جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ یا غائب ہو جسے لوگوں نے دیکھا ہی نہ ہو یا اس کو صرف تو ہی جانتا ہو۔ ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ یزید نے خود اپنے آپ کو پہچانوایا ہے اور اپنا ضمیر فاش کر دیا ہے۔ یزید کا تعارف کرانا ہے تو یوں کراؤ کہ یزید کتوں اور کبوتروں سے کھیلنے میں مصروف رہنے والا ایک ابوالہوس آدمی ہے جو اپنا بیشتر وقت راگ و رنگ اور رقص و سرود کی محفلوں میں گزارتا ہے۔ یزید کا ایسا تعارف کراؤ اور اس کے علاوہ سعی لا حاصل نہ کرو...."

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۶۱۔

عبداللہ بن حنظلہ

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد، یزید کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک وفد عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی قیادت میں شام گیا تھا۔ مدینہ واپس آ کر عبداللہ نے لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور اپنے مشاہدات ان الفاظ میں بیان کئے:[1]

"اے لوگو! ہم ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہیں جو تارک الصلوٰۃ ہے، اپنی (سوتیلی) ماؤں اور بہنوں کو اپنے لئے حلال سمجھتا ہے اور بندروں اور کتوں سے کھیلتا ہے۔ اگر اسے معزول نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ عذاب کے طور پر ہم پر آسمان سے پتھر برسیں گے۔"

اہل مدینہ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے جب شام سے فوج آئی تو عبداللہ نے

---

[1] دورِ حاضر میں بھی اسی طرح کا واقعہ پیش آیا۔ چنانچہ یزید وقت صدام نے جب حوزہ علمیہ نجف اشرف، کربلا اور سامرہ کو تاراج کیا، ہزاروں علماء و طلباء کو ملک بدر کیا اور سینکڑوں کو پر تشدد اور اذیت ناک طریقے سے شہید یا غائب کر دیا۔ لاتعداد جوان، لڑکے لڑکیاں بوڑھے بچے اور عورتیں اس کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور بالآخر آج کے حسینؑ صفت آیۃ اللہ العظمیٰ شہید صدر اور ان کی ہمشیرہ بنت الہدیٰ کو بہیمانہ طریقے سے قتل کر دیا تو اس نے اپنے جرائم کی پردہ پوشی کے لئے کچھ دین فروش علماء نما افراد کو وفد کی شکل میں بغداد بلایا اور ایک نام نہاد اسلامی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ مگر مدینہ سے شام جانے والے اور بغداد میں آنے والے وفد کے ایمان، تقویٰ اور امانت داری کے تقاضے الگ الگ تھے دمشق سے واپس آنے والا وفد یزیدیت کے خلاف جہاد کرنے پر کمربستہ ہو کر واپس مدینہ لوٹا حالانکہ عبداللہ کو ایک لاکھ اور ان کے آٹھ بیٹوں میں سے ہر ایک کو دس دس ہزار درہم بھی تحفے میں دیئے گئے تھے۔ مگر بغداد سے واپس لوٹنے والا وفد یزیدیت کی مزید غلامی اور اس کے اہداف و مقاصد کی حمایت جاری رکھنے کا عہد و پیمان کر کے واپس لوٹا۔ اس کے بدلے میں ان کو کیا اور کتنا ملا اس کا جواب یہ خود دے سکتے ہیں ستم ظریفی یہ ہے کہ ان میں سے کچھ افراد ایسے بھی تھے جو اپنے آپ کو حسینیت سے منسلک سمجھتے ہیں۔
واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون۔

اس طرح کا خطاب کیا:

لوگو! اللہ سے ڈرو جس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ کی قسم ہم نے یزید بن معاویہ کے خلاف اس لئے خروج کیا کہ ہم پر آسمان سے پتھروں کا عذاب برسنے کا خطرہ تھا، یزید ایسا شخص ہے جو اپنے باپ کی بیویوں بہنوں اور بیٹیوں سے بدفعلی کرتا ہے شراب پیتا ہے۔ نماز اور روزے کا تارک ہے [1]

حسن بصری

حسن بصری معاویہ کے جرائم کا ذکر کرتے ہوئے یزید کے بارے میں کہتے ہیں:

"معاویہ کی چار باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے اگر ایک بھی ہوتی تو اس کی ہلاکت کے لئے کافی تھی۔ (۱) خلافت پر زبردستی قابض ہونا۔ (۲) زیاد بن سمیہ کو ابوسفیان سے ملحق کرنا۔ (۳) حجر بن عدی اور اصحاب حجر کو قتل کرنا اور (۴) اپنے شرابی اور نشئی بیٹے کو مسلمانوں پر مسلط کرنا [2]"

ابن خلدون کا دعویٰ ہے کہ یزید کے فسق و فجور پر علمائے مسلمین کا اجماع ہے۔

سعد الدین تفتازان کا کہنا ہے:

"حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل پر یزید کی رضامندی اور اہل بیت رسول (ص) کی توہین ایسے واقعات ہیں جو متواتر ہیں۔ ہم ان کے بارے میں بلکہ ان کے ایمان کے متعلق اظہار خیال کرنے پر توقف نہیں کرتے اس پر اور اس کے اعوان و انصار پر لعنت خدا ہو" [3]

---

[1] حیاۃ الامام الحسنؑ ج ۲ ص ۱۸۱ - ابن عساکر ج ۷ ص ۳۷۲ - تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳۔

[2] کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۴۵، طبری ج ۳ ص ۲۳۲ - تذکرۃ الخواص ص ۲۵۰۔

[3] ماساتہ الحسینؑ

جاحظ یزید کے بارے میں مذکورہ نظریات سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یزید فاسق تھا اور فاسق ملعون ہے اور جو ملعون پر سب و شتم سے منع کرے وہ خود ملعون ہے"۔ [1]

صاحب کتاب غض الرسول (ص) حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید لعین کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یہ ایک عجیب بات ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کے درمیان ہر چیز میں ایک تضاد نظر آتا ہے۔ یزید لعین میں کوئی ایسی خوبی نہیں ہے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی صفات حمیدہ سے مقابلہ کر سکے۔ حتیٰ کہ ان اوصاف میں بھی جو بغیر کسی اختیار کے اتفاقاً کسی فریق میں پائے جاتے ہیں جیسے عمر میں بڑا ہونا"۔ [2]

یزید معاویہ کی نگاہ میں

یزید اپنے باپ معاویہ کے عہد میں بھی فسق و فجور، لہو و لعب اور غیر اخلاقی رویہ اختیار کرنے میں بدنام زمانہ تھا۔ کوئی ایسا غیر اخلاقی و غیر اسلامی فعل نہیں تھا جس کا ارتکاب اس نے نہ کیا ہو۔ واضح رہے کہ یزید کا فاسقانہ سلوک اور مسلمانوں میں اس کی شہرت، معاویہ کی امیدوں، اس کی پوری زندگی کی مساعی اور جد و جہد پہ پانی پھیر دیتی ہے اور یزید کی جانشینی اور خلیفۃ المسلمین کا عہدہ سنبھالنے میں بہت بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔ معاویہ نے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے سے قبل اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کی تاکہ عین وقت پر کوئی اس پر اعتراض نہ کر سکے۔ اس کی کوششوں میں سے ایک وہ مراسلہ ہے جو اس نے یزید کی اصلاح کے لئے ارسال کیا تھا۔

---

[1] ماساۃ الحسینؑ ص ۳۳
[2] ماساۃ الحسینؑ ص ۱۱۱

بیٹے کا کردار اور سلوک کتنا ہی برا کیوں نہ ہو۔ عموماً باپ اسے اچھے کردار کے مالک کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کرے گا اور وہ کبھی بھی سر عام یا اس قسم کے مراسلے کے ذریعے جس کے دوسروں کے ہاتھ لگ جانے کا خطرہ ہو، اس کی عیب جوئی اور خامیوں کا تذکرہ نہیں کرے گا۔ اس لئے معاویہ کے اس مراسلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خامیاں اس کا فسق و فجور اور اسلام سے اس کا انحراف اس حد تک منظر عام پر آچکا تھا اور اس کی اتنی شہرت ہو چکی تھی کہ اسے چھپانا یا صیغہ راز میں رکھنا ناممکن تھا ہم معاویہ کا یہ مراسلہ پورا نقل نہیں کرتے بلکہ اس کے چند جملے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ؎۱:

"مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے بڑے بڑے محل اپنے لئے مخصوص کر رکھے ہیں جہاں رقص و سرود اور لہو و لعب کی محفلیں گرم رہتی ہیں۔ چنانچہ فرمان خداوندی ہے تم ہر اونچی اونچی جگہوں پر بیکار نشانیاں بناتے ہو تاکہ ان سے کھیلو اور مضبوط عمارتیں تعمیر کرتے رہو گویا تم ہمیشہ ان میں رہو گے ؎۲ — اور تم نے ہر برائی کو ظاہر کیا یہاں تک کہ تم سے کچھ بھی چھپا نہیں رہا۔ اے یزید! اچھی طرح جان لے کہ عیش و نوش اور نشے نے تم سے جو چیز سب سے پہلے سلب کی ہے وہ شکر خدا کے مواقع کی شناخت ہے..... واجب نمازوں کو اپنے مقررہ وقت میں ترک کرنا...... ہر عیب کو خوب سمجھنا اور گناہوں کا ارتکاب کرنا ہے..... ؎۳"

یزید کے بارے میں معاویہ سے یہ قول بھی مشہور ہے:

؎۱ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں حیاۃ الحسنؑ ج ۲ ص ۱۹۱ھ۔ ثورۃ الحسینؑ عوامل‌ها ص ۶۶۔

؎۲ شعراء: ۱۲۹-۱۳۰

؎۳ حیاۃ الحسنؑ ج ۲ ص ۱۹۱ھ ثورۃ الحسن علیہ السلام عوامل‌ها ص ۶۶ نقل از صبح الاعشیٰ ج ۲ ص ۳۸۷-۳۸۸۔

"لولا هوی فی یزید لابصرت رشدی"۔ ؎۱

"اگر یزید کی محبت کا غلبہ مجھ پر نہ ہوتا تو راہ ہدایت کو دیکھ لیتا۔"

اس قول سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یزید کی صلاحیت و اہلیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنا بیٹا ہونے اور اپنی ذاتی پدری خواہش کی بنا پر معاویہ نے یزید کو مسلمانوں کے سیاہ و سفید پر حاکم بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

یزید اپنے بیٹے معاویہ کی نگاہ میں

یزیدؔ بن معاویہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا معاویہ بن یزید مسلمانوں کا حاکم بنا حاکم بننے کے چار مہینے یا چالیس دن کے بعد اس نے شام میں ایک تاریخی خطبہ دیا جس میں اپنے باپ (یزید) اور اپنے جد (معاویہ) کے قبیح کردار، نا اہلیت کے باوجود مسلمانوں کی زمام اقتدار سنبھالنے اور حضرت علی علیہ السلام سے ناحق جنگ کرنے کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اپنی دست برداری کا بھی اعلان تھا اور اپنے باپ یزیدؔ کے بارے میں اس نے یہ اظہار خیال کیا:

"..... پھر میرے باپ کے گلے میں زمام اقتدار ڈال دی گئی۔ اس کا کوئی کام نیک نہیں تھا۔ اس نے اپنی ہوا و ہوس کی اتباع کی اور اپنی غلطی کو غلطی نہیں بلکہ صحیح سمجھا... اور اپنے گناہوں کے ساتھ قبر میں گیا۔ اپنے جرائم کا اسیر بنا.... اور اس نے عترت آل رسول کو بلا جرم قتل کیا۔ اس نے مدینہ کو تباہ اور اس کی ہتک حرمت کی اور خانہ کعبہ کو جلا دیا۔ ؎۲

؎۱ تطہیر الجنان واللسان ص ۳۲۔ تذکرۃ الخواص ص ۲۵۷۔

؎۲ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۵۴۔ صواعق محرقہ ص ۳۳۶۔

احنف بن قیس

احنف بن قیس کا قول نہ صرف یزید کی حقیقت کا پتہ دیتا ہے بلکہ اس کے عہد میں قائم نظام جاہلیت کی ماہیت وحقیقت کے اس پہلو کی نقاب کشائی بھی کرتا ہے جو اس نے اسلام اور خلیفۃ المسلمین کے مقدس نام سے اختیار کر رکھا تھا اس کے علاوہ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس کے دور میں مخالفین کی صفوں کے قلع قمع کا سلسلہ کس طرح جاری تھا

معاویہ نے یزید کی ولیعہدی کے بارے میں احنف بن قیس کی رائے دریافت کی تو اس نے اس کی تائید کی۔ باب دوم میں احنف بن قیس کی اس رائے کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

زیاد بن ابیہ

معاویہ نے بصرے کے گورنر زیاد کو لکھا:

"مغیرہ ابن شعبہ نے اہل کوفہ سے یزید کی ولیعہدی پر بیعت لے لی ہے اور مغیرہ تمہارے بھتیجے[1] کی بیعت لینے پر تم سے زیادہ سزاوار نہیں لہذا اہل بصرہ سے بیعت لے لو"

زیاد نے ایک قاصد کے ذریعے معاویہ کو یہ جواب دیا:

"فما یقول الناس اذا دعونا ھم الیٰ بیعۃ یزید وھو یلعب بالکلاب والقرود ویلبس المصبغ ویدمن الشراب ویمشی علی الدفوف وبحضرتھم الحسین بن علی (ع) وعبداللہ بن عباس ..."[2]

---

[1] یاد رہے یزید کا زیاد بن ابیہ کا بھتیجا اور زیاد ابن ابیہ کا یزید کا چچا بننا نظام جاہلیت کا ایک نمونہ ہے۔ جو عہد معاویہ میں باقی احکام جاہلیت کے ساتھ ساتھ زندہ ہوا تھا اور معاویہ نے اپنے سیاسی مفاد کی خاطر اسے ابوسفیان سے ملحق کیا تھا۔ کہ زمانہ جاہلیت میں زیاد کی ماں نے ابوسفیان سے ہمبستری (زنا) کی تھی جس کے نتیجے میں یہ پیدا ہوا تھا۔

[2] یعقوبی ج ۲ ص ۲۲۰۔

لوگ کیا کہیں گے جب ہم ان کو یزید کی بیعت کرنے کی دعوت دیں گے۔ حالانکہ یزید کا مشغلہ کتے اور بندروں کے ساتھ کھیلنا ہے۔ ناجائز کپڑے پہننا، شراب پینا اور لہو ولعب میں مشغول رہنا اس کی عادت بن چکی ہے اور مسلمانوں کے درمیان حسین بن علی علیہما السلام اور عبداللہ بن عباس جیسے موجود ہیں"۔

زیاد بن ابیہ نے معاویہ کو مشورہ دیا کہ ایک یا دو سال یزید کی اصلاح[1] کی جائے تو پھر لوگوں کو دھوکا دیا جا سکتا ہے۔

زیاد کے خیال کے مطابق یزید کی ولیعہدی کی راہ میں دو چیزیں حائل تھیں۔ ایک اس کا اپنا بدکردار رہنا اور دوسری یہ کہ اس کے مقابلے میں امت اسلامیہ میں ایسی محبوب ہر دلعزیز جاذب، با صلاحیت اور بے داغ شخصیتیں موجود تھیں جن کی موجودگی میں یزید کا نام تک لینا مسلمان گوارا نہیں کرتے تھے۔ پوری امتِ اسلامیہ کی نظریں انہی افراد پر مرکوز تھیں اور ان کی امیدیں انہی ذوات مقدسہ سے وابستہ تھیں چنانچہ ان میں سے سرفہرست حضرت امام حسین علیہ السلام کا نام تھا۔

ابن عباس کی رائے

شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد عبداللہ ابن زبیر نے نظام جاہلیت کی مرکزی

---

[1] مولانا مودودی مرحوم نے اس واقعہ کو مختصراً بیان کیا ہے اور اس ضمن میں یزید میں موجود خامیوں کا نام لئے بغیر یہ لکھنے پر: "میرے نزدیک یزید میں یہ کمزوریاں تھیں" اکتفا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"مورخین کا بیان ہے کہ اس کے بعد یزید نے اپنے بہت سے ان اعمال کی اصلاح کر لی جو قابل اعتراض تھے۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۴۹-۱۵۰)
جناب مولانا مرحوم سے ہمارا گلہ ہے: کتنا اچھا ہوتا اگر آپ سابق الذکر مورخین کے حوالے سے یزید کے قابلِ اصلاح اور اصلاح شدہ اعمال و کردار کا ایک تقابلی جائزہ پیش کر دیتے تاکہ معلوم ہو سکتا کہ وہ کہاں تک قابل اصلاح تھا اور کہاں تک اس کی اصلاح ہوئی مگر حقیقت کچھ اور ہے کہ یزید زیاد کے مشورے کے بعد بھی وہی تھا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔

حکومت کے خلاف بغاوت کی اور اہل مکہ نے یزید کی بیعت توڑ کر ابن زبیر کی بیعت کر لی ۔ مگر ابن عباس ان افراد میں سے تھے جنہوں نے ابن زبیر کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا ۔ یہ خبر جب یزید کو ملی تو اس نے ابن عباس کو اس کی تعریف پر مشتمل ایک مراسلہ بھیجا جس کے جواب میں ابن عباس نے یزید کو شدید لب و لہجہ میں ایک خط لکھا جس کا سارا مضمون یزید کی حقیقت، نا اہلی، جاہلی نظریات اور اس کے وحشیانہ سلوک کی صحیح ترجمانی کرتا ہے یہاں ہم اس کا صرف ایک جملہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔ مزید تفصیل کے طالبین اصل مراسلے کی طرف رجوع کریں :

"..... فانك حلف نسوة صاحب ملاہ ....."[1]

"بے شک تم عورتوں کے حلیف اور لہو و لعب کے مالک ہو ۔"

خلاصہ

یزید کے بارے میں جو کچھ گزر چکا ہے وہ ان تاریخی حقائق کا مختصر سا نمونہ ہے جن کا کتب تواریخ میں ذکر ہوا ہے ۔

تاریخی حقائق کے مطالعہ اور اس کے اعمال و اطوار زندگی کے مختلف پہلو سامنے رکھنے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ یزید میں ایسی کوئی صلاحیت و اہلیت نہیں تھی جس کا خلیفۃ المسلمین میں ہونا لازمی ہے ۔ اس کا بچپن بدو (خانہ بدوش) ماحول میں گزرا اور اس نے مسیحی مربی سے تربیت حاصل کی[2] اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید کی شخصیت کا بڑا اور اہم ترین

ح[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۹ - تذکرۃ الخواص ص ۲۴۷ میں کچھ اختلاف کے ساتھ ۔

ح[2] یزید کی ماں میسون بنت بجدل الکلبیۃ تھی جسے معاویہ نے طلاق دے دی تھی ۔ طلاق کے وقت وہ حاملہ تھی ۔ طلاق کے بعد میسون اپنے آبائی محل بادیہ چلی گئی ۔ جہاں کے لوگ صحرا نشین تھے ۔ یزید کی پیدائش اسی صحرا میں ہوئی اور اس کا بچپن یہیں گزرا ۔ اس کی تربیت بعض عیسائیوں کے سپرد کی گئی (باقی اگلے صفحہ پر)

عنصر جو طفولیت کے ماحول اور اس وقت کی تربیت سے پیدا ہوتا تھا، مفقود ہو گیا۔
نظریات و افکار کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے افکار و نظریات کافرانہ اصولوں پر مبنی ہیں اور اگر اس کے انفرادی اعمال اور سلوک، و کردار کا جائزہ لیا جائے تو اس میں فسق و فجور، لہو و لعب اور لایعنی حرکات کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔

علم و دانش کے میدان میں بھی وہ عاری تھا جس کا اعتراف اس نے خود اس خطبہ میں بھی کیا تھا جو اس نے اپنے دور حکومت کے آغاز میں دیا تھا:

"ولست اعتذر من جهل ولا اشتغل بطلب علم"[1]

"نادانی اور جہل سے معذرت خواہ نہیں اور طلب علم میں کبھی مشغول نہیں رہا"۔

اس کی اجتماعی سطح کا جائزہ لیا جائے تو وہ ساقط الاعتبار بلکہ معاویہ کا بیٹا ہونے سے قطع نظر ایک مجہول شخص تھا۔ جو ہر وقت ناچ گانے، شراب پینے، زنا اور برے کاموں

(بقیہ پچھلے صفحہ سے) جن سے اس نے ابتدا ہی سے عیسائیت اور غیر اسلامی روایات کی تعلیم و تربیت حاصل کی یزید کے بارے میں مقام حیرت یہ ہے کہ اگرچہ صحرا نشینوں میں علم و معرفت اور تہذیب و آداب نہیں پائے جاتے مگر فطرت کی چند اصول و صفات ان میں ضرور پائی جاتی ہیں خاص کر عرب بدؤں میں یہ اوصاف بکثرت موجود تھے مثلاً کرم، جود و سخا، مہمان نوازی، ہمسایوں کے ساتھ حسن معاملہ اور غیرت مند ہونا وغیرہ یا عصمت کی حفاظت میں اپنے یا دوسروں میں فرق نہ کرنا۔ مگر یزید میں اس قسم کی بھی کوئی نیکی نہیں تھی۔ چنانچہ بادیہ نشینوں کے بارے میں کبھی یہ نہیں ملتا کہ ماں، بہن، بیٹی اور پھوپھوں کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنا ان کی عادت ہو۔ لیکن یزید بن میسون جاہلیت کی رسم و رواج سے بھی بڑھ کر تھا اور اس نے جو کچھ چاہا وہ کیا۔ اس کی کوئی توجیہ ہو گی۔ ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یزید کی تمام تر توجہ اور رغبت شہوت رانی، زناکاری، عشق بازی، شراب نوشی اور بدکاری کی طرف تھی اسے ان کے علاوہ کچھ اور نہیں سوجھتا تھا۔ معاویہ نے اسے عیاشی اور فحاشی کے تمام وسائل مہیا کر رکھے تھے اور ان حرکات پر اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہیں تھا۔ لہٰذا یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یزید کے اعمال و کردار اور سلوک فی الواقع امیر معاویہ کے گناہ آلود کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے

[1] مروج الذهب ج ۳ ص ۵۷، العقد الفرید ج ۴ ص ۲۵۰۔

میں مصروف رہتا تھا اور یہ نوبت ہی نہیں آتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو معاشرے میں ایک اجتماعی شخصیت کے طور پر پیش کرے۔

اس کا سیاسی میدان بھی باقی شعبہ ہائے زندگی کی طرح خالی تھا حکومت چلانے کا تجربہ تھا اور نہ کسی حکمرانی کی اس نے تعلیم حاصل کی تھی۔ سوائے اس کے کہ معاویہ نے اسے تشدد کی سیاست پر گامزن ہونے کی تلقین کی تھی۔ وہ مرتے دم تک اسی قسم کی سفارشات کرتا رہا جیسا کہ تاریخی شواہد موجود ہیں کہ سب سے پہلے اس نے یزید کو یہی حکم دیا تھا کہ مخالفین کی صفوں میں جن میں سرفہرست حضرت امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ ابن زبیر وغیرہ تھے، قتل و غارت کرے[1]۔ تاکہ مخالفین کے خاتمے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے دلوں میں خوف و ہراس پھیل جائے اور اس طرح کوئی اس کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرے۔

یزید کی سیاسی کمزوری کی واضح دلیل قتل حضرت امام حسین علیہ السلام ہے اور اس پر بھی اس نے اکتفا نہیں کی بلکہ اس نے آل رسول (ص) کو شہر بہ شہر پھرایا۔ وہ اپنے اس وحشیانہ اقدام سے اپنی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کا یہ اقدام بالآخر نظام جاہلیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے جانے پر منتج ہوا۔

بہر حال یزید میں کسی قسم کی خوبی اور مثبت پہلو، حسن اخلاق، نیک کردار اور تربیتی عناصر موجود نہیں تھے جو اس کی شخصیت کے بنیادی اوصاف شمار ہوتے۔ اس کے برعکس اس کی ذات میں ہر کمزوری، خرابی اور صفات رذیلہ موجود تھیں اور یہ بات اس وقت کے لوگ جانتے تھے لہذا اس کی ذات کو رذائل، ناپسندیدہ صفات اور جاہلیت کی عادات و نظریات کا مکمل مجسمہ کہا جائے تو بالکل بجا ہوگا۔

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۱ طبری ج ۳ ص ۲۶۹۔

دوسری جانب یزید کے بالمقابل حضرت امام حسین علیہ السلام تھے جن کا حسب و نسب اور ذاتی صفات حمیدہ کے اعتبار سے کوئی ہم پلہ نہیں ہے. چنانچہ ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں کہ یزید ان غیر اختیاری صفات میں بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقابلہ نہیں کر سکا جو کسی میں اتفاقیہ سرتی ہیں جیسے عمر میں بڑا ہونا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام عمر میں بھی یزید سے بڑے تھے لہذا وہ اس خاصیت میں بھی پیچھے رہا۔

یزید کی شخصیت کا ساقط الاعتبار اور مجہول ہونا، نظریات و اعمال کے لحاظ سے جاہلیت، الحاد اور نفاق کا مکمل نمونہ ہونا اور اسلام و اقدار اسلام اور قرآن و سنت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہ ہونا اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ واقعہ کربلا میں بالکل حق بجانب نہیں تھا اور اس نے جو کچھ کیا وہ ایسا جرم ہے جس کا شریعت اسلامیہ اور انسانی تاریخ میں کسی بھی شکل میں جواز نہیں ملتا حضرت امام حسین علیہ السلام کا خروج اور نظام جاہلیت کے خلاف آپ (ع) کا جہاد بالکل صحیح تھا کیونکہ اس زمانے میں آپؑ ہر لحاظ سے مسلمانوں کی قیادت اور اسلام کی حفاظت کے لئے موزوں ترین فرد تھے۔ خاندانی و ذاتی وجاہت، تقویٰ، شجاعت، سخاوت، مروت، علم و معرفت، معاملہ فہمی، قوت فیصلہ اور اسی طرح کے اعلیٰ اوصاف میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

ج۔ قاتلانِ حضرت امام حسین علیہ السلام کا وحشیانہ سلوک

سانحہ کربلا کے زندہ رہنے کے اسباب میں سے ایک، وہ وحشیانہ اور سفاکانہ رویہ ہے جو قاتلانِ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اختیار کیا۔ انسانی تاریخ کی ابتدا سے آج تک بڑے بڑے مظالم و جرائم کا ارتکاب کیا گیا، لاتعداد مظالم اس صفحہ ہستی سے مٹ

چکے ہیں، اسی طرح مظلوم بھی گزر چکے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

لیکن تمام ظالمین کے درمیان ایک مشترکہ خصوصیت پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ظالم کے ظلم اور بے انصافی کی کوئی حد ہوتی ہے۔ چنانچہ جتنے مظلومین کا تاریخِ عالم میں ذکر ملتا ہے ان میں وہ افراد ہیں جنہیں اپنے اعتقادی، اخلاقی اور دینی اقدار و مقاصد اور اقدار و اصولوں کی نشر و تبلیغ میں ظالموں کا سامنا کرنا پڑا اور آخر کار اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی یا وہ افراد ہیں جنہیں دنیاوی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے طرح طرح کی اذیتیں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑیں ان تمام مظلوموں کی مظلومیت کی کوئی نہ کوئی حد ہے۔ اس لحاظ سے تمام مظلوموں کی ایک مشترکہ صفت سامنے آتی ہے۔

مگر سانحۂ کربلا میں ظالموں اور قاتلوں نے ظلم کا ریکارڈ توڑ دیا اور ظلم و ستم اور جرم کا کوئی ایسا پہلو نہیں چھوڑا جو انہوں نے انجام نہ دیا ہو۔ چنانچہ مظلوموں کی مظلومیت کی کوئی حد نہ رہی اور انہوں نے ہر طرح کے ظلم اور مصائب کو راہ خدا اور دینِ خدا کے تحفظ کی خاطر برداشت کیا۔

نظام جاہلیت کے حامی لشکر اور سربراہانِ لشکر انسانیت اور فطرت کے عام اصولوں اور تقاضوں سے اس قدر دور تھے کہ ان پر لفظ انسان کا اطلاق خود انسانی اصولوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ ان میں اسلامی نظام حرب و بغاوت کا پتہ ملتا ہے اور نہ اس وقت کی زمانہ جاہلیت کی رسوم و عادات کے مطابق غیرت و حمیت کی بو آتی ہے اور نہ عرب قبائل کے اصولوں کا کوئی نام و نشان نظر آتا ہے گویا کہ لشکر اور سربراہانِ لشکرِ یزید خود یزید جیسی ایک مخلوق نظر آتے ہیں جنہوں نے عمر بھر وحشیانہ، بربریت آمیز اور غیر انسانی اصولوں

کی تربیت حاصل کی ۔ یزیدی فوج کے وحشیانہ مظالم کا نمونہ پیش کرنے سے قبل بطور تمہید ایک چیز کا ذکر کرنا ضروری ہے:

آیا نظام جاہلیت کے خلاف خروج و انقلاب حضرت امام حسین علیہ السلام درست تھا یا نہیں؟

اس کا صحیح جواب سابقہ مباحث، خاص کر انقلاب حسین علیہ السلام کے علل و اسباب کے باب میں گزر چکا ہے اس لئے اس کی تکرار نہیں کرتے۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے (فرضِ محال، محال نباشد) حضرت امام حسین علیہ السلام کا خروج اسلامی نقطہ نگاہ کے مطابق درست نہیں تھا اور یہ حاکم وقت کے خلاف بغاوت تھی۔ جیسا کہ خلیفہ چہارم حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بغاوت کا طوفان کھڑا کیا گیا تھا اور بالآخر حضرت علی علیہ السلام نے ان باغیوں سے جنگ کر کے ان کو نیست و نابود کر دیا تھا۔

ہم تھوڑی دیر کے لئے یزیدی حکومت (نظام جاہلیت) کے نقطہ نظر کو صحیح مان بھی لیں تو مندرجہ ذیل سوالات از خود پیدا ہوتے ہیں۔

(ا)۔ خروجِ حضرت امام حسین علیہ السلام کو خلیفۂ چہارم حضرت علی علیہ السلام کے خلاف خروج کرنے والوں پر قیاس کرنا غلط ہے اور اسے اصطلاحاً قیاس مع الفارق کہا جاتا ہے

حضرت علی علیہ السلام کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والوں کے ہمراہ ایک منظم اور باقاعدہ فوج تھی۔ جنگِ جمل میں مکہ سے آنے والوں کے علاوہ پورا بصرہ مرکزی حکومت کے خلاف تمام ساز و سامان کے ساتھ آمادہ جنگ تھا اور صفِ بغاوت میں ہزاروں کی تعداد پر لشکر شامل تھا۔ اسی طرح جنگِ صفین میں معاویہ شام کی پوری فوج کو لے کر خلیفۃ المسلمین کے خلاف نکلا تھا۔ جنگِ نہروان کا حال بھی یہی ہے۔

لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کا خروج ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ آپ (ع) نے اہلِ کوفہ کی دعوت اور تقاضوں پر ان کی خواہشات کے مطابق عراق کی جانب کوچ فرمایا تھا آپ (ع) کسی صورت میں بھی یزید کی بیعت کرنا شریعت کی رو سے جائز نہیں سمجھتے تھے اور آپ (ع) حاکم نظام کو نظامِ جاہلیت و بربریت تصور کرتے تھے۔ لہذا یزیدی نظام کے خلاف خروج کرنا اور اس کی جگہ صاف و شفاف اسلامی نظام کو نافذ کرنا ہر مسلمان پر واجب سمجھتے تھے اور اسی نقطۂ نظر کے تحت آپؑ مکہ و مدینہ کو چھوڑ کر کوفے کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا آپ (ع) کوئی باقاعدہ فوج اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے؟ نہیں بلکہ آپ (ع) کے ہمراہ آپ (ع) کے اہلِ خانہ تھے۔ آپ (ع) کے ساتھیوں کی تعداد صرف ۷۲ تھی جن میں سے ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادہ تھے[1] یا ۴۵ سوار اور ایک سو یا اسّی پیادہ تھے۔ اسے کوئی بھی شخص فوجی چڑھائی نہیں کہہ سکتا۔

دوسری طرف آپ (ع) کے مقابلے میں ابن زیاد نے پورے کوفہ کو عمر بن سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں کربلا روانہ کیا تھا تاکہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ (ع) کے ساتھیوں کو قتل کریں۔ یزیدی فوج کی تعداد، چار سے چھ ہزار، آٹھ ہزار، بارہ ہزار، سولہ ہزار، بیس ہزار، بائیس ہزار، تیس ہزار، پینتیس ہزار، پچاس ہزار اور اسّی ہزار تک پیادہ بتائی گئی ہے[2]۔ مگر قرینِ صحت تیس ہزار ہے۔ جو حضرت امام صادقؑ

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۷۔ خلافت و ملوکیت ص ۱۸۰۔ حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۳ ص ۱۲۵۔ ۱۶۵
مقتل الحسینؑ للمقرم ص ۲۷۵۔ ۲۷۶۔

[2] حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۳ ص ۱۲۰۔ بعض کتب میں یہ تعداد ایک لاکھ سے پانچ لاکھ تک بھی مذکور ہے مگر یہ ایک افسانہ ہے

سے بھی مروی ہے۔

تیسری جانب حضرت امام حسین علیہ السلام اگر فوجی چڑھائی کی نیت سے تشریف لے جا رہے ہوتے تو جب آپؑ کو معلوم ہوا کہ کوفے کے حالات سو فیصد اطمینان بخش نہیں ہیں اور خاص کر جب جناب مسلم کی شہادت کی خبر ملنے کے بعد صورتِ حال مکمل طور پر آپ پر واضح ہو گئی کہ کوفے میں آپ (ع) کا کوئی مددگار نہیں ہے، تو آپ (ع) اپنے اہلِ خانہ کو، جو آپ (ع) کے ہمراہ تھے، کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیتے یا کم سے کم انہیں ہمراہ نہ لاتے مگر آپ (ع) نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ فوجی چڑھائی کی نیت سے نہیں جا رہے تھے۔

اس کے علاوہ اگر آپ (ع) کا ارادہ کسی فوجی بغاوت کا تھا تو یہ حکمت و تدبر کے خلاف ہے کہ مدینہ سے لے کر شبِ عاشور تک آپ (ع) بار بار اپنے ساتھیوں کو واپس جانے کی اجازت دیتے رہے نیز فوجی بغاوت یا چڑھائی کا بغیر کسی فوج کے کیا مفہوم ہے؟

مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نہ کردی باچنیں سامان سفر
دشمنان چوں ریگ صحرا لاتعد
دوستان او بہ یزدان ہم عدد

(۱۱) حیرت ہے کہ بعض حضرات جو حضرت امام حسین علیہ السلام پہ حاکم وقت اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف فوجی بغاوت کا الزام لگاتے ہیں یعنی یزید کو حق بجانب سمجھتے ہیں، وہ اپنے اسی نقطہ نگاہ کے مطابق جنگِ جمل اور جنگ صفین میں خلیفۃ المسلمین حضرت

علی علیہ السلام کے خلاف جنگ کرنے والوں کو باغی وطاغی اور خلیفۃ المسلمین پر خروج کرنے والے نہیں مانتے۔ یہاں ایک حکم اور وہاں دوسرا حکم کیوں لگاتے ہیں؟

(۱۱) یزیدی حکومت (نظامِ جاہلیت) کے نقطۂ نگاہ کو بالفرض صحیح بھی تصور کر لیا جائے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اس کے خلاف بغاوت کر رہے تھے اور آپؑ فوجی چڑھائی کی غرض سے بغاوت کے اسباب و وسائل فراہم کئے بغیر مدینہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے تھے تو پھر بھی یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام میں حکومتِ وقت کے خلاف خروج و بغاوت کرنے والوں کے لیے کوئی ضابطہ یا قانون نہ تھا؟

اگر حکومت یزید اسلامی حکومت ہوتی اور جاہلیت کا نظام نہ ہوتا تو قطعی طور پر کتاب اللہ، سنت رسول (ص) اور سیرت سلف صالح پر عمل کیا جاتا مگر امر واقعہ یہ ہے کہ یزید اور اسلامی نظام کے درمیان دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اور اس سے نظام اسلامی کے نفاذ کی توقع کا کیا مفہوم ہے؟

(۱۲) اگر یزید میں سیاسی بصیرت اور تدبیر مملکت کا عنصر موجود ہوتا تو وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو علی الاعلان قتل کرنے کی بجائے کسی اور طریقے سے ختم کرتا۔ جیسا کہ امیر معاویہ نے اپنے اکثر و بیشتر سیاسی حریفوں کو اسی طرح ختم کیا۔ کسی کو شہد میں زہر ملا کر شہید کرایا۔ جیسا کہ مالک اشترؓ ہیں اور کسی کو زہریلے پانی سے شہید کرایا جس طرح کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو شہید کیا وغیرہ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام جب اہالی کوفہ کی دعوت پر کربلا پہنچے تو آپ (ع) کو قتل کرنے کے لئے اس قدر سامان جنگ اور فوج جمع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ آپ (ع) کو کربلا یا کسی اور مقام پر محصور کر کے گرفتار کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ آپ (ع) نے یہ

خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ آپ (ع) کو چھوڑ دیا جائے تا کہ جدھر سے آپ (ع) آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں ۔[1]

(۷) نظام جاہلیت کی سوچ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کے فیصلہ پر ہی منتج ہوئی[2] اور جنگ کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تھا اور آپ (ع) کی فوج کا قتل درست سہی لیکن کم سن بچوں کا کیا قصور تھا ؟ جو نہ تو یزیدی افواج سے لڑنے کے لئے آئے تھے اور نہ ہی وہ اس قابل تھے ۔

(۸) کربلا میں یزیدی افواج نے عورتوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کیا ۔ عورتوں کا کیا قصور تھا ؟

حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ (ع) کے باوفا ساتھیوں کو نہایت بہیمانہ اور وحشیانہ طریقے سے شہید کیا گیا اور تین دن تک پانی بند کر دیا گیا ۔ قوم یزید نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام سمیت تمام شہداء کی لاشوں کو گھوڑے دوڑا کر پامال کیا ۔[3]

ان مظالم کے بعد آلِ رسول (ص) کے خیموں کو جلا دیا اور لوٹ لیا گیا ۔ قوم یزید کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا کہ خواتین کے جسموں سے چادریں تک چھین لیں اور عورتوں اور بچوں کے زیورات نوچ لئے ۔[4]

شہداء کے سرہائے مبارک کاٹ کر کوفہ لے جائے گئے ۔

---

[1] طبری ج ۳ ص ۳۱۲ ۔

[2] یاد رہے کہ مکہ و مدینہ میں آپؑ کو شہید کرنا حکومت کی حکمت عملی تھی ۔ مگر وہ ناکام رہی ، اور اس وقت بات کربلا سے متعلق ہے ۔

[3] طبری ج ۳ ص ۳۳۵ ۔ [4] طبری ج ۳ ص ۳۳۴ ۔

آلِ رسول (ص) کو قیدی بنا کر کربلا سے کوفہ نظام جاہلیت کے گورنر ابن زیاد کے سامنے لے جایا گیا۔ ابن زیاد نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سرہائے مبارک اور اسیرانِ کربلا کی اس نے کوفہ کے کوچہ و بازاروں میں سرِعام نمائش کی۔

علاوہ ازیں بوسہ گاہ پیغمبر (ص) حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کے ساتھ گستاخی بھی کی گئی۔

یزیدی افواج نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور آلِ رسول (ص) کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ایک فرد یا افراد کا رویہ نہیں تھا بلکہ اس نظام کے مزاج کا تقاضا ہی یہ تھا جو اس وقت تمام مسلمانوں پر مسلط تھا۔ لہٰذا اس لرزہ براندام کارروائی سے معلوم ہوتا ہے:

۱۔ یہ حاکم نظام کی بربریت اور وحشیانہ پن کا کھلم کھلا ثبوت ہے۔

۲۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ (ع) کے ساتھیوں کو وحشیانہ انداز میں شہید کرنے اور پھر آلِ رسول (ص) کو قیدی بنا کر ان کی شہر بہ شہر تشہیر کرنے سے ظالم ان کی تذلیل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ ان کی ایسی غلطی تھی کہ جس سے نہ صرف وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہوئے بلکہ اس کا نتیجہ حاکم نظام کے وہم و خیال کے برعکس خود اس کے اپنے خلاف ثابت ہوا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور انقلاب حسین (ع) کی نصرت اور محبوبیت لوگوں کے دلوں میں بڑھتی چلی گئی اور یزید و نظام جاہلیت کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوتا گیا۔

اس حقیقت کی طرف یزید اس وقت متوجہ ہوا جب اس کے تدارک کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا اور وہ ہر قسم کی وحشیانہ کارروائی حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ (ع) کے اہل بیت کے خلاف کر چکا تھا۔

یزید کہتا ہے:

"لقد زرع ابن زیاد فی قلب البر والفاجر والصالح والطالح العداوۃ" [1]

"ابن زیاد نے ہر نیک و بد کے دل میں میری دشمنی کا بیج بو دیا۔

"لعن اللہ ابن مرجانہ لقد بغضنی الی المسلمین وزرع لی فی قلوبھم البغضاء" [2]

"خدا ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے اس نے مجھے مسلمانوں میں مبغوض کیا اور ان کے دلوں میں بغض و عداوت کا بیج بویا۔"

یہاں یزید اپنی سیاسی غلطی کی ذمہ داری ابن زیاد پر ڈالنا چاہتا ہے۔ گویا یہ تمام کارروائی ابن زیاد کے نظریہ اور صوابدید پر ہوئی۔ اور اس میں یزید کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔

مگر سوال یہ ہے کہ اگر ہم ان تمام تاریخی شواہد سے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کے حکم اور پھر آپ (ع) کی شہادت کی خبر سن کر اس کی خوشی کا واضح ثبوت ہیں قطع نظر کر کے یہ مان لیں کہ یزید راضی نہیں تھا یا وہ بعد میں نادم ہوا تو کیا اس نے اس کا کوئی عملی ثبوت پیش کیا؟ کیا اس نے ابن زیاد کو اس عظیم ظلم پر کوئی سزا دی؟ کیا اسے معزول کیا؟ کیا اسے ملامت و مذمت کا کوئی مراسلہ بھیجا؟ اس نے تو ابن زیاد کو اپنا ندیم اور صاحب اسرار بنایا۔ اسے کافی تحفے دیئے وہ اسے اپنے ساتھ شراب پلایا کرتا تھا [3] قاتلان حضرت امام حسین جب اسیران آل رسول (ص) اور شہداء کے سرہائے مبارک کے ہمراہ دمشق پہنچے تو یزید نے ان کو کیا سزا دی؟ یزید نے کچھ نہیں کیا [4]

---

[1] تذکرۃ الخواص ص ۲۲۴، صواعق ص ۳۳۱۔

[2] تذکرۃ الخواص ص ۲۳۸۔

[3] تذکرۃ الخواص ص ۲۶۰۔

[4] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۰۳۔

ابن زیاد کے نزدیک یزید ہی قاتل حسینؑ ہے۔[1] چنانچہ یزید بن معاویہ نے ابن زیاد کو قتلِ حسینؑ پر مامور کرتے ہوئے لکھا:

اگر ایسا نہیں کیا تو تم کو اپنے پہلے باپ (عبید) کی طرف منسوب کر دیا جائے گا۔[2]

ظالم سے نفرت اور مظلوم کے ساتھ ہمدردی فطرت بشری میں داخل ہے اور اس میں کسی مذہب و خیال کا امتیاز نہیں ہوتا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام پر جو مظالم کربلا میں واقع ہوئے ان کی مثال تاریخ عالم میں ناپید ہے یوں تو اکثر انبیاء اور بے گناہ افراد مظالم کا شکار ہوئے مگر بحیثیت مجموعی وہ تمام مصائب جن کا سامنا فرداً فرداً بہت سے اشخاص کو کرنا پڑا حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی اور آپ (ع) کے باوفا ساتھیوں اور اہل بیت رسالتؐ میں اکٹھے ہو گئے اور ان کے یکلخت جمع ہو جانے سے آپ کی ذات مظلومیت میں اپنی مثال آپ قرار پائی لہذا جس قدر حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کا درجہ بلند اور ظالم کے ظلم کا درجہ شدید ہے اسی قدر ہمدردی بھی کہ جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بحیثیت مظلوم ہونی چاہیئے، ہر دوسرے مظلوم سے زیادہ ہے اور وہ نفرت بھی کہ جو آپ (ع) کے دشمنوں سے بحیثیت ظالم ہونی چاہیئے: دنیا کے تمام ستمگاروں کی نسبت زیادہ ہے۔[3]

قافلۂ اسیران کی کربلا سے مدینے تک تبلیغ

حضرت امام حسین علیہ السلام کے مکہ سے روانہ ہونے کے وقت کسی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ آخر حضرت امام حسین علیہ السلام کیوں اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لئے ایسے شہر کی طرف جا رہے ہیں جہاں کے باشندے نفاق، فریب اور متزلزل ایمان میں مشہور ہیں آپؑ

---

[1] الکامل ج ۴ ص ۱۴۰۔
[2] یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۲۔
[3] شہید انسانیت ص ۲۷-۲۸، مختصر تبدیلی کے ساتھ۔

کے خیرخواہوں ابن عباس جیسے تجربہ کار اور صاحبان بصیرت نے خود آپ (ع) کو عراق جانے سے منع کیا اور خاص کر اہل وعیال کو ہمراہ نہ لے جانے کا مشورہ دیا۔ مگر آپ (ع) کا اصرار یہی رہا کہ ان کو ساتھ لے جانا لازمی ہے۔ جب اہل وعیال کو ہمراہ لے جانے میں ظاہری علل واسباب کی رو سے انہیں کوئی مصلحت نظر نہیں آئی اور اسرار اقدام حسین علیہ السلام سے ناواقف افراد کا اصرار باقی رہا کہ عراق نہ جائیں تو آپ (ع) نے اپنے اس اقدام کا راز سربستہ الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"میرا قتل وشہادت اور اہل وعیال کی اسیری اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہے[1]۔"

خاندانِ رسول (ص) کو ہمراہ لے جانے میں جو راز تھا اس کا انکشاف واقعہ کربلا کے بعد کے حالات سے ہوا۔ انقلاب حسین علیہ السلام کے دو مرحلے تھے۔ پہلا مرحلہ شہادت تک محدود تھا۔ اس مرحلے کے تمام فرائض اور تقاضے حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی نے انجام دیئے۔

دوسرے مرحلے کا آغاز بعد از شہادت ہوا۔ اس مرحلے کے فرائض اور ذمہ داریاں آلِ محمد (ص) نے انجام دیں۔ انقلاب حسین علیہ السلام میں اگر دوسرا مرحلہ نہ ہوتا اور واقعہ کربلا کی انتہا صرف شہادت پر ہو جاتی تو شہادت اور فلسفہ شہادت کا نام بھی ختم ہو جاتا اور انقلابِ حسین علیہ السلام نہ صرف جاوید اور باقی نہ رہتا بلکہ اس کا شمار تاریخ کے بیشمار حادثات میں سے ہوتا جن کے تذکرے صرف کتب تواریخ تک محدود ہیں۔

واقعہ کربلا سے پہلے پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ آپ (ع) نے دوسرے مرحلے کے لئے جتنے سامان فراہم کئے اتنے پہلے مرحلے کے لئے فراہم نہیں کئے۔ کسی وقت بھی خاص کر شہادت حضرت مسلم (ع) کی اطلاع ملنے کے بعد آپ (ع) اپنے اہل وعیال کو کسی اور جگہ منتقل فرما سکتے تھے تاکہ وہ ہر قسم کے متوقع خطرات سے محفوظ رہیں۔

---

[1] بحار ج ۴۴ ص ۳۶۴۔

مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ ایک بار راستے میں اور دوسری مرتبہ شب عاشور[1] تمام اصحاب اور جوانانِ بنی ہاشم کو چلے جانے کی اجازت دے دی مگر اہل وعیال کو جانے کا کوئی خاص حکم نہیں دیا[2]

مطلب واضح ہے آپ (ع)، کے حریف ہر قسم کے اسلحے سے لیس تھے دشمن کو شکست دینے کے لئے اس کے حربے سے زیادہ مؤثر ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ انقلاب حسین علیہ السلام کے پلان میں اہل وعیال کو ساتھ لانا ایسے مؤثر ہتھیار کے استعمال کی ایک کڑی تھی جس کی افادیت سے دوست اور دشمن دونوں بے خبر تھے۔

اسیران کے کارنامے

اسیران آل رسول (ص) نے دوسرے مرحلے کی ذمہ داریاں درج ذیل طریقے سے انجام دیں:

(و)۔ انقلاب حسین علیہ السلام کے اہداف ومقاصد کا بیان۔

(ب) جاہلیت کے نظام کی رسوائی۔

(ج)۔ یہ تصور دینا کہ راہِ حق میں شہید ہونا باعث فخر ہے نہ کہ ذلت وخواری، جیسا کہ نظام جاہلیت کے حامیوں کا خیال تھا۔

(د)، اسیران آل رسول (ص)، نے یزید کے عزائم اور جاہلیت کے خیالات کو اس طرح عیاں کر دیا کہ پھر ان کی پردہ پوشی ناممکن ہوگئی حسین علیہ السلام کی محبوبیت اور انقلاب حسین علیہ السلام کی حقانیت لوگوں میں بڑھ گئی اور یزید سے ان کی بیزاری میں بھی اضافہ ہوگیا۔

---

[1] طبری ج ۳ ص ۳۱۵۔

[2] المقرم ص ۷۶۔

خطبات کے اثرات

حضرت امام حسین ابن علی (علیہما السلام) کے پلان کے مطابق انقلاب کا پہلا مرحلہ مکمل کامیابی کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ اب دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا تاکہ مقصد انقلاب پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

پہلے مرحلے کا حسینی ہتھیار خون و شہادت فی سبیل اللہ میں مضمر تھا مخالف قوت پر جو ضرب کاری اس ہتھیار سے لگی وہ جدید ترین اسلحہ کے ذریعے بھی نہیں لگائی جاسکتی تھی۔ خون، جہاد اور فنا فی اللہ کے ساز و سامان نے نظام جاہلیت کی کمر اس انداز میں توڑ دی کہ جو کبھی درست نہیں ہوسکتی۔ باطل قوتوں کے تمام اسلحے طاقت اور بنیادی مشینری کو تہس نہس کردیا جو انسانی اور اسلامی تاریخ میں بے مثال کارنامے کی حیثیت سے باقی رہے گا۔

لیکن دوسرے مرحلے کا ساز و سامان دنیاوی عام سامان سے الگ ہونے کے ساتھ ساتھ پہلے مرحلے سے بھی مختلف ہے ایک لٹا ہوا قافلہ ہے۔ اس کا صبر و تحمل عزم اور ارادہ ہے۔ پہلے مرحلے کے سپہ سالار خود حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی تھی جبکہ دوسرے مرحلے کی سپہ سالار ایک ایسی مخدرہ خاتون ہیں جو ہر طرف سے مصائب و آلام اور مشکلات کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ یوں تو ان کا تعلق جنس لطیف سے ہے مگر مشکلات سے مقابلے اور ظالم و جابر نظام کے چہرے کو بے نقاب کرنے کے میدان میں انہوں نے بہادر اور شیر دل مردوں سے بڑھ کر کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کارناموں کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ یہ خاتون تھیں کون؟

لٹا پٹا قافلہ، ثانی زہرا[ع] اور دختر علی[ع] کی قیادت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے کربلا سے کوفہ اور پھر شام کی طرف چل پڑا۔ اس قافلے کا ایک ایک قدم اور ایک ایک

لفظ انقلاب حسین علیہ السلام کی تکمیل اس کی جاویدانی اور بقا کے لازوال اسباب کی فراہمی کے سلسلے میں ایک منفرد باب ہے۔ اگر اس قافلہ اسیران کی جگہ انقلاب حسین علیہ السلام کے نقشے میں نہ ہوتی تو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت، اپنے پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام اور برادر گرامی حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے مختلف نہ ہوتی بلکہ افادیت و مؤثر ہونے کے اعتبار سے باقی شہادتوں اور اس میں یقیناً زیادہ فرق نہ ہوتا۔

بار بار اس نکتہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت امام حسین بن علی (علیہما السلام) صرف شہادت کے خواہاں نہیں تھے۔ بلکہ آپ (ع)، مؤثر، مفید اور جاوید شہادت کے متمنی تھے لہٰذا اس مقصد کی تکمیل کے لئے اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لیا تاکہ مذکورہ کارنامے انجام دیئے جاسکیں۔

اسیرانِ آلِ محمد (ع)، کے کارناموں کا اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو بقول "مثنوی ہفتاد من کاغذ شود" تاہم ان کے اثرات کی ایک جھلک قارئین کی خدمت میں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

کوفہ میں

حاکم نظام کی جانب سے حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہلِ بیتِ امام (ع)، کے خلاف طرح طرح کے الزامات لگائے جاچکے تھے اور اس وقت کے ذرائع ابلاغ کو انقلاب حسین علیہ السلام کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔ اب قافلہ اسیران کی ایک بڑی ذمہ داری یہ تھی کہ ان تمام الزامات اور حکومت کے جھوٹے پروپیگنڈے کا دندان شکن جواب دے۔ قافلہ اسیران کے پاس اپنے کردار، عزم بالجزم، بروقت صحیح موقف اور خداداد فصاحت و بلاغت سے بھرے ہوئے خطبات اور تقاریر کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

اسیرانِ آلِ محمد (ص)، کو کوفہ لایا گیا۔ کوفہ کے گلی و بازار تماشائیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ لوگ کھجوریں صدقے میں اہلِ بیت رسول (ص)، کو دے رہے تھے۔ مگر دختر علی علیہ السلام ام کلثوم

بچوں کے ہاتھ سے کھجوریں چھین کر پھینکتے ہوئے کوفے والوں کو بتا رہی تھیں کہ وہ آلِ رسولؐ ہیں اور ان پر صدقہ حرام ہے[1]۔

بازار کوفہ کو اسیرانِ آلِ رسول (ص) نے اس انداز سے حکومت کے خلاف استعمال کیا کہ جو ابن زیاد کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا یہ کیا جا رہا ہے کہ آلِ رسول (ص) کی تذلیل و تشہیر کی خاطر ان کو بازار کوفہ میں قیدی بنا کر لایا گیا تھا۔ لیکن بازار کوفہ یک دم اسیرانِ آلِ رسول (ص) کا ہم نوا اور ہم صدا بن گیا ہے اور اس کیفیت میں اس نے قاتلانِ حضرت امام حسین علیہ السلام پر لعن و نفرین کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔

اسیرانِ آلِ رسول (ص) نے اس کثیر جمعیت کو انقلابِ حسین علیہ السلام کا پیغام پہنچانے کا ذریعہ بناتے ہوئے اپنے دلسوز اور جاذب خطبات کا آغاز کیا۔ ان خطبات کا اس قدر اثر ہوا کہ پورا مجمع منقلب ہو گیا۔ مردہ ضمیر بیدار ہو گئے اور بے حسی اور لاتعلقی کی فضاء مکدر ہو گئی ان خطبات نے جمود و سکوت کو حرکت و جنبش میں تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں ندامت قلبی پیدا کر دی حزب حاکم کی خوشی و مسرت غم و مصیبت، ذلت و خواری اور عار و ننگ کی علامت بن گئی۔

چنانچہ حضرت علی ابن الحسین زین العابدین (علیہما السلام) کے خطبے کے اثرات کے بارے میں مورخین لکھتے ہیں:

"فارتفعت اصوات الناس بالبکاء من کل ناحیۃ وقال بعضہم لبعض ھلکتم وما تعلمون"[2]

"ہر طرف سے لوگوں کی آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ تم نادانستگی میں ہلاک ہو گئے"۔

---

[1] المقرم ص ۴۰۱۔
[2] وجدان ص ۲۳۰۔

سالارِ قافلہ اسیرانِ آلِ محمد (ص)، دخترِ زہرا (ع)، حضرت زینب (ع)، کے خطبے کا یہ اثر ہوا:

"خدا کی قسم! میں نے آج تک کسی مخدرہ کو دخترِ علیؑ زینبؑ جیسے بیان کا مالک نہیں دیکھا۔ گویا وہ حضرت علی علیہ السلام کی ترجمانی کر رہی تھیں۔ خدا کی قسم! زینبؑ کی تقریر جاری تھی اور لوگ رو رو کر فریاد کرتے ہوئے بیہوش ہو گئے" ح۱

ایک اور راوی سے منقول ہے:

"جناب زینبؑ کی دل ہلا دینے والی تقریر نے پورے مجمع کو مضطرب کر دیا تھا اور ہر سننے والا رو رہا تھا۔ ایک بوڑھے کو میں نے دیکھا کہ وہ کہہ رہا تھا:

"میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں۔ آپ کے بوڑھے دنیا کے تمام بوڑھوں سے، آپ کے جوان تمام جوانوں سے، آپ کی عورتیں تمام عورتوں سے اور آپ کی نسل تمام نسلوں سے افضل و برتر ہے"۔

جناب ام کلثوم کی آتشیں تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ لوگ رو پڑے۔ عورتوں نے سر کے بال بکھیر دیئے۔ سروں پر مٹی ڈالی۔ چہروں پر طمانچے مارے اور خراشیں ڈال لیں ح۲

اسی طرح باقی مخدراتِ عصمت کے خطبات نے معجزہ نما اثرات مرتب کئے۔ ابن زیاد کے دربار میں اور پھر یزید سے آلِ رسول (ص) کے مکالموں نے حاکم نظام کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ جس کی تفصیل مقاتل اور تواریخ کی کتب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اسیرانِ آلِ محمد (ص)، کی تقاریر کے مضامین انقلاب حسین علیہ السلام و اہل بیت کی

ح۱ وجدان ص ۲۳۰۔

ح۲ وجدان ص ۲۳۰۔

حقانیت، شہادت کی فضیلت و محبوبیت، حاکم نظام کی تنقید و مذمت اور جاہلیت کی
کی نمائندگی و قاتلانِ حسین علیہ السلام کے وحشیانہ پن اور بہیمانہ سلوک پر مشتمل ہوتے تھے۔
نظام جاہلیت کا خیال یہ تھا کہ قتل حسین علیہ السلام سے اقتدار مستحکم ہو گیا ہے اور بنی امیہ
کے مقابلے میں کوئی ایسا فرد نہیں رہ گیا کہ جو ان کے تخت و تاج، شراب و کباب اور حکومت
و کرسی کے لئے خطرہ بنے اور اسی غرض کی تکمیل کے لئے اسیرانِ رسول (ص) کو دربدر اور
دربار بہ دربار پھراتے ہوئے ان کی تشہیر کی جس سے لوگوں کو یہ بھی بتانا چاہتے تھے کہ
ہر اس شخص کا یہی انجام ہوگا جو ان کی سلطنت و ملوکیت کے خلاف اقدام کرے گا مگر یزید اور
اس کی حکومت کی مشینری کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آل رسول (ص) کی اسیری میں یزید
کے زوال و فنا اور حسینیت کی بقاء و ہمیشگی کی ضمانت کے اسباب موجود ہیں۔

بالفرض اگر آلِ رسول (ص) مدینہ میں یا کسی اور جگہ قیام پذیر ہوتے اور حسینی انقلاب
کے نقشہ میں دوسرا مرحلہ موجود نہ ہوتا تو یقیناً "زینب کبریٰ" اس انقلاب میں کوئی کردار ادا
نہ کر پاتیں۔ وہ بھائی کی مصیبتوں کو یاد کر کے اور آپ (ع) کے فراق میں حسرت و یاس
سے آنسو تو بہا لیتیں لیکن آپ (ع) کا واقعہ، واقعہ حرہ اور قتل ابن زبیر کی مانند بن جاتا۔

یہ کارنامہ جناب زینبؑ اور باقی قافلہ اسیران کی بدولت انجام پایا کہ پیغام شہادت
کو جگہ جگہ پہنچا دیا گیا اس پیغامِ خون و شہادت نے ظالموں کے قصر کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں،
سخت سے سخت دل میں بھی انقلاب، حق اور حقیقت کی راہ میں ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کیا
اور خاموش اور جامد معاشرہ میں حرکت و جنبش کا بیج بو دیا گیا۔

یہ سب حسین ابن علی علیہما السلام کی قوت بصیرت، دور اندیشی اور انقلاب کی بقاء و استمرار
کی ضمانت کا پہلے ہی سے صحیح نقشہ تیار کرنے کا نتیجہ تھا۔ لہذا حضرت امام حسین علیہ السلام نے

مکہ سے روانہ ہوتے ہوئے محمد بن حنیفہ کے جواب میں فرمایا:

"میرے اہل وعیال کا اسیر ہونا اللہ کی مشیت کے مطابق ہے[۱]۔"

انقلاب حسین علیہ السلام کے مرحلہ دوم کی پلاننگ نے حاکم نظام پر وسیع وعریض دنیا تنگ کر دی۔ یزید کی آنکھوں سے میٹھی نیند چھن گئی۔ فتح وکامیابی، استحکام اقتدار اور انتقام کی خوشی میں منائے جانے والا جشن، مجالس عزا میں بدل گیا اور یزید کو جھوٹ پر مبنی یہ اعلان کرنا پڑا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا ذمہ دار ابن مرجانہ ہے کہ ابن میسون (یزید)۔

یزید کا مبنی بر جھوٹ اعلان

واقعۂ کربلا اور اس کے بعد اسیران آل محمد (ص) کے مؤثر خطبات سے نظام جاہلیت کی حقیقت وماہیئت آشکارا اور اس کے سنگین نتائج برآمد ہونے کا یزید کو احساس ہوا۔ عام مسلمانوں کے دلوں میں اس کی تحقیر ومذلت اور مذمت کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ یہاں پر یزید نے متوقع خطرات سے نمٹنے کے لئے ندامت کا اظہار کیا۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں:

"یزید قتل حسین علیہ السلام کی خبر سن کر بہت خوش ہوا۔ مگر بعد میں مسلمانوں کے منفی ردعمل کی وجہ سے نادم ہوا[۲]۔"

یزید بن میسون نے اپنے جرائم کی پردہ پوشی، عام مسلمانوں کو راضی کرنے اور اپنے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے دو اقدام کئے:

۱۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۶۴

۲۔ تاریخ الخلفاء ص ۲۳۲

(i)۔ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذمہ داری ابن زیاد پر عائد کی۔ اس گمراہ کن اقدام کا جواب گزشتہ ابواب میں دیا جا چکا ہے۔

(ii)۔ یہ اقدام اسیران آل محمد (ص) کے بارے میں تھا کہ ان کو حبس و قید میں رکھنا خود یزید کے تخت و تاج کو خطرہ میں ڈالنے کی دعوت دینے کے مترادف تھا اور اس سے اپنے خلاف نفرت پھیلانے کے علاوہ اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تھا لہذا اس نے اسیران آل محمد (ص) کو مدینہ روانہ کر دیا۔

بعض یزیدی مکاتب فکر، مسلمہ تاریخی حقائق کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابتداء ہی سے یزید قتل حضرت امام حسین علیہ السلام پر راضی نہیں تھا اور نہ اس نے یہ حکم دیا تھا۔[1]

ہم گزشتہ بحثوں میں مستند تاریخی کتب کے حوالوں اور عقلی دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ابن زیاد نے جو کچھ کیا وہ اس نے جاہلیت کی مرکزی حکومت (یزید) کے حکم اور رضا کے مطابق کیا تھا۔

سابقہ دلائل کے علاوہ اس نکتہ کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ بالفرض محال اگر یزید کے حکم کے بغیر ابن زیاد نے قتل حضرت امام حسین علیہ السلام کے جرم کا ارتکاب کیا تھا اور یزید اس پر راضی نہیں تھا تو جب ابن زیاد نے مرکزی حکومت سے اسیران آل محمد (ص) کے بارے میں حکم دریافت کیا تھا۔ تو کیا یزید کے ہی حکم پر آلِ رسول (ص) کو کوفہ سے دمشق نہیں روانہ کیا گیا تھا؟ جی ہاں! یزید ہی کے حکم کے مطابق آلِ رسول کو کوفہ سے دمشق روانہ کیا گیا تھا۔[2] جبکہ اس کے لئے ممکن تھا کہ آلِ رسول (ص) کو کوفہ سے باعزت

---

[1] ابن حجر کا نظریہ انتقادی الحدیث ص ۱۹۳۔ المقرم ص ۱۵۔ الصواعق ص ۱۳۱۔

[2] طبری ج ۶ ص ۲۶۴۔ لہوف ص ۹۵۔

طور پر مدینہ روانہ کرنے کا حکم دیتا اور ابن زیاد اور قاتلانِ حسین علیہ السلام کو سزا دیتا بلکہ ابن زیاد کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیتا۔ اس کے علاوہ اگر یزید قتلِ حسین علیہ السلام پر راضی نہیں تھا تو اپنے دربار میں چوبِ ستم سے سرِ مبارک حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ گستاخی کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔[1]

یزیدی مکتبِ فکر کے ایک اہلِ قلم نے یزید کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن تیمیہ اظہر من الشمس تاریخی حقائق کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حرمِ حسین علیہ السلام کوفہ سے شام نہیں لے جائے گئے بلکہ ابن زیاد نے شہادت حسین علیہ السلام کے بعد انہیں مدینہ روانہ کر دیا۔"[2]

۱۔ یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۵۔

۲۔ منہاج الاعتدال ص ۲۸۸، از المقرم ص ۲۴۴۔

خارجی عوامل

۱۔ تربت حسینؑ پر سجدہ

شیعہ و سنی دونوں کی کتب میں حضرت رسولِ خدا (ص) کی یہ روایت موجود ہے:

"جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً"

"میرے لئے زمین کو سجدہ گاہ، پاک اور پاک کنندہ قرار دیا گیا ہے۔"

نماز ہو یا صرف سجدہ، پاک زمین پر سجدہ کیا جا سکتا ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربت پر سجدہ کرنا ائمہ اہل بیتؑ کی روایات میں مستحب قرار دیا گیا ہے حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"السجود علی طین قبر الحسینؑ ینور الی الارضین السبعة ومن کانت معه سبحة من طین قبر الحسین (ع) کتب مسبحاوان لم یسبح بها"[1]

"حسین (علیہ السلام) کی قبر (مبارک) کی تربت طیبہ پر سجدہ کرنے سے ساتویں زمین تک منور ہوتی ہے اور جس کے پاس قبر حسین (ع) کی تربت سے بنی ہوئی تسبیح ہو تو وہ تسبیح پڑھنے والوں میں شمار ہوتا ہے خواہ وہ تسبیح نہ پڑھ رہا ہو۔۔۔"

ایک روایت میں ہے:

---

[1] وسایل ج ۳ ص ۶۰۷-۶۰۸ الباب مایسجد علیہ

"کان الصادق (ع) لا یسجد الا علی تربة الحسین (ع)"[1]

"حضرت صادق آلِ محمد (ص) صرف تربت حسین (ع) پر سجدہ کیا کرتے تھے۔"

حضرت امام صادق (ع) کے قول و عمل کا فلسفہ واضح ہے۔ آپؑ امتِ اسلامیہ کو حضرت امام حسین بن علی (علیہما السلام) سے مربوط کرنا چاہتے تھے اور ہر مسلمان کو بہترین اعمال کی انجام دہی کے وقت یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اسی نماز اور اسلامی نظام کی بقا و استمرار کی راہ میں شہید ہوئے اور اسے بھی چاہیئے کہ آپؑ کی پیروی کرے اور نماز اسی طرح قائم کرے جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام نے قائم فرمائی تھی اور اسلام کا دفاع اسی طرح قائم کرے جس طرح آپ (ع) نے نازک ترین مرحلے پر دفاع کیا تھا۔

تربت پر سجدہ کرنے سے سینکڑوں یادیں تازہ ہوتی ہیں نیز مختلف فلسفوں کا استنباط کیا جاتا ہے جس کا خلاصہ معنوی مفاد اور ثواب الہٰی کے حصول کے علاوہ واقعۂ کربلا کو مسلمانوں کے سامنے ہمیشہ زندہ قائم اور دائم رکھنے میں ہوتا ہے۔ اس کو زندہ رکھنے سے انسان کے دل میں جذبۂ جہاد، قربانی، ایثار اور ظالم سے مقابلہ کرنے کا جوش و ولولہ زندہ اور تازہ ہوتا ہے۔

۲۔ زیارت

زیارت کا جواز کتب فریقین میں منقول حضرت رسولِ خدا (ص) کے قول و فعل سے ملتا ہے بلکہ مستحب ہونے کی تاکید بھی ملتی ہے۔ اسی استحباب کی روشنی میں مسلمان جگہ جگہ سے حضور اکرمؐ اور باقی بزرگوار کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ عراق، اسلامی جمہوریہ ایران اور شام وغیرہ روانہ ہوتے ہیں۔ آئمہ اہل بیت (ع) کی روایات کے مطابق اولیاء الہٰی، آئمہ معصومین (ع) اور

---

[1] وسایل ج ۳ ص ۶۰۸۔

حضرت رسول خدا (ص) کی زیارت بالعموم اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت بالخصوص مطلوب اور مستحب ہے۔ زیارت بذات خود عبادت اور عمل ثواب ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر اہداف اور نتائج کی بھی حامل ہے۔ جس میں سر فہرست امت اسلامیہ کو آئمہ معصومین ع خاص کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے عظیم انقلاب سے ہمیشہ کے لئے منسلک کرنا تھا نیز آپ (ع) کے کارناموں فضائل و صفات کو جن کا ایک حاکم و رہبر اسلامی میں ہونا ضروری ہے مسلمانوں کے دل، ضمیر اور احساس و مشاعر کا جزو بنایا جائے۔ کیونکہ زیارت فی الواقع زائر اور مزور (جس کی زیارت کی جائے) کے درمیان روحانی رشتے اور معنوی رابطے کا مظہر ہے۔ اس سے زائر کے عملی عزم و جزم کا پتہ ملتا ہے کہ وہ مزور کے اہداف و مقاصد کی تکمیل کے لئے بوقت ضرورت جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ زائر کے جدید عہد و پیمان کا عملی ثبوت بھی ہے کہ جس راہ پر مزور چلے تھے زائر بھی اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اسی راہ پر گامزن رہے گا۔ اور مزور کی زندگی و کردار کو اسوہ حسنہ اور مشعل راہ قرار دیتا رہے گا۔

زیارت گزشتہ ادوار کی حمیمیت، کارکردگی اور ایثار کی رپورٹ اور مستقبل کے جہاد و قربانی کا زاد و توشہ ہے حضرت امام حسین علیہ السلام کے زائر کے سامنے مذکورہ حقیقت مجسم ہونی چاہیئے۔

لہذا اگر حضرت امام حسین علیہ السلام کے زائر کا خود حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ فکری، عملی اور اخلاقی غرضیکہ زندگی کی ہر سطح پر کوئی رابطہ نہ ہو یا کبھی تھا اور اب منقطع ہو چکا ہو،

اس کی راہ و رسم اور زندگی یزیدی ہو اور نام کی حد تک وہ مسلمان ہو۔

اس کی خلوت و جلوت یزیدی خط کے اہداف و اعمال کی عکاسی کرتی ہو۔

اس کی زندگی کا ہر پہلو ظلم، بے انصافی، حق کشی، مظلوم کے حقوق کی پائمالی اور ظالم کی تمگیہ

کی حمایت کی علامت ہو۔

اس سے اسلامی اصول ونظریات اور بلند انسانی اخلاق کی قدم قدم پر نفی ہو رہی ہو اور وہ عملی میدان میں فی الواقع حسینی اہداف ومقاصد کے خاتمے کی سعی وکوشش میں معروف یزید کا دوسرا چہرہ ہو۔

اور پھر وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے جائے یا جانے کی خواہش کا اظہار کرے تو ایسے لوگوں کے زیارت کرنے کی نہ صرف کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی بلکہ فی الواقع وہ اپنی تضحیک کا سامان کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ زبانی طور پر حضرت امام حسین علیہ السلام کو امام لیکن عملی طور پر آپؑ کے سب سے بڑے دشمن یزید کو اپنا پیشوا تسلیم کر رہے ہوتے ہیں۔

زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام کی بنیادی شرائط میں سے ایک حسینی راہ پر گامزن ہونے کے عزم وارادہ کو مضبوط کرنا ہے۔ چنانچہ آپؑ کی زیارت کے بعض جملوں میں اس مطلب کی طرف تاکید کی گئی ہے:

"انی سلم لمن سالمتم وحرب لمن حاربتم"

"میری اس سے صلح، جس سے آپؑ صلح کریں اور میری اس سے جنگ جو آپؑ سے جنگ کرے"

"ایما مؤمن اتی قبر الحسین (ع) عارفاً بحقه"[1]

"ہے کوئی مومن جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر پر آپ (ع) کا حق پہچانتے ہوئے آئے۔

حسین بن علی (علیہما السلام) کے حقوق کی معرفت وشناخت آئمہ معصومین (ع) کے نزدیک مطلوبہ زیارت کی شرط ہے زائر حضرت امام حسین علیہ السلام کو چاہیئے کہ وہ اہداف ومقاصد

---

[1] الکافی ج ۴ ص ۵۸۰۔

اور فلسفۂ شہادت کی معرفت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خود زیارت کی غرض وغایت اور فلسفہ مشروعیت سے بھی آگاہی حاصل کرے۔

زیارت کی اہمیت

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی اہمیت ان نصوص سے ظاہر ہوتی ہے جو حضور اکرم (ص) اور آئمہ طاہرین (ع) سے مروی ہیں۔ یہاں پر ہم چند روایات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضور اکرم (ص) نے فرمایا:

"من زار الحسینؑ بعد موتہ فلہ الجنۃ"۔[1]

"جس نے حسینؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کی زیارت کی اس کے لئے جنت ہے"۔

حضرت امام صادق (ع) فرماتے ہیں:

"زیارۃ الحسین بن علی (ع) واجبۃ علی کل من یقر للحسین (ع) بالامامۃ من اللہ عزوجل"۔[2]

"حسین بن علی (علیہما السلام) کی زیارت آپ (ع) کو اللہ کی طرف سے امام ماننے والے ہر فرد پر لازم ہے"۔

حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

"مروا شیعتنا بزیارۃ قبر الحسین (ع) فان اتیانہ مفترض علی کل مومن یقر للحسین (ع) بالامامۃ من اللہ عزوجل"۔[3]

۱۔ ارشاد المفید ص ۲۵۲۔
۲۔ ایضاً
۳۔ کامل الزیارۃ ص ۱۲۱۔

"تمہارے شیعوں سے کہہ دو قبر حسین (علیہ السلام) کی زیارت ہر اس مومن پر لازم ہے جو آپ (ع) کی امامت اللہ کی طرف سے ہونے کا اقرار کرتا ہو۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت امام باقر (ع) سے حکام کے خوف کے باوجود زیارت کرنے کے بارے میں جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"یومنہ اللہ یوم الفزع الاکبر وتلقاہ الملائکۃ بالبشارۃ ویقال لہ لا تخف ولا تحزن ھذا یومک الذی فیہ فوزک" [1]

"خداوند کریم روز قیامت اسے بڑے خوف سے امان دے گا۔ فرشتے اسے بشارت دیں گے کہ مت ڈرو۔ آج کا دن تیرے لئے نجات کا دن ہے۔"

امام صادق (ع) سے مروی ہے:

"زیارۃ قبر الحسین (ع) تعدل عشرین حجۃ وافضل ومن عشرین عمرۃ وحجۃ۔"

"قبر حسین (ع) کی زیارت بیس حج کے برابر بلکہ اس سے بھی افضل اور بیس حج و عمرہ سے افضل ہے۔"

ایک روایت میں آیا ہے:

"من اتی قبر الحسین (ع) عارفاً بحقہ کتب اللہ لہ اجر من اعتق الف نسمۃ وکمن حمل علی الف فرس مسرجۃ ملجمۃ فی سبیل اللہ" [2]

جو حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی قبر پر آپ (ع) کی معرفت کے ساتھ آئے گا خداوند عالم

---

[1] کامل الزیارۃ ص ۱۲۵۔

[2] کافی ج ۴ ص ۱۸۱۔ ثواب الاعمال ص ۱۱۵۔

اسے ایک ہزار غلام آزاد کرنے اور ایک ہزار آمادہ و تیار گھوڑوں پر سوار ہو کر فی سبیل اللہ جہاد کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔"

"من اتی قبر ابی عبد اللہ (ع) عارفاً بحقہ غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر" [1]

"جو امام حسین (ع) کے حقوق کی معرفت کے ساتھ آپ (ع) کے روضہ اقدس پر آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ و آئندہ گناہوں کو بخش دے گا۔"

امام کاظم (ع) فرماتے ہیں:

"ادنی ما یثاب بہ زائر ابی عبد اللہ بشط الفرات اذا عرف حقہ وحرمتہ وولایتہ ان یغفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر" [2]

"جو زائر، حق، مقام و منزلت اور ولایت حضرت امام حسین (ع) سے آگاہ ہو اس کے لئے سب سے کم ثواب یہ ہے کہ اس کے گزشتہ و آئندہ کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

زیارت حضرت امام حسین (علیہ السلام) زائرین کے اخلاقی، فکری، تربیتی اور جہاد کے میدان میں وسیع پروگرام کی حیثیت رکھتی ہے۔

لہٰذا آپ (ع) کی زیارت باقی آئمہ (ع) کی طرح ہر وقت مستحب ہے اور جس وقت بھی کسی مسلمان کو آپ (ع) کی زیارت کرنے کی فرصت اور تجدید عہد و پیمان کا موقع ملے، اسے انجام دینا چاہیئے مگر مذکورہ حقیقت کو مسلمانوں کے دل و جان میں کئی بار راسخ کرنے کے لئے سال میں کچھ ایسے مخصوص ایام کا نام لیا گیا ہے جن میں زیارت حسین (ع) کی شدید تاکید کی گئی ہے تاکہ

---

[1] کافی ج ۴ ص ۵۸۲۔ ثواب الاعمال ص ۱۱۴۔

[2] کافی ج ۴ ص ۵۸۲۔ کامل الزیارۃ ص ۱۳۸۔ ثواب الاعمال ص ۱۱۳۔

اگر کسی مسلمان کو سال کے باقی ایام میں زیارت کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی ہو تو کم سے کم ان مخصوص دنوں میں زیارت کر کے روحانی و معنوی تسکین اور اخلاقی تربیت کا سامان فراہم کر سکے۔ مخصوص ایام یہ ہیں:

(۱)۔ روز عاشور (۲)۔ ۲۰ صفر (۳)۔ یکم صفر (۴)۔ پندرہ ماہ صفر

(۵)۔ ۱۵ شعبان (۶)۔ ۱۹ رمضان (۷)۔ ۲۱ رمضان (۸)۔ ۲۳ رمضان

(۹)۔ یکم شوال عید الفطر، (۱۰)۔ ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ (۱۱)۔ عید الاضحیٰ

آئمہ طاہرین (ع) کے فرامین کی تعمیل کرتے ہوئے عاشقوں کی بڑی تعداد مذکورہ ایام و مناسبات میں حضرت امام حسین (ع) اور شہداء کربلا کی زیارت کی سعادت حاصل کرتی ہے۔

حضرت حسین بن علی (علیہما السلام) کی زیارت بذات خود ظلم و ناانصافی اور اسلام دشمن عناصر کے خلاف ایک عملی مظاہرہ ہے۔ لہذا ہر دور میں ظالم حکومتوں کی یہی کوشش رہی کہ مسلمانوں کو آپ (ع) کی زیارت کرنے سے روکا جائے۔ لیکن حاکم نظام کے ڈرانے دھمکانے سزائیں دینے کے باوجود شیعیان زیارت کرنے کے لئے آتے تھے۔ بلکہ آئمہ طاہرین کی جانب سے اس کی ترغیب دلائی جاتی تھی تاکہ مخالفین کی کوششیں ناکام رہیں۔

چنانچہ حضرت امام صادق (ع) نے خوف و ہراس کے عالم میں بھی زیارت کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے مسلم بن محمد سے فرمایا:

هل تاتی قبر الحسین (ع)؟ قلت: نعم علی خوف ووجل. فقال: ما کان من هذا اشد فالثواب فیه علی قدر الخوف[1]۔"

"کیا تم قبر حسین (ع) پر جاتے ہو؟ مسلم نے جواب دیا: ہاں، مگر خوف و ہراس کے عالم میں

---

[1] کامل الزیارة ص ۱۲۷۔

آپ (ع) نے فرمایا: جس قدر خوف ہوگا ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ملے گا "۔

بنی عباس کے دور میں خوف دہراس انتہا پر تھا۔ خصوصاً متوکل کے دور میں ظلم کی انتہا ہوگئی۔ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے روضۂ اقدس کو مسمار کر کے اس پر ہل چلا دیا گیا تاکہ آپؑ کی قبر کا نشان تک باقی نہ رہے۔ زائرین امام حسین (علیہ السلام) کی کثیر تعداد کو قتل کیا گیا۔ زائرین پر ٹیکس عائد کر دیا گیا۔ بعض تواریخ کے مطابق ایک ہزار دینار فی کس ٹیکس تھا اور ہر دس زائرین میں سے ایک کو قتل کر دیا جاتا تھا۔[۱]

بنی عباس کے مظالم کا بنی امیہ کے مظالم سے موازنہ کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

تاللہ ان کانت امیۃ قد اتت | قتل ابن بنت نبیھا مظلوما
فلقد اتتہ بنو امیہ بمثلہ | ھذا لعمری قبرہ مھدوما
اسفوا ان لا یکونوا شارکوا | فی قتلہ فتتبعوہ رمیما[۲]

"خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے نواسۂ رسول (ص) کو شہید کیا تو بنی عباس نے بھی اسی طرح کے مظالم کئے اور حسین (ع) کی قبر کو منہدم کر دیا۔ حسین (ع) کے قتل میں شریک نہ ہونے پر حسرت تھی۔ لہذا ان کے مدفون جسم کا پیچھا نہ چھوڑا۔"

آئمہ اہل بیت (ع) کی نگاہ میں زیارت امام حسین (علیہ السلام) کی اہمیت اتنی زیادہ تھی کہ انہوں نے قتل و شہادت اور اس ظلم و جور کے باوجود شیعوں کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ واقعہ کربلا کی حفاظت اس وقت کی جا سکتی ہے اور اسے اس وقت زندہ و تابندہ رکھا جا سکتا ہے جب لوگوں کو اس سے باخبر رکھا جائے اور ہر طریقے سے ان لوگوں سے

---

[۱] الحسین الخلد ص ۸۴۔ طبری ج ۵ ص ۳۱۲۔ تاریخ الدولۃ العباسیہ ص ۲۹۰
[۲] تاریخ الخلفاء ج ۷، ص ۳۹۲۔

مربوط کیا جائے ورنہ زیارت بذاتِ خود مستحب تھی اور جان و مال کی حفاظت واجب ہے لیکن آئمہ طاہرین (ع) کی یہ دوراندیشی تھی کہ انہوں نے واقعہ کربلا کو زندہ رکھنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ زیارت کے سلسلے کو جاری رکھنا قرار دیا۔

سانحۂ کربلا کو مسلمانوں کے دلوں میں زندہ باقی رکھنا۔ اسلام کے اصول و قواعد اور نظریات کی بقا و حیات کا واحد ذریعہ تھا۔ لہذا زیارت امام حسین علیہ السلام کی خاطر جان و مال کی بازی لگا دینا اور طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرنا فی الواقع اسلام کے بلند اور قیمتی اصولوں کی حفاظت کا دوسرا مفہوم تھا۔

زیارت کے ثواب اور زائر کے درجات کے بارے میں مذکورہ نظریات اور ان سے متعلق سینکڑوں روایات کا مطالعہ کرنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مستحب عمل کا اتنا ثواب ؟ اس سوال کا جواب ہم عزاداری کے عنوان کے ذیل میں دیں گے۔

۳۔ عزاداری

حضرت امام حسین علیہ السلام پر رونا، آپ (ع) پر ٹوٹنے والے مصائب کا تذکرہ کرنا اور ظالم سے اظہار بیزاری کے مظاہرہ کی خاطر مجالس عزا کا انعقاد ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے جس سے سانحۂ کربلا اور حسینیؑ انقلاب کی بقا کی ضمانت فراہم کی جا سکتی ہے۔

لہذا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے بھی آپ (ع) کے مصائب کا تذکرہ کرکے رونے کا سلسلہ جاری تھا اور یہ عمل سب سے پہلے رسولِ کریم (ص) نے انجام دیا۔ آپ (ع) کی شہادت کے بعد اس اقدام میں مزید توسیع ہوئی اور آئمہ اہلبیتؑ نے اس سلسلے میں بہترین انداز میں اپنے فرائض انجام دیئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری بنیادی طور پر شیعوں کے مختصات میں شمار ہوتی ہے لیکن بعض ممالک میں اہل سنت کے بعض افراد بھی اس میں شریک ہیں ۔

یہ عزاداری اس لئے وجود میں نہیں آئی کہ چونکہ شیعوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا تھا اور اب وہ اپنے اسلاف کے گناہوں کا بوجھ ہٹانے کے لئے روتے اور مجالس عزا منعقد کرتے ہیں ۔

یہ صرف ایک الزام ہے جو شیعوں پر لگائے جانے والے دوسرے الزامات کا ایک حصہ ہے اس کا مقصد ذکر حسینؑ کو ختم کرنا ہے ۔ کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر گریہ اور عزاداری کرنے والوں کو یزید اور قاتلین کے ہم مذہب قرار دے کر نفسیاتی طور پر کچلا جاتا ہے اور یقیناً کوئی بھی مسلمان پسند نہیں کرتا کہ وہ یزید اور قاتلین کا ہم مذہب وہم خیال ہو ۔ اس لئے اس کے لئے اس شبہے سے نکلنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ وہ عزاداری نہ کرے ۔

یہ الزام درج ذیل وجوہات کی بنا پر درست نہیں ہے :

i ۔ فریقین کی روایات کے مطابق حضرت امام حسین ابن علی (علیہما السلام) کے مصائب یاد کر کے سب سے پہلے رسول کریم (ص) نے گریہ فرمایا لہذا حضرت امام حسین علیہ السلام پر رونا سنت رسول اللہ (ص) پر عمل کرنا ہے ۔ اس ضمن میں چند روایات بطور نمونہ ہم بعد میں پیش کریں گے ۔

ii ۔ "قاتلان حضرت امام حسین علیہ السلام کون ہیں" کے عنوان کے تحت تاریخی نقطہ نگاہ سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آپ (ع) کے قاتلوں کا شیعوں سے کوئی واسطہ نہیں تھا اور اگر ان کو کسی مذہب سے منسوب کرنا ہی مقصود ہے تو صرف مذہب اہل سنت سے نہیں

منسوب کیا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ آپ (ع) کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے عزاداری کرنا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ عزادار فکری، نفسیاتی، عملی اور اخلاقی طور پر آپ (ع) کے کارنامے اور مقصد شہادت میں شریک ہے اور ذکر شہادت، مظلوم کی حمایت اور ظالم سے بیزاری کا جذبہ دلوں میں پیدا اور تازہ کر دیتا ہے۔

۱۲۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور مصیبت کا تذکرہ کرتے رہنے سے اس کے نہ بھولنے کی ضمانت ملتی ہے۔

اختصار کی خاطر ہم رسول اکرم (ص) کے قول و فعل اور آئمہ اہل بیت (ع) کی روایات نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ شہید پر رونا نہ صرف بدعت نہیں بلکہ سنت رسول بھی ہے۔

جنگ احد کے بعد جب مدینہ کی عورتیں اپنے شہداء پر رو رہی تھیں رسول اکرم نے جناب حمزہ کے بارے میں فرمایا:

"و لیکن حمزہ لا بواکی لہ"[1]

"مگر حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے آپ (ع) کے مصائب کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت رسول اکرم (ص) متعدد بار اشکبار ہوئے۔ چنانچہ تاریخ ابن عساکر میں مختلف اسناد سے یہ واقعہ مذکور ہے۔ ام المؤمنین ام سلمہ سے مروی ہے:

ایک مرتبہ رسول اللہ (ص) آرام فرما رہے تھے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام آپؐ کی

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۱۰۴، طبری ج ۲ ص ۷۴۔ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴۷۔

خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے آپ (ص) کے رونے کی آواز سنی میں نے جب اس کی وجہ پوچھی تو آپ (ص) نے فرمایا: جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت اسے قتل کرے گی۔[1]

ام الفضل زوجۂ عباس سے مروی ہے:

"رسول اللہ (ص) حسین (علیہ السلام) سے پیار کر رہے تھے کہ یکایک آپ (ص) کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ (ص) نے فرمایا: مجھے جبرائیل نے خبر دی ہے کہ میری امت میرے اس فرزند کو قتل کرے گی۔"[2]

امام سجاد (ع) فرماتے ہیں:

"ایما مؤمن دمعت عیناہ لقتل الحسین بن علی (علیہما السلام) دمعة حتی تسیل علی خدہ بوأہ اللہ بها فی الجنة غرفا یسکنها احقابا" "ایما مؤمن دمعت عیناہ حتی تسیل علی خدہ فینا لاذی" مسنا من عدونا فی الدنیا بوأہ اللہ بها فی الجنة مبوأ صدق۔"[3]

شہادت حسین بن علی (علیہما السلام) پر اگر کسی مومن کی آنکھ سے آنسو کا قطرہ نکل کر چہرہ پر بہے تو خدا اس کے بدلے میں اسے ہمیشہ کے لئے جنت میں جگہ عطا فرمائے گا اور ہم پر ڈھائے جانے والے مصائب پر اگر کوئی مومن آنسو بہائے گا تو خدا اس کو جنت میں صادقین کی منزل عطا فرمائے گا۔"

امام باقر (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

---

1. تاریخ ابن عساکر حدیث ۲۲۷ ص ۱۶۹۔
2. تاریخ ابن عساکر حدیث ۱۳۲۰-۱۳۱ ص ۱۸۲۔
3. بحار ج ۴۴ ص ۲۸۱۔ کامل الزیارۃ ص ۱۰۰۔ ثواب الاعمال ص ۱۱۱۔

"نم لیندب الحسین (ع) ویبکیہ ، ویامر من فی دارہ بالبکاء علیہ و یقیم فی دارہ مصیبۃ باظہار الجزع علیہ ویتلاقون بالبکاء بعضہم بعضا فی البیوت ولیعز بعضہم بعضا بمصاب الحسین"[1]

"پسر حسین (علیہ السلام) پر گریہ کرتے اور گھر میں موجود تمام افراد کو آپ (ع) پر گریہ کرنے کا حکم دیتے اور خود اپنے گھر میں عزاداری کرتے لوگ گھروں میں ایک دوسرے کو روتے دیکھتے اور آپس میں ایک دوسرے کو تعزیت پیش کرتے تھے۔"

ایک روایت میں ہے :

"حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) مجالس عزاء منعقد کرتے تھے۔ اہل بیت پردہ میں ذاکر حسین (ع) کو سنتے اور آپ (ع) بھی اشکبار ہوتے اور اہل حرم بھی، یوم عاشورا غم و حزن کا دن ہوتا تھا۔"

امام صادق (ع) فرماتے ہیں :

"من ذکرنا او ذکرنا عندہ فخرج من عینہ دمع مثل جناح بعوضۃ غفر اللہ لہ ذنوبہ ولو کانت مثل زبد البحر"[2]

"جو ہمارا ذکر کرے یا جس کے نزدیک ہمارا ذکر کیا جائے۔ اگر اس کی آنکھ سے ذرہ بھر بھی آنسو نکلے تو خدا اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے چاہے وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہی کیوں نہ ہوں۔"

امام صادق (علیہ السلام) فرماتے ہیں :

ح۱ کامل الزیارۃ ص ۱۷۳۔

ح۲ بحار ج ۴۴ ص ۲۷۸۔

"من دمعت عینه فینا دمعة لدم سفک لنا اوحق لنا نقصناه، او عرض انتهک لنا، او واحد من شیعتنا بوأه الله بها فی الجنة حقبا (حقب کنایه عن الدوام)"[1]

"جو ہمارے یا ہمارے شیعوں کے چھینے گئے حقوق، بہائے گئے خون اور ہتک شدہ ناموس پر آنسو بہائے گا خداوند کریم اس کو ہمیشہ کے لئے جنت میں مقام عطا فرمائے گا۔"

امام رضا (ع) کا ارشاد ہے:

"من تذکر مصابنا فبکی و ابکی لم تبک عینه یوم تبکی العیون و من جلس مجلسا یحیی فیه امرنا لم یمت قلبه یوم تموت القلوب۔"[2]

"جو ہماری مصیبتوں کو یاد کر کے روئے یا رلائے وہ اس دن نہیں روئے گا جس دن سب لوگ روئیں گے اور جو کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں ہمارے امر، قول اور فعل کو زندہ کیا جا رہا ہو تو اس کا دل اس دن زندہ رہے گا جس دن سب دل پژمردہ ہو جائیں گے۔"

امام صادق (ع) نے فضیل سے فرمایا:

"تجلسون و تحدثون؟ قال: نعم جعلت فداک قال: ان تلک المجالس احبها فاحیوا امرنا یا فضیل، فرحم الله من احیی امرنا، یا فضیل من ذکرنا او ذکرنا عنده فخرج من عینه مثل

---

[1] بحار ج ۴۴ ص ۲۷۹۔
[2] بحار ج ۴۴ ص ۲۷۸۔

جناح الذباب غفر اللہ لہ ذنوبہ ولو کانت اکثر من زبد البحر"۔ [1]

"کیا تم مجالس منعقد کرتے اور بیان کرتے ہو؟ فضیل نے کہا: ہاں آپ (ع) نے فرمایا: ایسی مجالس کو میں دوست رکھتا ہوں۔ اے فضیل! ہمارے مشن کو زندہ رکھو۔ خدا اس پر رحمت فرمائے جو ہمارے مشن کو زندہ و جاری رکھتا ہے اے فضیل جس نے ہمارا ذکر یاد کیا یا کسی سے سنا اور اس کی آنکھ سے ذرہ بھر بھی آنسو نکلے تو خدا اس کے گناہ بخش دے گا اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔"

شعر و شعراء:

آئمہ طاہرین ذکر کربلا کو دوام بخشنے کی خاطر شاعروں کو شعر کہنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ کیونکہ جو تاثیر شعر میں ہوتی ہے وہ نثر میں نہیں ہوتی اور شعر زبان زد عام ہوتا ہوا ایک دوسرے تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ یہ خاصیت نثر میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا عربی ادب کا ایک بڑا حصہ واقعہ کربلا سے مربوط اور اس کا مرہون منت ہے۔ چنانچہ فارسی اور اردو ادب میں جو مقام واقعہ کربلا کو حاصل ہے وہ اہل ادب سے پوشیدہ نہیں ہے بلکہ ہر وہ زبان جس میں شیعہ گفتگو کرتے ہیں۔ اس کی یہی حالت ہے۔

واقعہ کربلا پر شعر کہنے کی جو ترغیب آئمہ طاہرین کی طرف سے دلائی گئی ہے اس کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

امام صادق (ع) نے شاعر ابا ہارون سے فرمایا:

---

[1] بحار ج ۴۴ ص ۲۸۲۔

"یا اباھارون من انشد فی الحسین (ع) شعراً فبکی وابکی عشرا کتبت لہ الجنۃ، ومن انشد فی الحسین (ع) شعراً فبکی وابکی واحداً کتبت لہ الجنۃ" [1]

"اے ابا ہارون! جس نے حسین (ع) کے بارے میں شعر کہا اور رویا اور دس آدمیوں کو رلایا اس کے لئے جنت ہے اور جو شعر کہے اور خود روتے اور ایک آدمی کو رلائے وہ بھی جنتی ہے۔"

حضرت امام صادق (علیہ السلام) نے فرمایا:

"من قال فی الحسین (ع) شعرا فبکی وابکی غفر اللہ لہ ووجبت لہ الجنۃ" [2]

"جو کوئی حسین (علیہ السلام) کے بارے میں شعر کہے، خود روئے اور دوسرے کو رلائے خدا اس کے گناہوں کو بخش دے گا اور وہ جنتی ہے۔"

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے بارے میں جتنے اشعار کہے گئے ہیں وہ کسی اور کے بارے میں نہیں کہے گئے۔ لہذا ایسے شعراء کی تعداد کا اندازہ لگانا ایک دشوار کام ہے اس کا سلسلہ خود آئمہ (ع) کے دور میں شروع ہوگیا تھا اور شیعیان حسین (ع) میں ایسے مشہور شعراء پائے جاتے ہیں جنہوں نے اسی راہ میں اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا جیسا کہ کمیت بن زید اسدی، سید اسماعیل بن محمد حمیری، ابوہارون مکفوف عہد امام محمد باقر اور امام جعفر صادق (علیہما السلام) میں اور دعبل خزاعی حضرت امام رضا (علیہ السلام) کے عہد میں مشہور

---

[1] کامل الزیارۃ ص ۱۰۴۔ ثواب الاعمال ص ۱۱۲۔
[2] المقرم ص ۱۲۱۔

تھے ان کے بعد اور بھی بہت سے شعراء اس میدان میں مشہور ہوئے ہیں۔

آئمہ طاہرین کی طرف سے عزاداری کے قیام اور شعراء کی تکریم و تمجید کرنے کا فلسفہ فی الواقع امت اسلامیہ کو خطِ اہلِ بیت سے قریب کرنا اور اس کو صحیح راستہ دکھانا تھا اس سے ایک طرف تو خطِ اہلِ بیت (ع) کی تعریف، اسلام کے دفاع میں انہوں نے جو مظالم برداشت کئے اور اسلام کی راہ میں آئمہ کی ثابت قدمی، قربانی اور جہاد و ایثار کی یاد دہانی ہوتی ہے تو دوسری طرف خطِ اہلِ بیت کے مخالفوں کے وحشیانہ پن، اسلامی اخلاق سے عاری اور کرسی کے غلام ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں خطِ اہلِ بیتؑ اور دوسرے خط میں تضاد واضح ہو

جاتا ہے۔ لہذا اہلِ بیت رسالت کا بالعموم اور واقعہ کربلا کا بالخصوص تذکرہ کرنا ان تمام انحرافی خطوط سے بیزاری اور اہلِ بیت کے راستہ کو حق ماننے کا بڑا ثبوت ہے۔ یہ اعلیٰ مقصد اور عملی مظاہرہ سانحۂ کربلا کے ذریعے حاصل ہوا۔

زیارت اور عزاداری جہاد ہیں

آئمۂ طاہرین نے زیارت کی ترغیب اور عزاداری کے قیام کے ذریعے کربلا کی بقائے کے اسباب میں نہ صرف اضافہ کر دیا بلکہ مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کی عقیدت، شوق، جذبۂ جہاد و قربانی اور عواطف و رجحانات کے اسباب آئمہ (ع) کے مذکورہ کارنامہ کا نتیجہ ہیں۔

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مستحبی فعل کی انجام دہی کا اتنا ثواب ملنا کیا معقول امر ہے؟ جیسا کہ زیارت اور عزاداری کا ثواب ذکر کیا گیا ہے۔

مذکورہ روایات سے دو گروہوں نے غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ ایک گروہ نے جب دیکھا

کہ زیارت اور آنسو بہانے کے صلے میں جنت اور کئی حج وعمرہ کی ادائیگی سے زیادہ ثواب دینے کا وعدہ کیا گیا ہے تو اس نے باقی واجبات اور اسلامی احکام پر عمل کرنے کی زحمت گوارا نہ کی کیونکہ باقی احکام و واجبات پر عمل کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی تاکہ ان پر عمل کیا جاتا۔

دوسرے گروہ نے ثواب کی اس مقدار کو نامعقول سمجھ کر ان روایات کو مسترد کر دیا بلکہ یہ ان روایات کو صحیح کرنے والوں پر تنقید بھی کرتا ہے۔

حقیقت کچھ اور ہے روایات کے صدور کے حالات کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایات کے مضامین صحیح ہیں لیکن یہ مقید ہیں مطلق نہیں۔

بنی امیہ اور بنی عباس کی سیاست اور کوشش یہ تھی کہ ان کے مقابلے میں کوئی نہ رہے اور جو فرد، گروہ یا نظریہ ان کے سیاسی مفادات اور اقتدار و حکومت کے خلاف ہو وہ اسے ختم کر دیتے تھے۔ ان دونوں عہدوں میں ان کے مقابلے میں اہل بیت (ع) کے نظریات اور تعلیمات تھیں۔ لہذا آئمہ اہل بیت (ع) بالخصوص اور اولاد رسول (ص) کو بالعموم طرح طرح کی اذیتیں دے کر شہید کیا گیا ان کے علاوہ ان کے دوستوں اور شیعوں کو بھی ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔

مخالفین اہل بیت (ع) نے ائمہ اہل بیت (ع) اور ان کے شیعوں پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی اور ان کے شیعوں کی شناخت کا لازمی نتیجہ، ان کو پھانسی اور ان کے گھروں کو مسمار کر دینا تھا۔

حکام کی نگاہیں زائرین کربلا پر بھی مرکوز تھیں۔ کیونکہ کربلا حکام کے خلاف عملی چیلنج کا مرکز تھا۔ زیارت حضرت امام حسین (علیہ السلام) امت اور اہل بیت (ع) کے درمیان محکم

رابطے کی حیثیت رکھتی تھی ۔ دوانیقی نے اس سے روکنے کی خاطر آپ (ع) کا روضہ بھی مسمار کر دیا تھا۔[1] ہارون رشید نے بھی قبر مبارک کو منہدم کیا اور روضہ کے نزدیک بیری کے ایک درخت کو بھی کاٹ دیا تاکہ زائرین اس کے سایہ سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔[2]

متوکل کے دیگر جرائم کے علاوہ ایک جرم یہ بھی تھا کہ اس نے مصر کے گورنر کو یہ حکم دیا کہ وہاں بسنے والے تمام آلِ ابی طالب کو نکال دیا جائے کیونکہ وہ اپنی مجالس و محافل میں امام حسین[3] اور آلِ حسین (ع) کی مظلومیت اور آلِ بنی اُمیّہ کے جرائم و مظالم کا تذکرہ کرتے ہیں ۔

زیارت سے روکنے کے لئے کربلا جانے والے تمام راستوں پر سرکاری گارڈ مقرر کر دیئے گئے اور کربلا کو محاصرے میں لے لیا گیا ۔ پھر جو بھی کربلا جاتے ہوئے نظر آتا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا ، یا اُسے شکنجہ اور جسمانی اذیتیں سہنا پڑتی تھیں۔[3]

طبری ۲۳۶ھ ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں :

" پولیس گارڈ کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ آج سے تین دن بعد جو شخص قبر حسین (ع) کے نزدیک پایا گیا اسے زندان " مطبق[4] " میں بھیج دیا جائے گا۔"[5]

اب کوئی شخص ان حالات میں حاکم وقت کو چیلنج کرتے ہوئے زیارت کیلئے جائے، ذکر امام حسین (علیہ السلام) کی مجالس منعقد کرے ، خود روئے یا ذاکری کے فرائض انجام دے

۱۔ وحی الثورۃ الحسینیہ ص ۱۵۹ از تاریخ کربلا آل طعمہ ۔

۲۔ " " " " ۱۶۱

۳۔ " " " " ۱۶۵

۴۔ مطبق بدنام زمانہ زیر زمین ایک ایسا زندان تھا جہاں نہ دھوپ جاتی تھی نہ ہوا اور اس میں سے غالباً کوئی فرد زندہ نہیں نکلتا تھا کیونکہ یہ پھانسی پانے والوں کا زندان تھا ۔

۵۔ طبری ج ۵ ص ۳۱۲ ۔

یا ان کی مصیبت و یاد میں اشعار کہے ۔ الغرض اہل بیت اور حضرت امام حسین بن علی (علیہم السلام) کے خط شہادت پر چلنے کا پختہ عزم کر کے اور موجودہ سیاسی و فکری نظام سے جان و مال اور خاندان کا خطرہ مول لے کر میدان جہاد و مقابلہ کیلئے نکلے تو جنت کا وعدہ کیا نا معقول تصور کیا جائے گا؟ اور قدم قدم پر زائر کی مغفرت اور عزاداری میں رونے پر بخشش کا سامان فراہم ہونا کوئی حیرت کی بات ہے؟

حضرت امام حسین علیہ السلام کا بے کسی اور انتہائی مظلومیت سے شہید ہونا آپ (ع) کے اہل وعیال کو قیدی بنانا اور خیموں کو نذر آتش کر دینا ایسے انسان سوز اور جان گداز واقعات ہیں کہ انسان فطرتاً ان میں جذب ہو جاتا ہے ۔لہذا حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی زیارت کی مختلف مناسبات اور ان کی تاکید کا جو ذکر روایات میں آیا ہے وہ باقی آئمہ (ع) اور خود حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے جد بزرگوار، جو آپ (ع) سے یقیناً افضل ہیں کی زیارات کے بارے نہیں آیا۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ آئمہ (ع)، زیارت و عزاداری حضرت امام حسین (علیہ السلام) کو بطور وسیلہ استعمال کرتے تھے نہ کہ یہ ان (ع) کے نزدیک کوئی مکمل ہدف تھا ۔لہذا آئمہ اہل بیت (ع) لوگوں کی فطری ہم آہنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو آپ (ع) کی زیارت پر جانے اور عزاداری کی ترغیب دیتے رہے کیونکہ حکام کی جانب سے ممانعت کے باوجود زیارت پر جانا اور مجالس عزاء منعقد کرنا ایک جہاد اور حکام وقت کی موافقت اور اوامر کو ترک کرنے کے مترادف تھا ۔

متوکل کے دور میں زیارت سے روکنے کے لئے انتہائی اقدام کئے گئے زائرین سے ٹیکس وصول کیا جاتا حتیٰ کہ زائرین کو قتل بھی کر دیا جاتا تھا ۔جب یہ تمام اقدامات غیر مؤثر ہو گئے تو آپ (ص) کی قبر کو مسمار کر دیا گیا۔اس وقت مخالفین سے برسر پیکار ہو کر اور اپنی جان

ہتھیلی پر رکھ کر زیارت پر جانے سے نہ صرف زیارت کی سعادت حاصل ہوتی تھی بلکہ یہ اللہ ورسول (ص) کی راہ میں ایک جہاد بھی تھا اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے اس کا درجہ بہت عظیم ہے۔

جس ثوابِ زیارت کا ذکر مذکورہ روایات میں آیا ہے یہ فی الواقع عام زیارت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس زیارت سے ملتا ہے جس میں جہاد و مقابلہ کا عنصر پایا جائے چنانچہ اس قسم کی زیارت سے جس میں کسی قسم کا خوف وہراس نہ ہو، وہ ثواب یقیناً حاصل نہیں ہوتا جس کا ذکر مذکورہ روایات میں ہوا ہے۔ اگر بعض سیاسی حالات کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت جابر و ظالم کی حمایت کی عکاسی کرے تو یقیناً یہ زیارت موجب ثواب و سبب جنت نہیں بنتی بلکہ گناہ کا باعث بنتی ہے۔

اسی طرح وہ عزاداری، مجالس کا انعقاد اور آنسو بہانا مذکورہ ثواب و درجات کا باعث بنتا ہے جس میں مذکورہ روایات کے وقت موجود سیاسی حالات ہوں۔ لہٰذا اگر عزاداری میں کوئی خوف وہراس نہ ہو اور اس میں جہاد اور جنگ کی کوئی خاصیت نہ پائی جاتی ہو تو اس سے یقیناً وہ درجہ نہیں ملتا اور نہ وہ ثواب حاصل ہوتا ہے جس کا ذکر روایاتِ عزاداری میں ہوا ہے۔

شاعر اہل بیت (ع) اور ذاکر امام حسین (ع) کو بھی وہ درجات اور مقامات اس وقت حاصل ہوں گے جب وہ جان خطرے میں ڈال کر امام حسین (ع) کا ذکر کرے اور اسے حکام اور مخالفین کے مقابلے میں جنگ تصور کیا جائے۔ البتہ ان شعراء اور ذاکرین کا ثواب اور درجات سے کوئی تعلق نہیں جن کی شاعری اور ذاکری میں نہ صرف ان کی جان کا کوئی خطرہ نہ ہو بلکہ معاشی اور مادی اعتبار سے اس میں دوکانداری کی ضمانت پائی جاتی ہو لہٰذا جس عزاداری اور زیارت میں جہاد کا عنصر مفقود ہو۔ اس کے لئے جنت کا وعدہ بھی نہیں ہے اور اگر اس عزاداری اور

زیارت میں حکام ومخالفین کی طرف سے خوف وہراس اور جان ومال کا خطرہ نہ ہو اس کے لئے حج وعمرہ کے برابر ثواب بھی نہیں ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے

جنت مفت

بعض وہ افراد بہت غلط فہمی کا شکار ہیں جو جنت اور درجات عالیہ مفت میں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سال میں چند یا ایک مجلس عزا کے انعقاد کو پورا دین سمجھتے ہیں اور اس ضمن میں کچھ رقم خرچ کرنے کو تمام گناہوں کا کفارہ اور باعث جنت تصور کرتے ہیں۔ لیکن اس طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ وہ سارا سال اعمال وکردار کے لحاظ سے یزیدی ہونے کے ساتھ ساتھ مذہب کی توہین کا سبب بنتے رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور اس نے جنت کی کچھ شرائط مقرر کی ہوئی ہیں۔ جنت مفت میں کبھی نہیں ملتی۔ جو جنت کا طالب ہو اسے چاہیئے کہ شریعت اور اس کی شرائط پر مکمل طور سے عمل پیرا ہو جائے

چنانچہ وہ ذاکرین اور مقررین کرام سخت اشتباہ میں ہیں جو لوگوں کو عمل کے بغیر مفت میں جنت کے وعدے دے کر مجالس امام حسین (ع) سے مادی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ کام لاشعوری طور پر سہی، مذہب حقہ کی توہین اور دوسرے مذاہب کے سامنے تضحیک کا باعث بن چکا ہے۔ ان حضرات سے التماس ہے کہ وہ پہلے اپنی اور پھر معاشرے کی اصلاح کی جانب توجہ دیں۔ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کا ہرگز یہ ہدف نہیں تھا کہ آپ (ع) کی شہادت کسی فرد یا معاشرہ کی تباہی وبربادی اور بگاڑ کا سبب بنے:

"یحملون اوزارھم مع اوزارھم"

"وہ اپنے گناہوں سمیت دوسروں کے گناہ بھی اٹھاتے ہیں"۔

یہ دونوں طبقے درواقع نہ صرف خطِ حضرت امام حسین (علیہ السلام) سے منحرف ہو چکے ہیں بلکہ وہ انقلاب حسین (علیہ السلام) کے اہداف و مقاصد اور فلسفہ شہادت سے عملی طور پر نبرد آزما بھی ہیں اور اس کے خاتمے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن دشمن کی شکل میں نہیں بلکہ دوست اور محب کے روپ میں۔

عزاداری کے مقاصد

عیسائی تیتس کا قول ہے:

"لو کان الحسین (ع) لنا لرفعنا له فی کل بلد بیرقاً ولنصبنا له فی کل قریة منبراً ولدعونا الناس الی المسیحیة باسم الحسین (ع)"[1]

"اگر حسین (ع) ہم عیسائیوں کے ہوتے تو ہم ہر شہر میں علم حسین (ع) لہراتے، ہر محلہ میں منبرِ حسین (ع) نصب کرتے اور حسین (ع) کے نام سے لوگوں کو عیسائیت کی دعوت دیتے"۔

عزاداری حضرت امام حسین (علیہ السلام) سے بہت سی چیزوں کی توقع کی جاتی ہے اور اُس وقت کا انتظار بڑے شوق سے کیا جاتا ہے جب مجالس امام حسین (ع) مدارس اسلامی میں تبدیل ہو جائیں۔ البتہ مجالس امام حسین (ع) کے انعقاد کی کیفیت اور تقاریر کے مضامین و مواقع میں انتہائی اہم بنیادی انقلاب کی ضرورت ہے۔ تاکہ یہ ثقافتی، معلوماتی اور اجتماعی بڑا ادارہ اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی ادا کر سکے۔ کیونکہ عزاداری کی موجودہ کیفیت یقیناً مطلوب نہیں ہے اور اکثر و بیشتر تقاریر انقلاب کربلا کے فلسفہ وجود پر پورا نہیں

---

[1] الحسین فی الفکر المسیحی ص ۹۷

اثر تیس بلکہ کچھ تقاریر د مجالس کی کیفیت ایسی ہے جو شہادت حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے سراسر خلاف ہے۔ لہذا عزاداری سے بنیادی طور پر کم از کم ان موضوعات کا حاصل ہونا انتہائی ضروری ہے تاکہ مجالس کا انعقاد بے معنی نہ رہ جائے اور قومی سطح پر سالانہ کروڑوں روپے کا خرچ، فضول خرچی اور بے فائدہ نہ بن جائے :

(i)۔ اسلام کے اجتماعی، ثقافتی، معاشی، تربیتی اور سیاسی نظریات کی تبلیغ۔

(ii)۔ انقلاب حسین (ع) کے فلسفہ وجود کو لوگوں تک پہنچانا۔

(iii)۔ لوگوں کو ہر دور کے تقاضوں سے روشناس کرانا۔

(iv)۔ الحادی و مادی مکاتب فکر کا جواب اور ان کی طرف سے اسلام کے نظریات کی مخالفت و نفی اور اس پر گوناگوں اعتراضات و شکوک و شبہات وارد کرنے کی جو کوششیں کی جارہی ہیں، اسلام کا دفاع کرتے ہوئے ان کا دندان شکن جواب دینا۔

(v)۔ اتحاد بین المسلمین کے فروغ اور اس کی خاطر آئمہ اہل بیت (ع) کے عملی اقدامات اور فرامین کا تذکرہ کرنا۔

(vi) ہر اس چیز سے احتراز اور اس کے انداز بیان میں تبدیلی کرنا جو انقلاب حسین (علیہ السلام) کی روح اور غرضِ شہادت کے خلاف ہو جو کہ درحقیقت خود روحِ اسلام اور تعلیمات قرآن کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ آئمہ اہلبیت (ع) کی سیرت مطہرہ کے سراسر منافی ہے یہ الگ مسئلہ ہے کہ مذکورہ مقاصد کو کس طرح اور کیسے روبہ عمل لا جائے یہ عمائدین و قائدین قوم کی ذمہ داری ہے کہ عزاداری حضرت امام حسین (ع) اس انداز سے انجام پائے جس سے اللہ تعالیٰ، رسول اللہ (ص)، آئمہ اہل بیت (ع)، حضرت امام حسین (ع) اور اسلام راضی ہو۔

باب پنجم

انقلابِ حسین علیہ السلام کے نتائج و آثار

دینی سطح پر ○ عنصر جہاد کی بحالی ○ سیاسی سطح پر ○ لاتعداد انقلابات کا بیج بونا ○ فوجِ اشقیا میں پہلا ردعمل ○ کوفہ میں انقلاب کے شعلے ○ اہلِ مدینہ کا انقلاب ○ اہل مکہ کی شورش ○ توابین کا انقلاب ○ مختار کا انقلاب ○ صالح بن مسرح التمیمی ○ مطرب بن مغیرہ بن شعبہ کی تحریک ○ عبدالرحمٰن بن اشعث کی شورش زید بن علی بن حسینؑ کی تحریک ○ انقلابات کا تسلسل ○ انقلاب اسلامی ایران ○ اہل بیتؑ کا تعارف ○ اسلامی علوم و ثقافت کا فروغ ○ جامعۃ الامام الصادق (ع) کی ضرورت ○ جامعۃ الامام الصادق (ع) کے اثرات ○
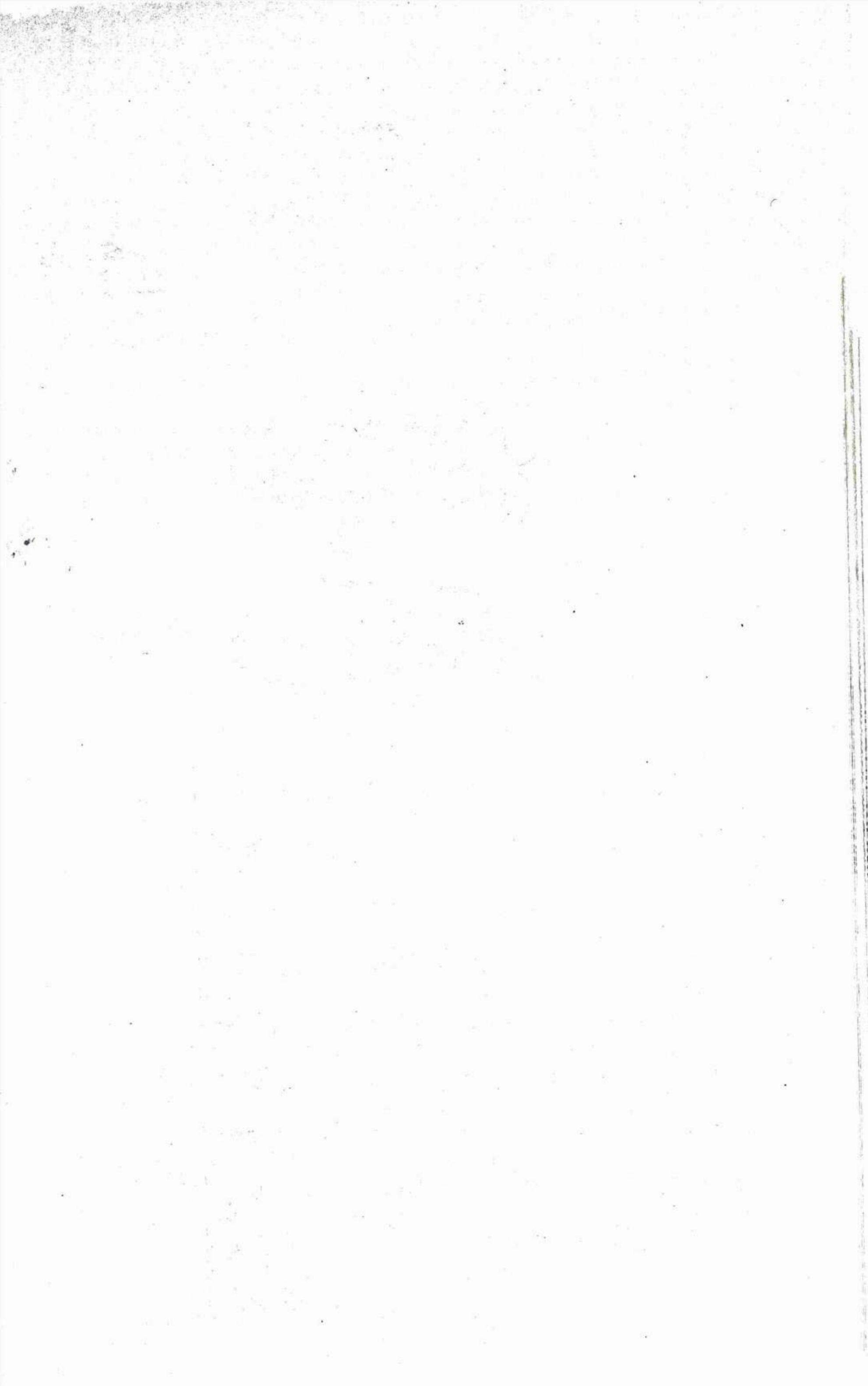
حسینی انقلاب کبیر کے نتائج کیا تھے ؟ امت اور حکام پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ؟ اس انقلاب سے امتِ اسلامیہ کو کیا فائدہ پہنچا ؟ حکام اور نظام جاہلیت نے حضرت امام حسین (علیہ السلام) اور آپ (ع) کے اصحاب کو جس وحشیانہ انداز اور بہیمانہ طریقے سے شہید کیا اور اہلِ بیت کی شہر بشہر جس طرح تشہیر کی اس کے کیا مطلوبہ نتائج برآمد ہوئے ؟

اس قسم کے بہت سے سوالات واقعہ کربلا کے ذکر سے خود بخود ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اس قسم کے ہر چھوٹے اور بڑے سوال کا جواب دینے کے لئے کافی وقت درکار ہے اور مستقل کتب کی تالیف کی ضرورت ہے۔ تاہم زیرِ نظر کتاب کے حجم اور مضمون کے مطابق جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں اور انقلاب کے نتائج و اثرات کے بارے میں جواب دیتے وقت ان نقاط کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے :

(ا) ۔ ہر انقلاب کے نتائج و آثار کو اس کے اہداف و مقاصد اور علل و محرکات سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور اس کے نتائج و اثرات کا جائزہ اس کے اہداف کے دائرے میں رہ کر لیا جاسکتا ہے ۔

(اا)۔ ہر انقلاب کے نتائج دو قسم کے ہوا کرتے ہیں :

(ل) فوری اور وقتی نتائج جو انقلاب کے فوراً بعد نمایاں ہوتے ہیں ۔

(ب) دوررس اور طویل المدت نتائج ۔

(iii)۔ انقلاب کبھی ایک مخصوص قوم اور زمین کے ایک خطہ کے لئے ہوتا ہے اور کبھی بنی نوع انسان کے لئے عمل میں آتا ہے ۔

(iv)۔ کبھی انقلاب کسی معاشرہ کے ایک یا چند پہلوؤں کی اصلاح کی خاطر عمل میں آتا ہے کبھی یہ ہمہ گیر اور ہر پہلو کی اصلاح سے مربوط ہوتا ہے ۔

چنانچہ دین اسلام جب ایک تاریخ ساز انقلاب کی حیثیت سے رونما ہوا تو اس کا ہدف جامع ہمہ گیر اور پوری انسانیت کے ہر مادی اور روحانی پہلو کی اصلاح اور اس میں بنیادی تبدیلی لانا تھا ۔ انسانی تاریخ میں ظاہر ہونے والے دیگر انقلابات کسی نہ کسی وجہ سے محدودیت کے دائرے سے خارج نہ ہو سکے اور انقلاب حسینیؑ کا نصب العین پوری امت اسلامیہ میں ظاہر ہونے والے تمام انحرافی پہلوؤں کی تصحیح اور نشاندھی کرنا تھا ۔ لہذا انقلاب حسین (ع) کے اثرات اور اہداف کو پیشِ نظر رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ کس حد تک مؤثر اور افادیت کا حامل تھا ۔

اس انقلاب سے پہلے اور بعد کے عمومی حالات کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے ۔ اگرچہ سانحہ کربلا کے فوراً بعد سیاسی سطح پر کوئی تبدیلی عمل میں نہ آئی لیکن ہمہ گیر تبدیلی کا آغاز ہو گیا اور ہر وہ چیز جو انقلاب سے قبل کسی حد تک ناممکن تصور کی جاتی تھی انقلاب کے بعد وقوع پذیر ہوئی ۔ قیام حسینی کے آثار انفرادی اور سماجی زندگی میں ظاہر ہونے لگے ۔ اگر سارے مسلمان اس قیام کو اپنا لیتے اور اس کے آثار سے فائدہ اٹھاتے تو یقیناً مسلمانوں کی تقدیر کچھ اور ہوتی اور ساری زمین پر اللہ تعالیٰ کا پورا نظام حاکم ہوتا ۔ مگر اسلام دشمن عناصر نے اس انقلاب کو شیعوں سے مخصوص کر دیا ۔ اس کا

ذکر باب اول میں ہو چکا ہے۔

اس انقلاب کے کچھ اثرات انقلاب کے فوراً بعد رونما ہوئے اور کچھ اثرات طویل مدت میں رفتہ رفتہ ظاہر ہوئے۔ ہم مختصراً اس کے چند پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ دینی سطح پر

قیام حسینی سے پہلے نظام جاہلیت اور اس کے تہذیب و تمدن کے حامیوں نے حقائق کی پردہ پوشی اور اپنے مفاد و مصالح کی خاطر دین سازی کا ایک طلسم کدہ بنا رکھا تھا جس میں اسلام کے مقدس نام، خلافت رسول (ص) کے مقدس مقام اور مسلمانوں کی قیادت و رہبری کے مقدس عمل کا غلط استعمال اور جاہلیت کے فروغ اور نشر و اشاعت کا کام تیزی سے ہو رہا تھا حتیٰ کہ حکام کا قول و فعل عین اسلام سمجھا جاتا تھا بالفاظ دیگر حاکم کا ہر فعل و فرمان بغیر چوں چرا کئے آئینی تصور کیا جاتا تھا اور کسی میں اس پر اعتراض یا اسے رد کرنے کی جرأت نہ تھی بلکہ اس پر تنقید بذات خود غیر آئینی تصور کی جاتی تھی۔ چنانچہ گزشتہ ابواب میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ معاویہ کے عہد میں متعدد افراد کو اس نظام پر تنقید کرنے کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

عام مسلمانوں میں یہ غلط عقیدہ راسخ ہو چکا تھا کہ ہر حاکم کے لئے قانون سازی اور اور اس کے نفاذ کی دونوں صلاحیتیں ثابت ہیں جیسا کہ یہ صلاحیت رسول اللہ ؐ کے لئے ثابت تھی اس سے قطع نظر کہ آیا حاکم کے یہ تصرفات بذات خود قرآن و اسلام کے بنیادی معیار پر پورا اترتے بھی ہیں کہ نہیں۔

جاہلیت کے تہذیب و تمدن کے شیدائیوں نے اس عقیدے سے دل کھول کر غلط

فائدہ اٹھایا مقدس دین اسلام کی حقیقت انسان ساز مفاہیم اور احکام کی غلط تفسیر کی بے بنیاد و غلط تاویلوں کا ارتکاب کیا اور اپنی طرف سے ایک نیا دین، جس کی روح اور خلاصہ جاہلیت کی بنیادوں پر قائم تھا، پیش کیا۔

انقلاب حسین (ع)، نے جاہلیت کے نظریات پر مبنی دینِ بنی امیہ کو نہ صرف مسترد کر دیا بلکہ مسلمانوں کے سامنے اس کے ناپاک عزائم، خبیث نیتوں اور اسلام کے خلاف کی جانے والی اس کی دیرینہ سازشوں کو فاش کر دیا۔ اس نے ایک طرف اصل اسلام کو جاہلیت کے نقلی اسلام سے الگ کیا اور دوسری طرف حکام کے بارے میں مسلمانوں کے ذہنوں میں جس رہی قدر و قیمت نے جڑ پکڑ لی تھی اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔

نظام جاہلیت کے بہیمانہ سلوک، جو واقعہ کربلا اور پھر آل رسول کی اسیری کے دوران ظاہر ہوا تھا، نے اسلام کے اخلاقی دائرہ سے بنی امیہ کا دور کا بھی واسطہ نہ ہونے اور اس کے انسانی اخلاق و صفات سے بھی بالکل عاری اور بے بہرہ ہونے کا ناقابلِ انکار ثبوت فراہم کیا۔

اگر حسینی انقلاب عمل میں نہ آتا تو نظام جاہلیت کا پیش کردہ دین باقی اور جاری رہتا اور اسے آئینی تحفظ مل جاتا۔ چنانچہ اگر حضرت امام حسین (ع)، کے علاوہ کوئی دوسرا فرد حکام کے خلاف قیام کرتا تو اسے جلد ہی ختم کر دیا جاتا اور وہ امت اسلامیہ پر اتنا اثر انداز نہ ہوتا جتنے حضرت امام حسین (علیہ السلام) اثر انداز ہوئے، کیونکہ آپ (ع)، کی بے مثال شخصیت کا حکومت کے خلاف قیام کرنا اس حقیقت کی روشن گواہی تھی کہ حاکم نظام غیر اسلامی ہے۔

۲۔ عنصر جہاد کی بحالی

تاریخ ساز حسینی انقلاب کے نتائج میں سے ایک، جابر حاکم کے خلاف جہاد کرنے

بلکہ اس کے وجوب کی سند کا ملنا ہے۔ کیونکہ سرکاری راوی نے دورِ جاہلیت میں یہ رائج کر دیا تھا کہ حکومت کے خلاف قیام کرنا اور کسی قسم کا قلم و قدم اٹھانا غیر آئینی حرکت ہے۔

اس مہم کا آغاز پوری قوت اور زور و شور سے عہد معاویہ میں ہوا تھا۔ گزشتہ چند مباحث میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اس مہم میں یہ کوشش کی گئی تھی کہ خلیفہ بحیثیت خلیفہ ظل اللہ اور بلا منازع مطاع ہے۔ قطع نظر اس کے کہ خلیفہ، اسلام و خدا کے آئین کی پابندی کرتا بھی ہے یا نہیں۔ اس کا کردار اسلامی مفاہیم و تعلیمات کی عکاسی کرتا ہے یا وہ جاہلیت کے مفاہیم و نظریات کا مکمل نمونہ ہے۔ اسی طرح سرکاری راویوں کی وضع کردہ روایات کے متعلق یہ نہیں سوچا جاتا تھا کہ ان روایات کی آئینی حیثیت کہاں تک صحیح ہے۔

نظام جاہلیت کے حامی اور عہدیداروں نے عام مسلمانوں کی اس سادہ لوحی اور فکر و تدبر کے فقدان سے اپنی کرسی و حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے کافی فائدہ اٹھایا اور حاکم وقت کی اطاعت کو اطاعتِ خدا اور اس کی مخالفت کو مخالفت خدا بنا کر پیش کیا۔ چنانچہ ابنِ زیاد نے یزید کی اطاعت پر قائم رہنے کی دعوت دیتے ہوئے لوگوں سے کہا:

"اعتصموا بطاعۃ اللہ وطاعۃ ائمتکم"[1]

"خدا اور اپنے ائمہ کی اطاعت سے متمسک رہو"۔

عمرو بن حجاج زبیدی، جو ابن زیاد کے جرنیلوں میں سے ایک تھا، نے اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"یا اھل الکوفہ، الزموا طاعتکم وجماعتکم ولا ترتابوا فی قتل من مرق من الدین وخالف الامام"[2]

ص۱ ثورۃ الحسینؑ ص ۲۰۱ از طبری ج ۴ ص ۲۰۵، ص۲ ثورۃ الحسینؑ ص ۲۱۰ از طبری ج ۴ ص ۳۳۱۔

آ اے اہل کوفہ! اپنی اطاعت پر قائم رہو۔ اس سے لڑنے میں ذرا سا بھی شک و تردد نہ کرو۔ جو دین سے خارج ہوا۔ اس نے امام وقت کی مخالفت کی"۔

کسی قوم و ملت، بالخصوص امت اسلامیہ کی تباہی و بربادی کے بنیادی اسباب یہ ہیں:

(i)۔ ظلم و ستم، جرائم اور منکرات کا ظہور۔

(ii)۔ ان سے مقابلہ کرنے کے عنصر یعنی جہاد کا فقدان۔

(iii)۔ علماء کے بھیس میں چند ایسے دینی عناصر کا وجود، جو حاکم کے ہر قول و فعل کو قانونی اور شرعی شکل دینے میں مصروف عمل رہے۔

یہ عامل گزشتہ دو عاملوں سے زیادہ خطرناک اور امت اسلامیہ کی تقدیر اور اس کے تشخص کو مٹانے میں نقصان دہ ثابت ہوا اور انقلاب حسین (ع)، سے پہلے بنی امیہ کے دور میں یہی تین عوامل حکم فرما تھے۔

نہایت افسوس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ بنی امیہ کے حق میں وضع کی گئیں روایات اب بھی کتب احادیث میں موجود ہیں اور ان روایات کی روشنی میں دیئے گئے فتاوی کتب فقہ میں پائے جاتے ہیں جن میں جابر حاکم سے لڑنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ مصر پر برطانوی جارحیت کے خلاف جنگ نہ کرنے کا جو فتویٰ جامع اذہر نے دیا تھا، جس کا ذکر باب دوم میں ہو چکا ہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے عملی جہاد اور آپ (ع)، کے گراں بہا فرامین سے اس بات کا ناقابل انکار و تاویل ثبوت ملتا ہے کہ جابر کے خلاف لڑنا عین جہاد ہے اور اس کے خلاف خاموشی اختیار کرنا نہ صرف صحیح نہیں ہے بلکہ بعض اوقات اسلام اور خدا سے غداری و خیانت تصور کیا جاتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو بیرونی دشمن سے لڑنے کو کہا جائے تو وہ آمادہ جہاد ہیں لیکن اندرونی دشمن، جو کبھی بیرونی دشمن سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور وہ مسلمانوں کے عقائد اور اقدار میں تباہی مچا سکتا ہے، سے جہاد کرنے کو خلاف شریعت الٰہی مانا جاتا ہے۔

۳۔ سیاسی سطح پر

انقلاب حسین (ع) نے حاکم وقت کے جاہلیت کے نظریات و افکار سے پردہ اٹھایا ایک طرف اس کے فسق و فجور، لہو و لعب اور غیر اخلاقی صفات کی نشاندہی کی تو دوسری طرف اسلامی حاکم کے حقیقی اوصاف و شرائط کی نشاندہی کی۔ اس طرح اس نے مسلمانوں کو بتادیا کہ جو شرائط اسلامی حاکم میں ہونی چاہئیں وہ یزید میں نہیں ہیں اور جو صفات و شرائط اس کے خاندان اور اس کی ذات میں پائی جاتی ہیں وہ نہیں ہونی چاہئیں۔ لہٰذا یزید حاکم وقت نہیں بن سکتا۔ اس لئے لوگوں پر اس کی اطاعت حرام ہے۔

یزید کے مقابلے میں حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے قیام نے یہ بھی بتادیا کہ کوئی نااہل شخص مسلمانوں کی قیادت و رہبری اور خلافت کے منصب پر جبر و تشدد سے غاصبانہ قبضہ کرلے اور اس سے بہتر و دانا اور مسلمانوں کا خیرخواہ کوئی دوسرا فرد موجود ہو تو اپنے دور کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس استبدادی و غیر آئینی حکومت اور نظام جاہلیت کے خلاف قیام کرنا جہاد فی سبیل اللہ اور عین عبادت ہے، چنانچہ آپ (ع) کے اس جملے:

"مجھ جیسا یزید جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا۔"

سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ اس وقت کے سیاسی، سماجی اور فکری حالات ہر دور میں رونما ہوسکتے

ہیں۔ حضرت امام حسین (ع) اور یزید بذات خود حاضر نہیں ہوں گے لیکن دونوں کے نظریات واہداف اور مقاصد کے حامیوں کے درمیان ضرور جنگ وجدال اور کشمکش کا سلسلہ جاری رہے گا۔

انقلاب حسین (ع)، نے یہ بتادیا کہ قانون کی بالادستی کسی فرد سے پہلے خود حاکم پر قائم ہونی چاہیے اور کوئی فرد قانون سے بالاتر نہیں ہوسکتا۔ یہ بات جاہلیت کے حامیوں کے لئے نئی تھی لیکن اسلام کے عین مطابق تھی۔

قرآن کریم حاکم کے اوصاف کی یوں وضاحت کرتا ہے:

"یا داود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق"

(۳۸ : ۲۶)

اے داود ہم نے تم کو اس زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے۔ پس تم لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا کرو۔"

۴۔ لاتعداد انقلابات کا بیج بونا۔

تا قیامت قطع استبداد کرد   موج خون او چمن ایجاد کرد
خون او تفسیر این اسرار کرد   ملت خوابیده را بیدار کرد

انقلاب حسین (ع)، نے نظام جاہلیت کو للکارا۔ خونِ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے مسلمانوں کے مردہ جسم کی رگوں میں نیا خون جاری فرمایا، ان کے بے جان وساکت دل میں جان وحرکت پیدا کردی، حکومت کی جانب سے مسلط کردہ خوف وہراس اور ظلم کی بنیادیں ہلادیں اور ان میں ظالم کے خلاف قیام کرنے اور اس کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت پیدا کردی۔ اس کے نتیجے میں حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد مختلف شہروں میں

اموی حکومت کے خلاف مسلسل تحریکیں اٹھیں اور انقلابات رونما ہوئے۔ سانحہ کربلا سے پہلے جو جمود و سکوت طاری تھا وہ ٹوٹ گیا اور قیامت تک کے لیے لا تعداد انقلابات کا بیج بو دیا گیا۔

مگر یہ تحریکیں کبھی کامیاب ہوتیں اور کبھی ناکام۔ ظالم کے خلاف ان تحریکوں کی غرض و غایت کبھی خونِ امام حسین (ع) کا بدلہ اور قاتلان حضرت امام حسین (ع) سے انتقام لینا ہوتی تھی کبھی خونِ حضرت امام حسین (ع) کو صرف عوام کی حمایت حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا جاتا تھا امام حسینؑ کے پیروکار امام حسین (ع) کے مقاصد کا نفاذ چاہتے اور کبھی آپ (ع) کے مخالفین حصولِ اقتدار کے لیے آپ (ع) کا نام استعمال کرتے۔ یعنی انقلابیوں کا راستہ کبھی حسینی راہ کی امتداد ہوتا اور کبھی یزیدی راستے کے امتداد کا قدرتی مظاہرہ ہوتا۔

لیکن ان تمام نشیب و فراز کے باوجود ایک چیز ہمیشہ زندہ رہی اور کبھی مسلمان انقلابیوں کے ذہن سے اوجھل نہیں ہوئی وہ ہے جذبہ جہاد اور ظالم سے مقابلہ کرنے کی ضرورت، حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت ۶۱ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد نظام بنی امیہ کے خلاف جو تحریکیں اٹھیں اور جو انقلابات رونما ہوئے ان سب کا ذکر کرنا اس کتاب کی گنجائش سے باہر ہے لہٰذا ہم صرف درج ذیل واقعات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ فوج اشقیا میں پہلا ردِ عمل

فوج اشقیا نے حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد حرم اور خیمہ گاہِ حسینی پر حملہ کر دیا اور لوٹ مار میں مشغول ہو گئے۔ قبیلہ بکر بن وائل کی ایک عورت اپنے شوہر کے ہمراہ فوج اشقیا میں موجود تھی۔ اس نے یہ حالت دیکھ کر تلوار ہاتھ میں لی اور اپنے خیمے کی طرف آکر مخاطب ہوئی:

آے بنی وائل کے لوگو! یہ کیسی مردانگی ہے کہ تم یہاں موجود ہو اور آلِ رسول (ص)
کو لوٹا جا رہا ہے؟"

پھر ایک چیخ بلند ہوئی اور کہا گیا:

"لاحکم الا للّٰہ ، یالثارات رسول اللّٰہ" [1]

"اللّٰہ کے علاوہ کوئی اور حاکم نہیں۔ اے لوگو! رسول اللّٰہ (ص) کے خون کا انتقام لو۔
یہ واقعہ عصر عاشور کا ہے جو شہادت کے چند گھنٹے بعد پہلا ردعمل تھا۔

برزمین کربلا بارید و رفت

لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

۲۔ کوفہ میں انقلاب کے شعلے

رمز قرآن از حسینؑ آموختیم

ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم (اقبال)

خون حضرت امام حسین (علیہ السلام) اور اسیران آلِ محمدؐ کے ساتھ کئے گئے برتاؤ کی وجہ سے قاتلان حضرت امام حسین (ع) کی جائے سکونت کوفہ میں سب سے پہلے حاکم نظام اور قاتلانِ امام حسین (ع) کے خلاف انقلاب کے شعلے بھڑک اٹھے۔ جس کی توقع بالکل نہیں تھی۔ کربلا میں حاضر ہونے والے افراد اور کوفے کی عورتوں کے دلوں میں جذبہ انتقام موج زن ہونے لگا۔ حضرت امام حسین بن علی (علیہما السلام) کو دعوت نامے بھیجنے والوں کو بھی اپنی غداری اور خیانت کا احساس اس وقت ہوا جب ابن زیاد نخیلہ سے کوفہ واپس آیا اور آپ (ع) درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ [2]

---

[1] لہوف ص ۹۰۔ المقرم ص ۳۸۷۔ [2] طبری ج ۳ ص ۳۹۰۔

اس کا ایک نمونہ ابن زیاد ہی کے سامنے جامع مسجد کوفہ میں واقع ہوا۔ لوگوں کو جامع مسجد میں بلایا گیا۔ ابن زیاد نے علی الاعلان منبر سے یہ ناروا الفاظ اپنی زبان سے ادا کئے:

"الحمد للہ الذی اظہر الحق واھلہ ونصر امیر المؤمنین یزید وحزبہ وقتل الکذاب ابن الکذاب حسین بن علی وشیعتہ"[1]

"تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے حق اور اہل حق کو ظاہر فرمایا اور امیر المؤمنین یزید اور اس کے گروہ کی مدد کی اور (العیاذ باللہ) کذاب بن کذاب حسین ابن علی (علیہما السلام) اور اس کے شیعوں کو قتل کیا۔"

عبداللہ بن عفیف ازدی جو شیعیان علی (ع) میں سے تھے، کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ابن زیاد کو رد کرتے ہوئے کہا:

"اے ابن مرجانہ! تو جھوٹا، تیرا باپ جھوٹا اور وہ بھی جھوٹا جس نے تجھے حاکم بنایا اور اس کا باپ"[2]

ابن زیاد کو یہ کلام گوارا نہ ہوا اور اس نے عبداللہ بن عفیف کو گرفتار کرنے کا حکم دیا مگر اس کے قبیلے کے ایک گروہ نے اسے گرفتاری سے بچا کر اس کے گھر پہنچا دیا۔ ابن زیاد نے رات کو اسے گرفتار کرنے کا دوبارہ حکم دیا۔ لیکن قبیلہ ازد اور اس کے حلیف قبائل جمع ہو گئے اور انہوں نے ابن زیاد کی فوج کے ساتھ سخت جنگ کی بالآخر عبداللہ بن عفیف کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا اور پھر نہایت بے رحمی سے اسے قتل کر کے اس کی لاش کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔[3]

---

[1] المقرم ص ۴۲۶ از ابن اثیر ج ۱ ص ۴۳۔ خلافت و ملوکیت ص ۱۸۰۔ طبری ج ۳ ص ۳۳۷ کشف الغمہ ج ۲ ص ۶۹ ۲۔

[2] ایضاً

[3] المقرم ص ۴۲۸۔ کشف الغمہ ج ۲ ص ۶۹ ۲۔

۳۔ اہلِ مدینہ کا انقلاب

پسماندگانِ حضرت امام حسین (علیہ السلام) قید سے رہائی پاکر مدینہ واپس لوٹے وہ پیغام حضرت امام حسین (ع) نوحوں اور مرثیوں کی شکل میں لوگوں تک پہنچا رہے تھے بنی ہاشم کے گھروں سے فریاد بلند ہونا اور جوانانِ بنی ہاشم و سید شباب اہلِ جنت حضرت امام حسین (ع) کی مصیبت کا تذکرہ ہونا ایک طبعی امر تھا۔ خاص کر حضرت زینب (ع) خونِ امام حسین (ع) کے انتقام کا مصمم ارادہ کر چکی تھیں۔ حضرت زینب (سلام اللہ علیہا) کا وجود مدینہ میں باعث خطرہ تصور کیا گیا۔

لہٰذا جب والئ مدینہ عمرو بن سعید اشدق نے یزید کو حقیقت حال سے آگاہ کیا تو یزید نے جواب میں اسے لکھا کہ باقی ماندہ اہلِ بیت کو دیگر شہروں میں متفرق کر دو۔[1]

۶۲ھ ہجری میں والئ مدینہ نے حکومت کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت کو کم کرنے کے لئے ایک سیاسی چال چلی اور اس نے مدینہ سے ایک وفد عبداللہ بن حنظلہ کی قیادت میں دمشق روانہ کیا مرکزی حکومت نے اس وفد کی کافی آؤ بھگت کی اور اس وفد کے ارکان کو بڑی بڑی رقمیں دیں۔[2] مگر اس وفد نے مدینہ واپس آکر جو آنکھوں دیکھا حال بیان کیا وہ مرکزی حکومت کے خلاف قیام اور شورش کرنے کے حق میں تھا۔ چنانچہ غسیل ملائکہ عبداللہ بن حنظلہ نے ایک تقریر کے دوران بتایا:

"ہم نے یزید کی مخالفت اس وقت اختیار کی ہے جب ہمیں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا اب ہم پر آسمان سے پتھر برسیں گے۔ اس لئے کہ وہ ایسا شخص ہے جو اپنے باپ کی تصرف کردہ کنیزوں (سوتیلی ماؤں)، بیٹیوں اور بہنوں کو اپنے لئے حلال سمجھتا ہے۔

---

[1] بطلتہ کربلا ص ۱۵۳، [2] العقد الفرید ج ۴ ص ۱۷۳۔ طبری ج ۳ ص ۳۵۹۔

شرابی اور تارک الصلوٰۃ ہے[1]"

مدینہ والوں نے بالاتفاق عبداللہ بن حنظلہ کی بیعت کی ۶۳ھ ہجری میں انہوں نے مدینہ کے والی کو مدینہ سے باہر نکال دیا۔ مرکزی حکومت کی جانب سے اس انقلاب کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر جرار، جس کی تعداد تیس ہزار[2] تھی۔ یہ حکم لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا کہ مدینہ فتح کرنے کے بعد تین دن تک مدینہ یزیدی فوج کے لئے مباح ہے[3]۔ مدینہ سے باہر حیرہ کے مقام پر جنگ ہوئی اور انقلابیوں کو شکست ہوئی اور لشکر یزید کے جرنیل مسلم بن عقبہ کے حکم پر تین دن اور رات مسلسل اہل شام مدینہ کو لوٹتے رہے[4]۔

اس واقعہ کے نتیجے میں دس ہزار عورتوں کے ہاں ناجائز بچے پیدا ہوئے[5] اور اسی اصحاب رسول (ص)، سات سو قریش و انصار اور دس ہزار عام لوگ مارے گئے[6]۔

۴۔ اہل مکہ کی شورش

مکہ والے بھی مدینہ کی طرح مرکزی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ابن زبیر اس وقت مکہ میں تھے اور اہل بیت کے سخت دشمن تھے۔ مگر انہوں نے خون امام حسین (ع) کو اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ چنانچہ وہ ایک عرصہ سے کرسی و خلافت کے متمنی تھے۔ انہوں نے شہادت امام حسین (ع)، کی خبر سن کر اور حکومت بنی امیہ کے خلاف لوگوں کی سخت

---

[1] تاریخ خلفا ص ۲۳۳۔ طبری ج ۳ ص ۳۵۰۔ تذکرۃ الخواص ص ۲۵۹۔

[2] الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۷۔

[3] ایضاً ص ۱۷۹۔

[4] طبری ج ۳ ص ۳۵۷۔ تذکرۃ الخواص ص ۲۵۹۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۸۶، ج ۲ ص ۸۔

[5] تذکرۃ الخواص ص ۲۶۰۔

[6] تذکرۃ الخواص ص ۲۵۹۔ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۸۵۔

نفرت اور بے زاری کو دیکھتے ہوئے موقع غنیمت جانا اور اہلِ عراق کی مذمت اور امام حسین (ع) کی شان میں پر زور تقریر کی۔ اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

"۔۔۔۔ حسین (علیہ السلام) نے عزت و کرامت کے ساتھ جان دینے کو ذلت و حقارت کے ساتھ زندہ رہنے پر ترجیح دی۔ قتل حسین (علیہ السلام) کے بعد ہم کبھی بھی اس قوم سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ بخدا ان لوگوں نے ایسے بزرگوار کو شہید کیا ہے جو قلیل النوم اور کثیر الصوم تھے۔ جو راتوں کو عبادتِ الٰہی میں طولانی قیام کرنے والے شرف و بزرگی اور دین میں سب سے افضل اور امرِ خلافت کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھے۔"[1]

اہلِ مکہ نے عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کی۔ ادھر مدینہ میں قتل و غارتگری کرنے کے بعد یزیدی فوج مکہ کی طرف روانہ ہوئی راستے میں اس فوج کا سربراہ مسلم بن عقبہ لقمۂ اجل بن گیا اور اس کی جگہ حصین بن نمیر سکونی کو سردارِ لشکر بنایا گیا۔ اس فوج کا ابن زبیر سے سخت مقابلہ ہوا۔ ابن زبیر نے خانۂ خدا میں پناہ لی۔ بالآخرہ روز شنبہ ۳ ربیع الاوّل ۶۴ھ کو منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر پتھر آگ کے گولے برسائے جس سے خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی۔[2]

مورخین لکھتے ہیں کہ یزیدی حکومت کی کل مدت تین سال چھ مہینے یا اس سے کچھ کم تھی۔ اپنی حکومت کے پہلے سال میں اس نے حضرت امام حسین (علیہ السلام) کو شہید کیا۔ دوسرے سال میں مدینہ پر چڑھائی کی اور تین دن تک اُسے تاراج کیا۔ تیسرے سال میں مکہ پر فوج کشی کی اور خانہ کعبہ کو آگ لگائی۔[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دورِ حکومت میں اس نے ایسے تین بڑے جرائم کا ارتکاب کیا جو اس کی مدت حکومت کے برابر ہیں۔ ورنہ شہادت حضرت امام حسین (ع)

---

[1] طبری ج ۳ ص ۳۴۷، تذکرۃ الخواص ص ۲۴۱۔
[2] طبری ج ۳ ص ۳۶۱۔
[3] تذکرۃ الخواص ص ۲۶۱۔

سنہ ۶۱ ہجری میں، مدینہ پر چڑھائی روز چہار شنبہ ۲۸ ذی الحجہ سنہ ۶۳ ہجری میں اور مکہ کا واقعہ ۳ ربیع الاول سنہ ۶۴ ہجری میں پیش آیا اور ہر واقعہ کے درمیان ایک سال کا فاصلہ نہیں ہے۔

۵۔ توابین کا انقلاب

سنہ ۶۵ ہجری میں توابین کی ایک تحریک منظر عام پر آئی۔ مگر اسکی ابتداء شہادت امام حسین (ع) کے بعد سے ہی ہو چکی تھی۔ ابن زیاد جب آپ (ع) کی شہادت کے بعد اپنے لشکرگاہ نخیلہ سے واپس کوفہ آیا تو شیعیانِ علی ایک دوسرے پر نفرین اور ملامت اور اپنے پر ندامت کرنے لگے۔ انہوں نے اس حقیقت کو محسوس کیا کہ ان سے ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب ہوا ہے حضرت امام حسین (ع)، ان کے وعدہ نصرت پر کوفہ تشریف لائے تھے مگر انہوں نے آپ (ع) کی مدد نہیں کی اور آپ (ع) ان کے بالکل قریب شہید کر دیئے گئے۔ لہذا انہوں نے یہ طے کیا کہ اس عار و ننگ کا ازالہ تب ہوگا جب وہ آپ (ع) کے قاتلوں سے انتقام لیں یا اس کوشش میں خود اپنی جانیں قربان کر دیں۔ لہذا انہوں نے شیعیانِ علی (ع) کی ان پانچ سرکردہ شخصیتوں سے رابطہ قائم کیا :

۱۔ سلیمان بن صرد خزاعی۔

۲۔ مسیب بن نجبہ فزاری۔

۳۔ عبداللہ بن سعد بن نفیل ازدی۔

۴۔ عبداللہ بن وائل تیمی۔

۵۔ رفاعہ بن شداد بجلی۔

ح ۱ طبری ج ۳ ص ۳۴۷ - تذکرۃ الخواص ص ۲۴۱ -

ح ۲ طبری ج ۳ ص ۳۶۱ -

ح ۳ تذکرۃ الخواص ص ۲۶۱ -

یہ افراد باقی ممتاز افراد سمیت سلیمان کے گھر میں جمع ہوئے اور ہر ایک نے قاتلان امام حسین (ع) اور حاکم نظام کے خلاف جوشیلی تقاریر کیں۔ چنانچہ ان تقریروں میں اظہار ندامت و پشیمانی کا پہلو بھی نمایاں تھا[۱]۔ بالآخرہ سلیمان بن صرد خزائی کو اس تحریک کا قائد مقرر کیا گیا[۲]۔

سلیمان نے دیگر شہروں کے شیعہ قائدین کو اپنی تحریک میں شمولیت اختیار کرنے اور خون حضرت امام حسین (علیہ السلام) کا انتقام لینے کے دعوت نامے بھیجے اور بڑی تعداد میں لوگوں نے اسے قبول کیا[۳]۔

دوسری طرف ۶۱ھ سنہ ہجری سے جنگی سامان جمع کیا جا رہا تھا اور قیام کی تیاریاں ہو رہی تھیں[۴] حتیٰ کہ جب یزید ۶۴ھ ہلاک ہو گیا تو اس تحریک کو اور زیادہ قوت حاصل ہو گئی[۵]۔ یزید کی ہلاکت کے بعد قیام کرنے کی گفتگو شروع ہوئی۔ مگر جنگ کس سے ہو اور کہاں ہو؟ کوفہ میں یا شام میں؟

سلیمان کی رائے تھی کہ امام حسین (ع) کے قتل کے جرم کا ذمہ دار درحقیقت نظام جاہلیت ہے یزید اور اس کی حکومت کی مشینری اس نظام کے اہداف و نظریات کا ذریعہ ہیں لہٰذا انہوں نے کوفہ میں موجود مجرمین کو چھوڑ کر شام کا رخ کیا تاکہ اس نظام کو جڑ سے نیست و نابود کر دیا جائے[۶]

سلیمان کے ہمراہ چار ہزار فوج تھی۔ شامیوں سے ان کا مقابلہ ہوا اور بالآخر اپنے اکثر ساتھیوں سمیت مارے گئے[۷]

۱۔ طبری ج ۳ ص ۳۹۰۔ اس کا خلاصہ تذکرۃ الخواص ص ۲۵۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔
۲۔ طبری ج ۳ ص ۳۹۱۔ ۳۔ طبری ج ۳ ص ۳۹۲۔
۴۔ تذکرۃ الخواص ص ۲۵۳۔
۵۔ طبری ج ۳ ص ۳۹۱۔
۶۔ تذکرۃ الخواص ص ۲۵۴۔
۷۔ طبری ج ۳ ص ۴۱۰۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۵۴۔

انقلاب امام حسین (ع) سے اتنی جرأت ملی اور لوگوں پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ لوگ جو حضرت مسلم بن عقیل اور پھر امام حسین (ع) کی نصرت کے لئے خوف کے مارے گھروں سے نہیں نکلے وہ سانحہ کربلا کے بعد کل نظام یعنی مرکزی حکومت کو ختم کرنے یا خود کو اس کوشش میں قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

یہ ایک تاریخی اور قانونِ نظامِ الہٰی ہے کہ جو حق سے ٹکراتا ہے، اسے باطل کی حمایت کرتے ہوئے مرنا پڑتا ہے یا کم از کم وہ بلا فائدہ اپنی جان دے دیتا ہے اور توابین کا واقعہ بھی قانونِ الہٰی اور سنتِ تاریخ کا ایک منہ بولتا نمونہ تھا۔

۶۔ مختار کا انقلاب

۶۶ھ میں توابین کے بچے کھچے افراد واپس کوفہ آئے۔ اس وقت مختار بن ابی عبیدہ ثقفی قیدخانہ میں تھے[۱] اپنی رہائی کے بعد مختار نے کوفہ میں خونِ امام حسین (ع) کا انتقام لینے کی تحریک چلائی اور ابراہیم بن مالک اشتر سمیت بہت سے لوگوں نے مختار کی قیادت میں اس تحریکِ انتقام میں شمولیت اختیار کر لی[۲]

مختار کی حکومت کوفہ سمیت عراق و ایران کے شہروں پر قائم ہو گئی اور اس نے قاتلانِ حسین علیہ السلام کو ان کے افعال و جرائم کے مطابق قتل کرنا شروع کیا[۳] حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام کے بڑے بڑے قاتلوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور صرف ایک دن میں ان میں سے ۲۴۸ مجرموں کو مار ڈالا گیا[۴]

۱۔ طبری ج ۳ ص ۴۳۳ ، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۶۴۔
۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۶۵۔
۳۔ ایضاً ص ۲۷۲۔
۴۔ ایضاً ص ۲۸۰۔

کربلا میں موجود چھ ہزار مجرموں میں سے کسی کو نہیں چھوڑا گیا[1] اور مختار کے عہد میں ابن زیاد، عمر بن سعد، شمر، قیس بن اشعث، حصین بن نمیر، شبث بن ربعی، محمد بن اشعث حرملہ اور خولی بن یزید اصبحی وغیرہ کو ہلاک کیا گیا۔ بعض نقل کے مطابق تقریباً اٹھارہ ہزار مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا[2] آخر کار مختار کو راہ اہل بیت (ع) میں دفاع کرنے کے جرم میں شہید کردیا گیا۔

۷۔ صالح بن مسرح التیمی

۷۶ھ میں بنی امیہ کی حکومت کے خلاف صالح بن مسرح تیمی نے تحریک چلائی۔ حجاج بن یوسف نے حارث بن عمیرہ کو اس تحریک کی سرکوبی پر مامور کیا اور اسی سال صالح بن مسرح تیمی قتل ہوگیا[3]

۸۔ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ کی تحریک

۷۷ھ میں مطرب بن مغیرہ نے عبدالملک بن مروان کو خلافت سے معزول کرنے کے بعد اس کے اور اس کے والئ حجاج بن یوسف کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ کتاب خدا اور سنت رسول (ص) کا نفاذ اور ظالمین کے خلاف جہاد کرنا اس تحریک کا منشور تھا۔ لیکن وہ اپنے ساتھیوں سمیت اسی سال قتل ہوگیا[4]

۹۔ عبدالرحمٰن بن اشعث کی شورش

۸۱ھ میں عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث نے عبداللہ بن مروان اور حجاج کے خلاف

---

[1] تذکرۃ الخواص ص ۲۵۵۔
[2] الشہید والثورہ ص ۳۱۔
[3] طبری ج ۳ ص ۵۵۹۔ البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۳۔
[4] ایضاً ص ۵۹۳۔۶۰۰

قیام کیا مگر حجاج بن یوسف نے اسے شکست دے دی۔[۱]

۱۰۔ زید بن علی بن حسین (ع) کی تحریک

۱۲۱ھ میں حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) کے فرزند زید نے بنی امیہ کے ظلم و ستم اور جاہلیت کے خلاف قیام کرنے کی تیاری کی اور لوگوں کو کتاب خدا و سنت رسول (ص) پر عمل کرنے اور ظالمین و مجرمین کے خلاف جہاد کرنے کی دعوت دی۔ ان کا نعرہ اہل بیت رسالت (ص) کی نصرت اور ان کے غصب شدہ حقوق کی بحالی کا تھا اور اس عہد پر بیعت لی جاتی تھی۔[۲] کوفہ، بصرہ، واسط، موصل، خراسان، رے اور جرجان میں ان کی بیعت ہوئی تھی۔[۳]

۱۲۲ھ میں بالآخرہ جناب زید کو ان کے باوفا ساتھیوں سمیت شہید کر دیا گیا۔ ان کی لاش کو تین سال تک سولی پر لٹکائے رکھا گیا اور ان کے سر مبارک کو دمشق، مدینہ اور بصرہ میں پھرایا گیا۔[۴] ان کے شہادت کے تذکرہ میں البدایہ ج ۹ ص ۳۳۱ میں لکھا ہے:

"ان کو رات کے وقت خفیہ طور پر دفنایا گیا اور ان کی قبر پر پانی جاری کیا گیا تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو مگر ان کی لاش نکال کر چار سال تک سولی پر لٹکائے رکھی۔ پھر اسے جلا دیا گیا۔"

۱۱۔ ۱۲۵ھ میں زید بن علی کے فرزند یحییٰ بن زید نے جہاد فی سبیل اللہ کو جاری رکھا لیکن اسی سال ان کو شہید کر دیا گیا۔[۵] ان کا سر تن سے جدا کیا گیا اور لاش کو صلیب پر لٹکایا گیا۔

۱۲۔ ۱۲۷ھ میں عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے بنی امیہ کے خلاف

---

[۱] طبری ج ۳ ص ۶۲۲۔

[۲] طبری ج ۴ ص ۱۹۹۔

[۳] ثورۃ الحسین ص ۲۸۳۔ از مقاتل الطالبین۔

[۴] الشہید والثورہ ص ۱۳۱۔ تذکرۃ الخواص ص ۳۰۱۔

[۵] طبری ج ۴ ص ۲۳۲-۲۳۴۔

قیام کیا۔[1]

۱۳۔ ۱۲۸ھ میں ظلم وستم اور حکومت کے خلاف حارث بن سریج اور ابو حمزہ نے خروج کیا[2]

۱۴۔ ۱۲۹۔۱۳۰ھ میں تقریباً پوری امت اسلامیہ میں بنی امیہ کے خلاف انقلاب و قیام عمل شدت اختیار کر چکا تھا اور روز بروز تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ بنی امیہ کے غیر انسانی اعمال وسلوک خاص کر واقعہ کربلا کی وجہ سے پوری امت اسلامیہ میں بنی امیہ کے خلاف نفرت و بیزاری بڑے پیمانے پر پھیل چکی تھی۔ چنانچہ ایران میں ابو مسلم خراسانی کھڑا تھا اور دیگر عرب ممالک حجاز وغیرہ میں بنی حسن (امام حسن رع، کی اولاد) اور بنی عباس (عبداللہ بن عباس کی اولاد) منظم ہو کر ملک گیر تحریک اور بڑے انقلاب کی تیاری کر رہی تھی۔ ان کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ یہ تحریک قاتلان امام حسین رع، سے انتقام اور آل محمد (ص) کے حقوق کی بحالی کے نام پر چلائی گئی تھی۔ چنانچہ اس تحریک میں کسی کی شمولیت کے وقت جو بیعت لی جاتی تھی وہ کسی خاص شخص کے نام پر نہیں بلکہ اس طریقے سے لی جاتی تھی:

"ابایعکم علی کتاب اللہ عزوجل وسنۃ نبیہ والطاعۃ للرضا من اھل بیت رسول اللہ"[3]

"میں تم سے بیعت لیتا ہوں کتاب اللہ، سنت رسول (ص)، اور اہل بیت رسالت (ص) کی رضا (پسندیدہ شخصیت) کی اطاعت پر۔"

---

[1] طبری ج ۴ ص ۲۷۵۔

[2] طبری ج ۴ ص ۲۹۲۔۳۰۲۔

[3] طبری ج ۴ ص ۳۲۱۔

۱۷ ریا ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۱ھ میں اس ہمہ گیر تحریک کے نتیجے میں بنی امیہ اور اس کے پیش کردہ نظام جاہلیت کی بیخ کنی ہوگئی اور اس کا نام ونشان قیامت تک کے لئے مٹ گیا۔[۱]

انقلابات کا تسلسل

بنی امیہ کے بعد خلافت پر بنی عباس متمکن ہوئے۔ مگر ان کی اسلام پامالی اور ظلم وستم بنی امیہ سے کم نہ تھے۔ لہذا حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے مکتب فکر کو سرچشمہ حیات قرار دینے والوں کی کوششوں کا پھر آغاز ہوا تاکہ ظالم وستمگروں سے جنگ ومقابلہ کیا جائے لہذا بنی عباس کے عہد میں بہت سے انقلابات رونما ہوئے مگر کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا۔

انقلاب اسلامی ایران

انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا کتنا احسان ہے کہ اس ظلم وستم اور جاہلیت ومادیت کے دور میں ایک تاریخ وانسان ساز اور باطل سوز اسلامی انقلاب ایران حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ رہبر مسلمانان جہاں امام خمینی کی قیادت حکیمانہ میں برپا ہوا۔ درواقع یہ انقلاب، انقلاب حسین (علیہ السلام) کا ایک حصہ ہے اور اس کے مقاصد واہداف کے نفاذ کا ایک تاریخی مرحلہ ہے۔ ہماری دعا ہے کہ یہ انقلاب اور اس کا تاریخ ساز قائد پورے عالم انسانیت کو بالعموم اور امت اسلامیہ کو بالخصوص نصیب ہو۔

---

[۱] الدولۃ الاموریہ ص ۵۵۵۔

۵۔ اہلِ بیتؑ کا تعارف

انقلاب امام خمینی (رح) کا ایک بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل بیت رسول اللہ (ص) وسیع پیمانہ پر مسلمانوں میں متعارف ہوئے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اور رسول اکرم (ص) کی متواتر احادیث کے مطابق آنحضرت (ص) کے بعد مسلمانوں کے قائد اور اسلامی حکومت کے سربراہ آئمہ طاہرین (ع) تھے۔ لوگ رہبران حقیقی کو فراموش کئے ہوئے تھے لیکن آئمہ طاہرین اسلام کی حفاظت اور نگہداری کو ہمیشہ اپنا نصب العین قرار دیتے تھے۔ اگرچہ وہ خود اپنے مقام قیادت اور سیاسی رہبری سے سالہا سال محروم رہے تھے۔ چنانچہ حضرت امام علی (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

"لقد علمتم انی احق الناس بہا من غیری وواللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیہا جور الا علی خاصۃ التماساً لاجر ذالک وفضلہ وزھداً فیما تنافستموہ من زخرفہ وزبرجہ" [۱]

"تم جانتے ہو کہ مجھے اوروں سے زیادہ خلافت کا حق پہنچتا ہے۔ خدا کی قسم! جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم و نسق برقرار رہے گا اور صرف میری ہی ذات ظلم و ستم کا نشانہ بنتی رہے گی میں خاموشی اختیار کرتا رہوں گا تاکہ (اس صبر پر) اللہ سے اجر و ثواب طلب کروں اور اس زیب و زینت اور آرائش کو ٹھکرا دوں جس پر تم مٹے ہوئے ہو۔"

---

[۱] نہج البلاغۃ مترجم مفتی جعفر حسین (طاب ثراہ) خطبہ نمبر ۲، طبع امامیہ کتب خانہ۔ لاہور

حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے فرمایا:

"ہم رسول اللہ (ص) کے اہلِ بیت، ولی، وصی اور وارث ہیں، ہم خلافت اسلامیہ اور قیادت مسلمین کے دوسروں سے زیادہ حقدار ہیں"۔ ح۱

آئمہ طاہرین (ع) کا حاکمِ نظام کے سامنے یہ مؤقف رہا ہے کہ جب تک مسلمانوں کے دینی معاملات کسی حد تک حق سے نزدیک چل رہے ہوں تو وہ مسلح قیام سے گریز فرماتے لیکن اگر ایسا نازک مرحلہ پیش آجائے جس میں پورے اسلام کی نابودی کا خطرہ موجود ہو تو اسلام کی حفاظت کی خاطر قیام کرنا اور ظالم سے ٹکر لینا ناگزیر ہوتا تھا۔

انقلابِ حسین (ع) نے بتادیا کہ آئمہ اہلِ بیت (ع) ہی ہر حالت اور مرحلہ میں اسلام کے محافظ ہیں۔ کربلا کی قربانی وجانثاری نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔ وہ آئمہ طاہرین (ع) کے کارنامہ سے آگاہ ہوئے، اسلام کا حقیقی چہرہ ان کے سامنے آیا اور حقیقی رہبران کے نزدیک ہوگئے۔

اس طرح انقلاب حسین (ع) نے اسلام کی حفاظت کی اس لئے کہ کسی قانون ونظریہ کی حفاظت کے چند مراحل ہوتے ہیں۔ اگر وہ ان تمام مراحل میں محفوظ رہے تو کہا جاتا ہے کہ قانون زندہ وکامل ہے۔ چنانچہ اگر ان تمام مراحل یا بعض مراحل میں وہ محفوظ نہ رہے تو ناقص اور مردہ تصور کیا جاتا ہے:

(۱)۔ قانون ونظریہ کے اصل نصوص باقی ہوں اور کسی قسم کی تحریف واقع نہ ہوئی ہو۔ جیسے قرآن ہے۔

(۱۱)۔ کچھ ایسے افراد موجود ہوں جن کی اس قانون کی روح تک رسائی ہو اور وہ اس قانون کے

ح۱ طبری ج ۳ ص ۲۸۰

مزاج سے مکمل ہم آہنگ ہوں۔ چنانچہ نظریہ امامت اس ضرورت کو پورا کرنے کا دوسرا نام ہے۔

(iii) یہ قانون مکمل طور پر انفرادی اور سماجی زندگی پر حاکم ہو۔

(iv) ہر نسل سے دوسری نسل تک اس کے پہنچنے اور اس کی تبلیغ کی ضمانت موجود ہو۔

قرآن کریم کو لفظی تحریف سے محفوظ رکھنے کی ضمانت خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے: انا نحن نزلنا الذکر... الخ (؛) چنانچہ باقی تین مراحل کا کام رسول اللہ (ص) سے ہوتا چلا آ رہا تھا لیکن حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے کچھ نئے انداز سے انجام دیا۔ ایک طرف آئمہ کا تعارف کرایا کہ اسلام کے مفاہیم و نظریات سے مکمل ہم آہنگی انہی حضرات میں پائی جاتی ہے اور اس کے نفاذ و تبلیغ کا کام بھی جمیع طریقے سے یہی حضرات انجام دے سکتے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں انقلاب حسین (ع) نے مذہب اہل بیت (ع) یعنی تشیع کو مضبوط بنا دیا اور متفرق شیعوں کو جمع کر دیا۔ بنی امیہ کے دور جاہلیت میں کوشش یہ کی گئی تھی کہ شیعیان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ جیسا کہ سابقہ مباحث میں ذکر ہو چکا ہے کہ اگر واقعہ کربلا وجود میں نہ آتا تو بنی امیہ کی ان تمام کوششوں کی وجہ سے شیعہ کا زندہ رہنا بہت مشکل تھا چنانچہ بعض یورپی مؤرخین کا خیال ہے کہ دسویں محرم، یوم پیدائش شیعہ ہے [۱]

ہمیں اس خیال سے اتفاق نہیں کیونکہ شیعہ کا نظریاتی وجود رسول اسلام (ص) کی رحلت کے بعد سے عمل میں آیا اور فرقہ اور مذہب کی شکل میں عملاً معاویہ کے دور میں پیدا ہوا تھا مگر انقلاب حسین (ع) نے مذہب شیعہ کو استقلال تشخص اور جداگانہ حیثیت کا مقام بخشا۔

اس کتاب کے گزشتہ صفحات میں بار بار ذکر ہو چکا ہے کہ اس عظیم انقلاب کا مقصد یہ نہیں تھا کہ صرف امت اسلامیہ کے ایک فرقہ اور گروہ کو فائدہ پہنچے بلکہ آپ (ع) کا نصب العین، اسلام

---

[۱] حیاۃ الامام الحسین (ع)، ج ۳ ص ۴۴۳۔

کی برقراری اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ بحال کرنا تھا۔ مگر اسلام دشمن اور خود غرض افراد نے اس نجات بخش انقلاب، تاریخ ساز تحریک اور انسان ساز اقدام پر ایک گروہ سے مخصوص ہونے کا الزام لگایا۔ کربلا کے بعد اسلامی مسند خلافت پر چھلانگ لگا کر متمکن ہونے والے حکام کی یہی کوشش رہی کہ انقلاب حسین (ع)، کے دائرہ اثر کو محدود کر دیا جائے [۱]

بہرحال انقلاب حسین (ع)، کے بعد امت اسلامیہ میں بحیثیت مجموعی، اہل بیت رسول (ص)، بالخصوص حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے حق میں محبت، دوستی، طرفداری، تقدس اور احترام کی ایک لہر پیدا ہوئی اور حکام کی طرف سے شکنجے، قتل و غارت گری، قید کرنے اور شیعہ ہونا ناقابلِ معافی جرم ہونے کے اعلان کے باوجود روز بروز شیعوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور اہل بیت (ع)، کی حقانیت و معرفت کا دائرہ لوگوں میں وسیع ہوتا چلا گیا۔ اور آج یہ حال ہے کہ جناب "حسن الامین" کی تحقیقات کے مطابق شیعوں کی تعداد مسلمانوں کے ایک چوتھائی حصہ کے برابر ہے۔

اسلامی علوم و ثقافت کا فروغ

اس عظیم انقلاب کے ثمرات میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر صادق (علیہما السلام) کے توسط سے بڑی درسگاہ وجود میں آئی اور علم و معرفت، ثقافت اور معارفِ اسلام کو بے مثال فروغ حاصل ہوا۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ واقعہ کربلا کا اس کو وجود میں لانے میں کافی دخل تھا بلکہ سانحہ کربلا کو اس کے واحد سبب سے تعبیر کریں تو بے جا نہ ہوگا۔ چنانچہ اس کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ انقلاب حسین (ع)، نے وہ معجزنما کارنامے سرانجام دیئے جو کوئی دوسرا انقلاب انجام نہیں دے سکا۔

---

[۱] زیر نظر کتاب کے باب اول کا مطالعہ کیجیے۔

اس انقلاب نے اس وقت کے سیاسی، سماجی، فکری اور ذہنی سطح پر حکومتِ جاہلیت اور وہشت گردِ نظام کی طرف سے مسلمانوں کی گردنوں میں ڈالے ہوئے خوف وہراس، حاکم پرستی اور مفاد پرستی کے طوق کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ عقیدہ کی خاطر قربانی دینے کی تعلیم دی، جہاد و مبارزہ کا عنصر دوبارہ زندہ کیا۔ حاکم جابر کے خلاف قیام کرنے کو عین عبادت اور راہِ خدا میں شہادت پانا عین سعادت ہونے کا عملی ثبوت دیا۔

بنی امیہ کے خلاف انقلابات کا طوفان کھڑا ہوا یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔ بنی امیہ کی حکومت کا آخری دور تھا جسے ہر طرف سے زوال و اضمحلال کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا لہٰذا بنی امیہ اپنی حکومت کی حفاظت اور مخالف انقلابات کی سرکوبی میں معروف رہے۔ دوسری طرف بنی عباس کا ابتدائی دور تھا۔ جو اپنی حکومت کے استحکام اور بنی امیہ سمیت ہر مخالف تحریک کو کچلنے پر کمربستہ رہا۔ لہٰذا اندرونی حالات میں کچھ نرمی آگئی۔

شہادت حضرت امام حسین (علیہ السلام) ۶۱ھ ہجری میں واقع ہوئی تھی اور بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ۱۳۲ھ ہجری میں ہوا۔ اس عرصے کے دوران بنی امیہ کے خلاف کتنے ہی انقلابات رونما ہوئے اور تحریکیں چلیں۔ یہ سب واقعہ کربلا کے آثار تھے جنہوں نے ظالم کو چین سے سونے نہیں دیا۔

مذکورہ حقیقت کی نشاندھی، جن انقلابات و تحریکوں[1] کے ذریعے ہم نے کی ہے ان کا مطالعہ کرنے سے کسی فرد کو یہ اندازہ لگانے میں وقت پیش نہیں آتی کہ انقلاب وخونِ حضرت امام حسین (ع) نے مسلمانوں کی تاریخ سازی اور اسلامی تہذیب و تمدن کے پھیلاؤ کے مواقع فراہم کرنے میں کتنا اہم کردار ادا کیا ہے اور یہ مسلمانوں کے دل وضمیر اور ثقافت پر کس حد تک اثرانداز ہوا ہے چنانچہ اس نے مسلمانوں پر مسلط شدہ اجنبی ثقافت اور جاہلیت کے طرزِ فکر کے ازالہ کے سلسلے میں عدیم

---

(۱) عنوان نتائج و آثار کے نمبر ۶ کو ملاحظہ فرمائیں۔

الشال خدمت پیش کی ہے۔ اگر یہ انقلاب وجود میں نہ آتا تو خدا جانے بنی امیہ کے نظریات اور ان کا طاغوتی اور فرعونی جبر و تشدد کتنے سال تک مسلمانوں پر مسلط رہتا اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حق و حقیقت اور اسلام کے آئین اور تعلیمات قرآنی کا نام و نشان تک باقی نہ رہتا۔

بہر کیف اس تاریک عہد میں انقلاب حسین (ع) نے مظلوموں کے دلوں میں امید و جہاد کی شمع روشن کی۔ ظالموں کے خلاف یکے بعد دیگرے انقلابات رونما ہوتے رہے۔ حکومت کی پالیسی عسکری اور سیاسی میدان میں کامیابی حاصل کرنا اور دوسروں کو شکست دینے تک محدود ہو چکی تھی۔ لہٰذا جو فرد اس سیاسی رسہ کشی اور حکومت کے خلاف چلنے والی تحریکوں میں حصہ نہیں لیتا تھا اسے باقی میدانوں میں کام کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔

حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق (علیہما السلام) نے اس تھوڑی آزادی کے ماحول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علوم آل محمد (ص)، جس کا سرچشمہ قرآن اور منبع علوم اولین و آخرین حضرت رسول اکرم (ص) ہیں، کے فروغ اور اسلام و قرآن کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کا کام اپنے ذمے لیا اور اسلامی تاریخ میں پہلی بار آزاد اور عظیم درسگاہ (یونیورسٹی) عمل میں آئی جس میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء محدثین، فلاسفر، متکلمین، فقہا، مفسرین اور کیمیادان وغیرہ اپنے اپنے خیالات و رجحانات کے مطابق فیضیاب ہوتے رہے۔ مگر سب سے زیادہ فائدہ شیعوں کو ہوا اور مذہب اہل بیت (ع) کو علمی، ثقافتی، فکری اور ہر شعبہ زندگی میں گراں بہا سرمایہ نصیب ہوا۔ دیگر مکاتب فکر نے علوم آل محمد (ص) سے اتنا فائدہ نہیں اٹھایا جتنا شیعوں نے حاصل کیا۔ لہٰذا آج باقی اسلامی مذاہب میں وہ صاف و شفاف علمی دولت موجود نہیں جو مذہب اہل بیت (ع) میں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق (علیہما السلام) کی مساعی اور دور اندیشیوں کی بدولت پائی جاتی ہے

ص۱ ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۶۸۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان (ع) کو اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کرنے کا موقع انقلاب حسین (ع) نے فراہم کیا۔

جامعۃ الامام الصادق (ع) کی ضرورت

اس عظیم اور ہمہ گیر دینی درسگاہ کی افادیت بیان کرنے کے لئے علیحدہ ایک مستقل کتاب کی تالیف کی ضرورت ہے۔ مگر ہم یہاں پر زیر نظر کتاب کے موضوع کے مطابق اس کے متعلق کچھ بیان کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں۔

اس درسگاہ کو حضرت امام صادق (ع) کے نام گرامی سے اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ آپ (ع) کو اس میں درس و تدریس کے لئے کافی عرصہ میسر آیا ورنہ یہ عمل آپ (ع) کے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر (ع) کے عہد میں شروع ہوا تھا۔

اس درسگاہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور امام (ع) نے سیاسی معاملات میں حصہ لئے بغیر اپنی تمام تر کوششیں علمی و ثقافتی میدان میں کیوں مبذول فرمائیں؟

اس سوال کا جواب اس دور کے علمی حالات، خاص کر واقعۂ کربلا سے پہلے کے حالات کا مطالعہ کرنے سے مل جاتا ہے۔ انقلاب حسین (ع) کے عوامل و محرکات اور دیگر ابواب میں ان حالات کی تفصیل پیش کر چکے ہیں جو بنی امیہ نے اسلامی معاشرہ میں پیدا کر رکھے تھے۔ ایک طرف حضرت ابوہریرہ کی قیادت میں منشاء حاکم کے مطابق احادیث ساز فیکٹری مصروف عمل تھی سادہ لوح افراد اور بعض مسلمانوں کی اکثریت ان روایات کو صحیح سمجھتی تھی۔ لاتعداد روایات گھڑی گئیں آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ امیر المؤمنین (ع)، کو حضرت ابوہریرہ کے متعلق یہ فرمانا پڑا:

"الا ان اکذب الناس علی رسول اللہ (ص) ابوھریرۃ الدوسی"[1]

---

[1] ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۶۸۔

"سب سے جھوٹا شخص ابو ہریرہ ہے۔"

حضرت ابوہریرہ نے صرف ایک سال اور نو ماہ رسول اللہ (ص) کی صحبت کا شرف حاصل کیا[1]۔ اس قلیل مدت میں انہوں نے ہزاروں ایسی احادیث کس طرح سن لیں جو کسی اور اصحابی نے نہیں سنی تھیں اور ان احادیث کا ظہور معاویہ کے دور میں ہوا کیونکہ اس سے پہلے ان کے احادیث بیان کرنے پر پابندی عائد تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ یہ احادیث سننے کے تقریباً تیس سال بعد اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے انہوں نے یہ کل سنی ہوں اور انہیں اس میں ایک لفظ میں بھی کمی بیشی کا احتمال تک نہیں تھا؟! یہ تو انسان کے درجہ سے بالاتر ہی ہو سکتا ہے!!

واقعہ کربلا کے بعد چند فقہاء کے نام ملتے ہیں مگر وہ محدود اور سطحی فکر کے حامل تھے چونکہ اس وقت اسلام کی عمیق فکر، ہمہ گیر بحث اور جامع علم و معرفت رواج نہیں پائی تھی۔ لہذا ضرورت اس امر کی تھی کہ جعلی روایات کی چھان پھٹک، گہری فکر اور درس و بحث کی بنیاد پڑی جائے یہ کام امام باقر اور امام جعفر صادق (علیہما السلام) نے انجام دیا۔ یہ عام سطح پر لازمی تھا۔

مگر مذہب اہل بیت (ع) کی حالت کچھ اور تھی اور اس کا تقاضا بھی اس وقت بدل گیا تھا۔ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے اسلامی عقائد و نظریات کو اپنے اور اپنے باوفا ساتھیوں کے خون سے رنگین کر کے اس کے سیاسی و دفاعی پہلو کو مضبوط بنایا تھا۔ اور عقیدہ کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کی ضرورت کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا تھا۔

لیکن مذہب صرف اور صرف جہاد و دفاع میں منحصر نہیں ہوتا کیونکہ جہاد و دفاع کسی عقیدہ و نظریہ کی حفاظت کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ خود نظریہ و عقیدہ کی وسیع

---

[1] ابوہریرہ ص ۶۳۔ محمود ابوریہ۔

پیمانے پر وضاحت کی جائے۔ اس کی صحیح تعبیر اور درست تفسیر سامنے آئے انحراف کے اس میں داخل ہونے سے اسے تحفظ دیا جائے۔ ہر شعبہ زندگی میں اس کا واضح اور غیر مبہم جواب موجود ہو۔ یہ کام اس درس گاہ نے انجام دیا اور اس سے قبل یہ پہلو ناقص تھا۔ کیوں؟

تاریخ شاہد ہے کہ رسول اکرم (ص) کی رحلت کے بعد سے اہل بیت (ع) کے علم و معرفت کا دروازہ عملاً بند کر دیا گیا تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ (ص) کی رحلت کے بعد سے حضرت صادقین (علیہما السلام) کے دور تک اہل بیت اطہار (ع) کی روایات کتب احادیث میں بہت کم ملتی ہیں۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین (ع) کی ظاہری خلافت سے قبل پچیس برس گزرے۔ لیکن باب قضاوت اور بیگانوں کے سوالوں کے جوابات کے علاوہ دیگر ابواب فقہ وغیرہ میں موجود روایات نہ ہونے کے برابر ہیں اور خلافت کے پنجسالہ عہد میں ایسے ایسے گراں بہا گوہر ملے ہیں جن کی قدر و قیمت سے مسلمان بے خبر رہے اور وہ نہج البلاغہ و دیگر کتب میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امیر المومنین (ع) کی خلافت کے ۲۵ برسوں میں مسلمان آپ (ع) کے فیوضات سے محروم رہے۔ چنانچہ حضرت امام حسن، امام حسین اور امام سجاد (علیہم السلام) کے علوم و معارف کے دروازے بھی بند رہے۔

اسی طرح امت اسلامیہ کو اہل بیت (ع) سے بالکل دور رکھنے کے لئے ان کے فضائل و مناقب کا ذکر ممنوع قرار دیا گیا[۱]۔ حتیٰ کہ معاویہ نے ابن عباس کو حضرت علی (علیہ السلام) کی شان میں نازل شدہ آیات کی تفسیر و تاویل کرنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کے آخر میں معاویہ نے کہا:۔

۱۔ ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۴۷۔

اگر تم نے یہ کام کرنا ہی ہے تو خفیہ طور پر بیان کیا کرو۔ آپ (ع) کے بارے میں نازل شدہ آیات اور رسول اللہ (ص) کے فرامین کسی غیر کو علی الاعلان ہرگز نہ سناؤ۔"[1]

لہٰذا اس انقلاب عظیم کے بعد جو سیاسی و جہادی نوعیت کا تھا۔ ثقافتی، علمی، فکری اور روحانی انقلاب کی اشد ضرورت تھی۔ لہٰذا فقہ جعفریہ میں اکثر و بیشتر روایات آپ دونوں آئمہ (علیہما السلام) سے مروی ہیں اور آپ (ع) نے مذہب شیعہ کو علوم و معارف کے میدان میں دیگر تمام مذاہب اسلام پر ممتاز مقام عطا کیا۔ بہرحال اس علمی و فکری کاوش کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ و سنی دونوں نے اس بے نظیر درس گاہ سے فائدہ اٹھایا۔

جامعۃ الامام الصادق (ع) کے اثرات

اس بے مثال اور تاریخی درسگاہ کے مثبت اثرات شیعہ اور سنی دونوں پر مرتب ہوئے۔ کیونکہ پوری امت اسلامیہ کے علم و معرفت کے شیدائی بلا امتیاز اس درسگاہ سے سیراب ہوتے تھے اور اس وقت طلباء کی مجموعی تعداد جو بیک وقت تعلیم حاصل کر رہی تھی چار ہزار تھی[2] جن میں جناب ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور حاتم بن اسمٰعیل وغیرہ بھی شامل تھے۔

امام ابوحنیفہ کے اپنے اقرار کے مطابق انہوں نے دو سال تک امام صادق (ع) کی شاگردی کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اور اس مدت کی اہمیت کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں:

"لولا السنتان لهلك النعمان"[3]

"اگر دو سال شاگردی کا عرصہ نہ ہوتا تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔"

---

[1] صلح الحسن (ع) ص ۳۲۲، حیاۃ الامام الحسین (ع) ج ۲ ص ۱۶۳۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۱۲۴۔

[2] الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۶۸ (مختلف مدارک کے حوالے سے)۔

[3] ایضاً ج ۱ ص ۷۰ منقول از تحفہ اثنا عشریہ ص ۸۔

"ما رأت عین افضل من جعفر بن محمد (ع)" [1]

"جعفر بن محمد (علیہما السلام) سے افضل کوئی نہیں دیکھا گیا۔"

اس طرح شیعہ روایات اور تعلیم یافتہ افراد کی صحیح تعداد معلوم کرنا تو انتہائی دشوار مسئلہ ہے۔ چونکہ ان کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ ہر ایک فرد نے ہزاروں میں روایات نقل کی ہیں۔ اس وقت کی صرف ایک فقہی کتاب "مسائل الشیعہ" بیس جلدوں میں ہے۔ جس میں پینتیس ہزار چھ سو ستر (۳۵،۶۷۷) احادیث موجود ہیں اور اکثر روایات امام محمد باقر (علیہ السلام) سے منقول ہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف تین سو احادیث صحیح ہیں [2] اسی لئے وہ قیاس کو مدرکِ احکام قرار دینے پر مجبور ہوئے [3]

---

[1] امام الصادق والمذاہب الاربعۃ ج ا ص ۷۰ منقول از تحفہ اثنا عشریہ ص ۸

[2] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۴۔

[3] ایضاً ص ۴۴۶۔

باب ششم

کون غالب ؟
کون مغلوب ؟

سانحہ کربلا کے بعد سے عموماً یہ سوال کیا جاتا رہا ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) اور یزید (لعین) میں سے کون فاتح ہوا اور کون مغلوب؟

اس سوال کا جواب لامحالہ مختلف تھا۔ کسی کی نگاہ میں حضرت امام حسین (علیہ السلام) فاتح تھے تو کسی کے نزدیک یزید لعنہ۔ چنانچہ ہر ایک کے پاس الگ الگ معیار و کسوٹی ہے جس کی رو سے ہر فعل و حرکت اور ہر انقلاب کو پرکھا جاتا ہے اور پھر ایک پر غالب اور دوسرے پر مغلوب کا لیبل لگانا ایک لازمی نتیجہ ہے۔

ہم یہاں پر واقعہ کربلا کی ظاہری شکل و صورت اور مادی معیار و مقیاس کے مطابق مذکورہ سوال کا جواب دینا نہیں چاہتے بلکہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہر ایک اپنے میزان کے مطابق فاتح ہوا یا مغلوب؟۔

آیا حضرت امام حسین (علیہ السلام) اپنے نقطہ نگاہ سے کامیاب ہوئے یا مغلوب؟

اسی طرح یزید لعنہ بذات خود اپنے معیار کے مطابق غالب ہوا یا مغلوب؟

پھر یہ سوال ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی نگاہ میں یزید کی حیثیت غالب کی تھی یا مغلوب کی؟۔

یزید کی نگاہ میں حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی حیثیت غالب کی تھی یا مغلوب کی؟

یا پھر دونوں غالب یا دونوں مغلوب تھے ؟

ان سوالات کا جواب ان اصلی اسباب و محرکات میں تلاش کرنا ہوگا جو واقعہ کربلا کو وجود میں لانے کے سلسلے میں فریقین کے پاس موجود تھے ۔ اس کی روشنی میں مذکورہ سوالات کا مثبت یا منفی یا مختلف جواب دینے کے ہم مجاز ہیں۔ لیکن اس بنیادی و اصولی محرکات و عوامل سے قطع نظر کسی کے حق میں فیصلہ دینا عقل و منطق کی رو سے اتنا ہی نادرست ہوگا جتنا کسی کے خلاف رائے قائم کرنا غلط ہوگا ۔

ہم ان عوامل و محرکات ، جس کی تفصیل باب دوم میں گزر چکی ہے کی روشنی میں یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) ہر لحاظ سے غالب اور فاتح تھے لیکن یزید صرف ایک لحاظ سے کامیاب اور کئی لحاظ سے مغلوب و ناکام ہوا ۔

یاد رہے حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے اس عظیم انقلاب کا مقصد آپ (ع) کے نزدیک حصولِ اقتدار نہیں تھا ۔ بلکہ آپ (ع) کے مقصد کا خلاصہ اسلام کے اصول و نظریات کے تحفظ اس کی تہذیب و تمدن کی نشاۃ ثانیہ ، جاہلیت کی تہذیب و تمدن کے خاتمہ اور اس کے پرچار کرنے والوں کو بے نقاب کرنے میں کیا جا سکتا ہے ۔ لہذا آپ (ع) اپنے منصوبے اور اپنے معیار و محرکات شہادت میں مکمل طور پر کامیاب ہوئے اور اس طرح آپ (ع) اپنے دشمن پر غالب آئے ۔ چنانچہ امام سجاد (علیہ السلام) سے جب ابراہیم بن طلحہ بن عبداللہ نے آپؑ کی مدینہ واپسی کے بعد طنزیہ انداز میں پوچھا کہ فتح کس کی ہوئی تو آپ (ع) نے جواب میں فرمایا :

" اذا دخل وقت الصلوٰۃ فاذن واقم تعرف الغالب " [۱]

" وقت نماز آنے پر جب اذان و اقامت کہو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ فتح کس کی ہوئی ہے ۔ "

---

[۱] المقرم ص ۵۶ از امالی الطوسی ص ۶۶

امام سجاد (ع)، کے اس فرمان میں خاندانِ بنی امیہ کی ان تمام خاندانی کوششوں کی طرف بھی اشارہ تھا جو اسلام کو نیست و نابود کرنے کے سلسلے میں کی جاتی تھیں۔ ان کا تفصیلی تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔

حضرت امام حسین (علیہ السلام) اپنے معیار کے مطابق ہی نہیں بلکہ یزید کی نگاہ میں بھی کامیاب رہے۔ چنانچہ اس کا شاہد آگے چل کر پیش کیا جائے گا۔

لیکن یزید حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی نگاہ میں ناکام ہی ناکام اور مغلوب ہوا۔ یعنی امام حسین (علیہ السلام) نے یزید کو اس کے ناپاک عزائم شیطانی اہداف اور اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں میں بری طرح شکست دی۔ یزید، اسلام و جاہلیت کی کشمکش اور جنگ میں فوجی و عسکری اعتبار سے وقتی طور پر فاتح ضرور تھا لیکن اس کی شکست و زوال کا فلسفہ اس کی عسکری فتح میں مضمر ہے۔

جی ہاں! نظام جاہلیت کے درندہ صفتوں نے حضرت امام حسین (علیہ السلام)، آپ (ع) کے باوفا ساتھیوں اہلِ خاندان کے بڑے اور بچے تک کو نہایت وحشیانہ اور بہیمانہ طریقے سے شہید کیا۔ ان کے گھر بار کو لوٹا گیا۔ مخدراتِ عصمت و رسالت اور طہارت کو قیدی بنا کر دیار بہ دیار، شہر بہ شہر اور درباروں میں پھرایا گیا۔ مختصر یہ کہ یزیدی فوج نے ان کے ساتھ کسی ایسے ظلم و ستم اور جرائم کے ارتکاب سے دریغ نہیں کیا جو ان کے ذہن و خیال اور تصور میں آ سکتا تھا۔ مگر یزید اس وقت اس سے غافل تھا کہ اس کی مغلوبیت اور ناکامی کا آغاز بھی یہیں سے ہوا اور جس غرض سے اس نے قتلِ امام حسین (علیہ السلام) جیسے قبیح و سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا اس میں وہ ناکام رہا۔ چنانچہ بابِ دوم میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ قتلِ امام حسین (علیہ السلام) بذاتِ خود [illegible] کی تکمیل یا حفاظت کی خاطر عمل میں آیا تھا جس میں اسلام

کا خاتمہ، جاہلیت کا فروغ اور بدر میں بہائے گئے آبا و اجداد کے خون کا انتقام لینا سرفہرست ہیں۔

اسلامی اصول و نظریات، اخلاقی اقدار اور انسانی معیار و مقیاس سے قطع نظر کیا یزید خود اپنے معیار و نقطۂ نگاہ سے مذکورہ اہداف کی تکمیل اور ان کی برقراری میں کامیاب ہوا؟ اس بڑے جرم کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟

یزید، حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کی خبر سن کر ابتداء میں خوش ہوا اور اسے اس نے اپنی کامیابی قرار دیا۔ لیکن اپنی ناکامی اور شکست کا احساس اسے اتنی جلدی ہو گیا کہ وہ ابھی جشنِ کامیابی سے فارغ نہیں ہوا تھا اور ظاہراً شکست خوردہ خاندان کے افراد ابھی قید خانوں سے رہا نہیں ہوئے تھے اس کی تاریخی دلیل میں اہلِ بیت کو جلد رہا کرنا، ان کی سماجت و دلجوئی کرنا اور اس عظیم جرم کی ذمہ داری ابن زیاد کے سر ڈال نا شامل ہیں اس کی مزید تفصیل سابقہ مباحث میں گزر چکی ہے۔

میرے خیال میں اسی احساسِ شکست کا نتیجہ تھا کہ جب یزید نے اہلِ مدینہ کی شورش کا قلع قمع کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ کو ایک سفاک فوج کے ہمراہ روانہ کیا تو اسے خاص ہدایت دی کہ علی ابن حسین (علیہما السلام) کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کیا جائے[1]

شہادت حضرت امام حسین (علیہ السلام) سے یزید کے اظہارِ ندامت اور امام سجاد (ع) کے ساتھ برا سلوک نہ کرنے کی ہدایت یقیناً اس لحاظ سے نہیں تھی کہ وہ درحقیقت مسلمانوں بالخصوص اہلِ بیت رسول (ص) کے قتل سے پشیمان تھا۔ اگر اسے اس کا کوئی احساس ہوتا تو وہ اہلِ مدینہ کا قتل عام اور پھر انہیں شامی فوج پر تین دن تک حلال ہونے کا حکم نہ دیتا۔ اس کا یہ رویہ اس کے احساسِ ناکامی کا قہری نتیجہ تھا۔ وہ قتل امام حسین (ع) سے

---

[1] طبری ج ۳ ص ۳۵۸۔

جو نتیجہ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ سامنے نہیں آیا بلکہ اس کے برعکس یزید کی تباہی کے لئے ایک سیلاب اٹھا۔ جو تاریخ کے ساتھ ساتھ زور وشور سے چلتا آیا اور چلتا رہے گا۔ اگر یزید اپنے آپ کو کامیاب سمجھتا تھا تو اس تاریخی و نظریاتی عظیم کامیابی کا تاج اسے اپنے سر پہ پہننا چاہیئے تھا۔ اور تاریخ میں اپنے آپ کو ناقابل شکست بہادر اور فاتح کی حیثیت سے پیش کرنا چاہیئے تھا۔ مگر یہ کیا ہوا کہ اپنی کامیابی کے کچھ عرصہ بعد یہ سارا اعزاز اور اشرف اپنے سے اتار کر ابن زیاد کے سر ڈال رہا ہے اور فتح و ظفر کے تاج کے بدلے اس پر لعن و نفرین کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔

جی ہاں! قتل امام حسین (علیہ السلام) کے بعد کچھ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ خون امام حسین (ع) رنگ لایا اور اس کی وہمی کامیابی کو قیامت تک کے لئے ناکامی میں بدل دیا اس کے شیطانی عزائم خاک میں ملا دیئے اور بنی امیہ کی نسل کو ہمیشہ کے لئے منقطع کر دیا۔ جیسا کہ یزید کا بیٹا معاویہ اپنی پہلی تقریر میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے:

"ونازع ابن بنت رسول اللہ (ص) فقصف عمرہ وانبتر عقبہ"[1]

"میرے باپ نے نواسۂ رسول (ص) سے جنگ کی لہذا اس کی عمر کوتاہ اور نسل منقطع ہوگئی۔"

البتہ یزید کی ایک خواہش تو پوری ہوگئی جو اس کی اپنے اسلاف کا انتقام لینے کی تھی چنانچہ اس مطلب کی طرف جناب زینب کبریٰ، دربار ابن زیاد جو ابوسفیان کا سیاسی بیٹا تھا، میں اشارہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

ہاں بے شک تو نے میرے عزیزوں کو قتل کیا ہے۔ میری شاخوں کو کاٹ ڈالا ہے اور میری جڑ کو اکھاڑ پھینکا ہے۔ اگر تیری مراد اس سے برآئی ہے تو خوش ہولے۔[2]

---

[1] صواعق محرقہ ص ۳۳۶، [2] طبری ج ۳/ ۳۳۷، المقرم ص ۴۲۳، ابن اثیر ج ۴ ص ۳۳

ابن زیاد کے علاوہ یزید نے بھی شادمانی و سرور کا کھلے الفاظ میں اظہار کیا تھا اور وہ اپنے اسلاف سے داد تحسین کا طالب تھا۔ یہ فتح و انتقام یزید کی نگاہ میں تو بالکل درست تھا لیکن قرآن و اسلام کے معتقدین کی نگاہ میں یہ اس کی بہت بڑی شکست تھی اس کے اس مؤقف نے اس کے جاہلی عزائم کو بے نقاب کر دیا اور اس سے اس کے کفر و شرک کے جذبات و عقائد کا واضح ثبوت ملا۔ لہٰذا یزید کو کسی وجہ سے بھی فاتح و غالب نہیں کہا جا سکتا۔

اس کے برعکس حضرت امام حسین (علیہ السلام) اپنے ہدف، شہادت اور مقصد انقلاب میں کامیاب ہوئے اور اپنے دشمن یعنی اپنے اہداف و مقاصد کے دشمن یزید بن معاویہ پر ہر طرح سے غالب اور فاتح ہوئے۔ بنا بر ایں حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی جانب ناکامی یا مغلوبیت کی نسبت دینا ان امور پر مبنی ہوگا:

(i) آپ (ع) کے اہداف و مقاصد سے ناآشنائی۔

(ii) کامیابی کا معیار صرف اور صرف عسکری فتح کو قرار دینا۔

(iii)۔ شہادت اور موت کسی بھی شکل اور حالت میں ہو اسے شکست و مغلوبیت کی علامت تصور کرنا۔

(iv)۔ یزیدیت کا دفاع کرنا۔

ہم گذشتہ ابواب میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے ذہن اور جنگی نقشہ میں حصولِ اقتدار (عسکری فتح) اور خاندانی انتقام کا نام و نشان تک نہیں تھا اور آپ (ع) سرے سے اس کے طالب نہیں تھے۔ جب آپ (ع) نے اپنے اس عظیم انقلاب کی بنیاد، وقتی اور زوال پذیر اثرات کی بجائے دائمی اور لازوال حقائق پر رکھی ہے تو یہ کہنا کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) حصولِ اقتدار میں کامیاب نہیں ہوئے مہمل اور نامفہوم کلام ہے۔

اس کے علاوہ فوجی و عسکری اعتبار سے آپ (ع) کو مغلوب و محکوم سمجھنا اس وقت درست

ہوگا جب آپ (ع) اس کے خواہاں ہوتے۔ چنانچہ خود آپ (ع) کے کلام اور خطبات سے ایسی کوئی گواہی نہیں ملتی کہ آپ (ع) اپنے انقلاب کے ذریعے کسی فوجی و عسکری فتح کے امیدوار تھے بلکہ آپ (ع) اسلام کے اصول و نظریات کے دفاع کا واحد ذریعہ صرف اور صرف شہادت کو سمجھتے تھے اور آپ (ع) کے نزدیک بعض اوقات شہادت کی افادیت تا ابد ولازوال ہوا کرتی ہے۔ لہذا آپ (ع) نے فوجی کامیابی پر شہادت کو ترجیح دی۔

شہادت کو اس عسکری کامیابی پر ترجیح دی جو قابل بقا نہیں تھی۔

یہاں سے ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آپ (ع) مقصد شہادت میں پوری طرح کامیاب رہے بلکہ آپ (ع) کی فتح تاریخی اور منفرد ہے جو معرکہ میں مفتوح و شکست خوردہ کو فاتحِ معرکہ پر حاصل ہوئی۔ اسی طرح یزید کی شکست حیرت انگیز اور تاریخی ہے کہ وہ بظاہر عسکری اعتبار سے فاتح و غالب ہوا لیکن مقصدِ قتلِ امام حسینؑ میں ناکامی و شکست سے دوچار ہوا۔

یزید کی یہ کون سی کامیابی ہے کہ بحیثیت حاکم و فاتح ہوتے ہوئے بھی اس کے اپنے دربار میں زینب کبریٰ (ع) جن کا تعلق بظاہر مغلوب فریق سے تھا، کی زبانی اس کو چیلنج کیا جاتا ہے۔ مگر اپنی کامیابی کا ثبوت دینا تو درکنار وہ اس چیلنج کا جواب بھی پیش نہیں کر سکا۔ حضرت زینب (ع) کے مکمل خطبہ کا ترجمہ خواتین کے کردار کے باب میں پیش کیا گیا ہے لیکن بطور شاہد اس کے چند جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

"تو بے شک کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کر، اپنی تمام تر کوشش صرف کر دے اور مکمل جد و جہد کر لے لیکن پھر بھی تو ہمارے ذکر اور نام کو مٹا نہیں سکتا اور نہ ہمارے مشن اور اصلی مقصد کو کسی طرح ٹھیس پہنچا سکتا ہے"[1]

---

[1] المقرم ص ۳۶۲۔

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے لئے اپنی شہادت اچانک اور ناگہانی طور پر پیش نہیں آئی تھی بلکہ اس کے وقوع سے قبل آپ (ع) کو اس کا علم تھا اور اس کے باوجود آپ (ع) اپنے انقلاب کو کامیاب قرار دیتے تھے۔ چنانچہ بنی ہاشم کے نام ایک مراسلے میں آپ (ع) نے فرمایا:

"فانه من لحق بی فاستشهد ومن تخلف لم یبلغ الفتح۔"[1]

"بے شک جو مجھ سے آملے گا وہ شہید ہو جائے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ فتح حاصل نہیں کر سکے گا۔"

اگر انقلاب کربلا ناکام انقلاب ہو تو کامیاب انقلاب کی کیا خصوصیات ہیں جو اس انقلاب میں نہیں ہیں؟ اور کامیاب و کامران قائد کی کیا علامات ہیں جو حضرت امام حسین (علیہ السلام) میں نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ انقلاب اپنے ان تمام اثرات، برکات، فیوضات اور خصوصیات جس کی ایک جھلک اس کتاب میں پیش کی گئی ہے، کے باوجود ناکام و شکست خوردہ ہو تو تاریخ انسانیت میں ایسا کوئی انقلاب نہیں ملتا جسے کامیاب قرار دیا جا سکے۔

---

[1] المقرم ص ۵٦۔ کامل الزیارات ص ۷۵۔

باب ھفتم

قاتلانِ حضرت امام حسین علیہ السلام کون؟

شیعہ و سنی میں بنیادی فرق ○ لفظ شیعہ و سنی کا اطلاق ○ تراویح ○ اعرابی کا شکوہ ○ واقعہ تحکیم ○ بیس سال کا تاریک دور ○ واقعہ کربلا میں ملوث لوگوں کی اقسام ○ قاتلان امام حسینؑ نہ شیعہ تھے نہ سنی ○

انقلابِ امام حسین (علیہ السلام) کی اہمیت کم کرنے، اس کی اسلامیت کو ٹھیس پہنچانے اور حقیقی قاتلانِ امام حسین (علیہ السلام) کا دفاع کرنے کے لئے یہ شبہ پیدا کیا جاتا ہے:

آپ (ع) کا قاتل درحقیقت یزید نہیں تھا بلکہ آپ (ع) کے شیعہ و پیروکار تھے جنہوں نے پہلے آپ کو دعوت نامے بھیجے پھر آپ (ع) کے خلاف اکٹھے ہو کر سرزمین کربلا پر آپ (ع) کو اس بہیمانہ طریقے سے شہید کر دیا کہ جس کی تاریخ انسانی میں کوئی مثال نہیں ملتی کیونکہ روایتی اعتبار سے اہلِ کوفہ، شیعان علی (ع) تھے اور جنگِ جمل، صفین اور نہروان میں حضرت علی (ع) کی فوج کی اکثریت اہل کوفہ پر مشتمل تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کوفہ، لشکرِ حضرت علی (علیہ السلام) میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے جو ظاہراً سب شیعہ تھے۔

اور تاریخی اعتبار سے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کربلا میں عمر بن سعد کی فوج صرف اہل کوفہ پر مشتمل تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاتلانِ امام حسین (ع) خود آپ (ع) کے شیعہ تھے جو کوفہ سے آئے تھے۔

اس کے علاوہ شیعوں کی گریہ و زاری جو وہ ہر سال محرم الحرام کے موقع پر امام عالی مقام (ع) اور شہدائے کربلا سے اظہار عقیدت کے طور پر انجام دیتے ہیں یہ اپنے اجداد کے کئے ہوئے جرائم کی تلافی کی غرض سے انجام دیتے ہیں تاکہ گریہ و زاری، ماتم اور مجالس ان کے لئے سبب مغفرت بنے۔

جواب :- اس اعتراض کا تجزیہ و تحلیل دو طریقوں سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اہلِ کوفہ شیعہ تھے یا نہیں؟

(۲) اہلِ بیت (ع) اور شہدائے کربلا سے ہر سال جو اظہارِ عقیدت کیا جاتا ہے۔ اس کی غرض و غایت کیا ہے؟ بزعم معترض، اس سے اپنے اسلاف کے گناہ کی مغفرت منظور ہے یا اس کا فلسفہ اعلیٰ مقاصد اور بلند غرض کی حفاظت میں مضمر ہے جو اظہارِ عقیدت کی شکل میں ہر سال امام حسین (علیہ السلام) کے عاشقین انجام دیتے ہیں؟

دوسرے سوال کا جواب ہم باب چہارم میں مختصراً دے چکے ہیں فی الحال ہم پہلے سوال کا بنظرِ غائر جائزہ لیتے ہیں کہ آیا قاتلان امام حسین (ع)، آپ (ع)، یا آپ (ع) کے والد بزرگوار (ع) کے حقیقی شیعہ تھے؟

اس کا جواب اگر مثبت ہو تو اس وقت اہلِ سنت کہاں تھے؟ اور ان کا واقعہ کربلا کے بارے میں کیا موقف تھا؟ فرض کیا اہلِ کوفہ اگر شیعہ تھے تو اہلِ شام سارے کے سارے اہلِ سنت نہ تھے؟ اگر ایسا تھا تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یزید ان کے نزدیک خلیفہ تھا اور انہیں آج بھی اس کی خلافت کو آئینی خلافت، ماننا چاہیئے۔ شاید معترض کا اعتراض اسی نظریے پر مبنی ہوگا اور وہ یزید کی خلافت کو دل و جان سے تسلیم کرتا ہوگا۔

لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں شریک لشکرِ یزید میں کوئی شیعہ موجود نہیں تھا بلکہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے خوارج، عثمانی المذہب اور اہلِ سنت تھے۔ بلکہ باقی دو فرقے بھی نظریاتی سطح پر اہلِ سنت سے متفق تھے۔

لہٰذا سوال کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ قاتلان امام حسین (علیہ السلام) شیعہ تھے یا سنی۔ یعنی یزیدی لشکر جو اہلِ کوفہ پر مشتمل تھا، نظریات، عقائد اور آئیڈیالوجی کے اعتبار سے مسلمانوں کے موجودہ دو

گروہوں (شیعہ و سنی) میں سے کس کا ہم خیال و ہم عقیدہ تھا؟

اس کا جواب ہم واقعہ کربلا سے پہلے کی تاریخ، عقائد اور آئیڈیالوجی کے پس منظر کا جائزہ لینے کے بعد دیتے ہیں کہ اہل کوفہ کا مذہبی رجحان کیا تھا۔ مگر اس سے پہلے شیعہ و سنی میں بنیادی فرق معلوم کرنا ضروری ہے۔

شیعہ و سنی میں بنیادی فرق

شیعہ و سنی کے درمیان تمام اختلافات کا سرچشمہ مسئلہ خلافت و امامت ہے اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کسی فرد یا گروہ کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا۔ لہذا خلیفہ کا انتخاب خود مسلمانوں کے ذریعے عمل میں آیا تھا۔

مگر شیعوں کے نزدیک اس کے برعکس رسول اکرم (ص) نے حضرت علی (علیہ السلام) کا بالخصوص اور اہل بیت رسالت (ص) کا بالعموم منصب جانشینی پر اپنی حیات میں بحکم خدا تعین فرمایا۔

لہذا ہر وہ شخص جو نظریہ تعین کی بنا پر حضرت علی (علیہ السلام) کو خلیفہ بلافصل مانے شیعہ کہلائے گا۔ اور جو نظریہ انتخاب کی بنا پر خلفائے راشدین کے سلسلے کو قبول کرے اسے اہل سنت کہا جائے گا۔

"ان لفظ الشیعہ یطلق علی من قال بخلافۃ امیر المؤمنین (ع) بعد النبی (ص) بلافصل۔" [۱]

"لفظ شیعہ کا اطلاق حضرت امیر المؤمنین (ع) کو خلیفہ بلافصل تسلیم کرنے والے پر ہوتا ہے"۔

یاد رہے یہ شیعہ کا اصطلاحی مفہوم ہے لیکن لغت میں اس کا دائرہ وسیع ہے۔

---

[۱] حق الیقین للشبر ج ا ص ۲۲۷۔ الشیعہ الامامیہ ص ۱۴

لفظ شیعہ و سنی کا اطلاق

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا انتقال ہوتے ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں چند اصحابہ کا اجلاس منعقد ہوا جس کے نتیجہ میں حضرت ابوبکر خلیفہ اور مسلمانوں کے حکمران منتخب ہوئے اس انتخاب پر دوسرے اصحابہ جن کی قیادت حضرت امیر المومنین (ع) کر رہے تھے معترض ہوئے رفتہ رفتہ حزب حاکم کا پلہ بھاری ہوتا چلا گیا اور اکثر مسلمانوں نے اس کا ساتھ دیا۔ اس وقت اس اکثریتی گروہ کا نام اگرچہ اہل سنت سے موسوم نہیں تھا لیکن ایک عرصہ گزرنے کے بعد اصطلاحاً انہیں اہل سنت کہا جانے لگا اور ابھی تک یہی اصطلاح شیعہ کے بالمقابل استعمال ہوتی ہے۔

دوسری جانب اصحاب رسول (ص) کا دوسرا گروہ جو سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس اور اس کے نتیجہ پر اعتراض کرتا تھا اس نے ایک عرصہ تک حضرت ابوبکر کی بیعت کو مسترد کیا اور خلافت اس کے اصلی حق دار، حضرت علی (علیہ السلام) کو دلانے کی کوشش کرتا رہا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان کبھی عملی تصادم و کشمکش اور کبھی لفظی جنگ و جدال کا سلسلہ جاری وساری رہتا تھا۔

خلافت اور مسلمانوں کی حکمرانی عملاً اکثریت کے پاس رہی حزب حاکم اکثریتی گروہ کی حیثیت سے اور حامیان اہل بیت (ع)، اقلیتی گروہ (حزب مخالف) کی حیثیت سے چلتے آئے۔ لیکن ان کے درمیان نظریاتی سطح پر باہمی اختلاف بھی تھا اور اتفاق بھی بلکہ اتفاق کا دائرہ اختلاف کے دائرے سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔

لیکن رفتہ رفتہ بحث و مناظرے، حکام وقت کی شدت، انتہا پسندانہ رویئے ہر مناسب موقع پر اکثریت کے اقلیت کو کچلنے یا کم سے کم اسے دبانے کی مسلسل کوششیں، فرقہ وارانہ

فسادات اور اندھے تعصب جیسے عوامل و اسباب نے مسلمانوں کے دونوں گروہوں کے درمیان ایک ایسی خلیج پیدا کر دی جس پر قابو پانا ناممکن نہیں تو انتہائی کٹھن کام ضرور ہے۔

بہر حال رسول اکرم (ص) کی رحلت کے بعد ایک عرصہ تک اس اقلیتی گروہ پر لفظ شیعہ کا بحیثیت اصطلاح اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ یعنی صدر اسلام میں ایک مدت تک لفظ شیعہ اقلیتی گروہ اور لفظ سنی اکثریتی گروہ کا نام نہیں ہوا تھا۔

یہ الگ بات ہے کہ لفظ شیعہ رسول اللہ (ص) کی زبان مبارک سے محبان امیر المؤمنین ؑ کے لئے استعمال ہوا تھا۔ چنانچہ آپ (ص) نے فرمایا:

"یا علی انت و شیعتک ھم الفائزون"[1]

"اے علی (ع) آپؑ اور آپؑ کے شیعہ ہی فائز ہیں۔"

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ لفظ ایک اصطلاح بن گیا۔ جس کا اطلاق اہلِ سنت کے عقیدے کے برعکس صرف حضرت علی (علیہ السلام) کو خلیفہ بلا فصل ماننے والے پر ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے۔

ابن اثیر لکھتے ہیں:

"وغلب ھذا الاسم علی کل من یزعم انہ یوالی علیا واھل بیتہ حتی صار لھم اسما خاصا۔"[2]

اس اسم (شیعہ) کا کثرت سے اطلاق صرف اس شخص پر ہوتا تھا جو علی (ع) اور اہلِ بیت علی (ع) کا موالی ہونے کا دعویدار ہو حتیٰ کہ اب یہ نام ان کے لئے مخصوص ہو گیا ہے۔"

---

[1] صواعق محرقہ ص ۲۳۶، ۲۴۷۔ الغدیر ج ۲ ص ۵۷-۵۸۔ نور الابصار ص ۱۰۲۔

[2] نہایت ج ۲ ص ۲۴۶۔ منقول از مجمع البحرین ج ۴ ص ۳۵۶، القاموس ج ۳ ص ۴۷۔

یہ لفظ باقاعدہ اصطلاح بننے سے پہلے اپنے لغوی معنیٰ کے مطابق ہر اس شخص یا گروہ کے لئے استعمال ہوتا تھا جو کسی کے پیرو، مطیع، ناصر و مددگار اور ایک چیز پر متفق و مجتمع ہوتا۔[1] چنانچہ حضرت عثمان کے حامیوں پر اس کا اطلاق کیا گیا:

"...وقام الی عثمان خیرتہ وشیعتہ من بنی امیہ فحملوہ وادخلوہ الدار"[2]

"حضرت عثمان کو ان کے خواص اور شیعوں نے جو بنی امیہ کے خاندان سے تھے، اٹھا کر گھر کے اندر پہنچا دیا۔"

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت عثمان پر مسلمانوں کی نکتہ چینی اور تنقید زور و شور سے ہو رہی تھی۔ ایک انقلابی گروہ سے ان کی تلخ کلامی ہوئی اور ہر ایک دوسرے کے خلاف کھلم کھلا زبانی حملے کر رہا تھا۔ اس وقت حضرت عثمان مسجد نبوی کے منبر پر تھے اور فریقین کے درمیان تنازعہ ختم کرنے کے لیے یہ اقدام عمل میں لایا گیا۔

تاریخ میں کوئی ایسا شاہد نہیں ملتا کہ یہ لفظ قتل حضرت عثمان سے قبل بطور اصطلاح استعمال ہوتا ہو۔ قتل حضرت عثمان کے بعد مسلمانوں کے اکثریتی اور اقلیتی دونوں گروہوں نے حضرت علی (ع) کی بیعت کی۔ البتہ اہل شام نے معاویہ کی قیادت میں آپ (ع) کی بیعت سے انکار کر دیا۔ بعض مفاد پرست، حکومت کے دلدادہ حضرت علی (علیہ السلام) اور خاندان رسالت سے دیرینہ دشمنی و مخالفت رکھنے والے افراد نے باہمی اتحاد سے قتل حضرت عثمان کو ذریعہ شورش و انتقام بنا کر مرکزی حکومت کی بیعت کرنے کے بعد توڑ دی اس باغی گروہ کی سرکوبی جنگ جمل

---

[1] مجمع البحرین ج ۴ ص ۳۵۶ - یہی معنیٰ "لسان العرب" میں بھی آیا ہے ج ۱۰ ص ۵۵ بحوالہ الشیعہ الامامیہ ص ۶۹ - الامام الصادق ع ج ۳ ص ۳۲ -

[2] دلائل للصدق ج ۳ ص ۳۱۸ -

کے اختتام پر عمل میں آئی تھی۔

دوسری جانب معاویہ قمیص و خونِ حضرت عثمان سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے مرکزی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس بغاوت کے نتیجے میں جنگِ صفین، واقعہ تحکیم پھر حضرت امیر المومنین (ع) کی فوج میں اختلاف واقع ہونے کی وجہ سے جنگِ نہروان پیش آئی۔ اس کے بعد معاویہ کی جانب سے مرکزی حکومت کو متزلزل کرنے کی غرض سے حضرت علی (علیہ السلام) کی حکومت کے تمام رو میں بسنے والے شہریوں پر مسلسل حملے جاری رہے اور بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ اس کا تذکرہ باب دوم میں بھی گزر چکا ہے۔

تیسری طرف مرکزی حکومت کے مخالفین بڑے شد و مد سے یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے کہ حضرت عثمان مظلومانہ طور پر قتل ہوئے ہیں اور وہ اس کا ذمہ دار حضرت امیر المومنین (ع) کو ٹھہراتے تھے۔

ان اختلافات کے طوفان، محاذ آرائی اور بغاوت و شورش کے ماحول میں یہ الفاظ استعمال ہونے لگے:۔

i۔ عثمانی العقیدہ (شیعۂ عثمان)

ii۔ شیعۂ معاویہ یا شیعہ بنی امیہ

iii۔ شیعہ حضرت علی (علیہ السلام)

iv۔ علوی

عثمانی کا اطلاق ان افراد پر ہوتا تھا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت عثمان مظلومانہ قتل ہوئے ہیں اور ان کے خون کا انتقام لینا ضروری ہے۔ تمام اہلِ بصرہ عثمانی العقیدہ تھے[1]

---

(۱) ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۹۴۔

کوفہ کے ایک قبیلہ کے اکثر لوگ عثمانی تھے[۱] ان لوگوں پر شیعہ عثمان کا بھی اطلاق ہوا ہے چنانچہ خود معاویہ نے "شیعہ عثمان" اور "شیعہ علی" کے الفاظ استعمال کئے جب اس نے تمام گورنروں کو ایک شاہی فرمان کے ذریعے حکم دیا:

"شیعیانِ علی (ع) کی گواہی مسترد کرو... اور شیعیانِ و محبانِ حضرت عثمان کو مقرب بناؤ۔"[۲]

چنانچہ عثمانی العقیدہ افراد میں سے ایک زہیر بن قین تھے جو بالآخرہ تبدیلی عقیدہ کے بعد حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی ہمراہی میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

شیعۂ معاویہ ان افراد کو کہتے تھے جو معاویہ یا بنی امیہ کے حامی و مددگار ہوتے تھے۔ چنانچہ معاویہ نے اپنی حامی و ہواداروں کو اپنے شیعہ سے تعبیر کرتے ہوئے بسر بن ابی ارطاۃ کو جب اسے شیعیان علی (ع) کی قتل و غارت پر مامور کیا گیا تھا، یہ خاص ہدایت دی:

"ثم امض حتیٰ تاتی صنعاء، فان لنا بہا شیعۃ وقد جائنی کتابہم"[۳]

"شہر بہ شہر قتل و غارت جاری رکھو حتیٰ کہ یمن (صنعاء) تک پہنچ جاؤ اس میں ہمارے شیعہ ہیں جن کے مراسلے پہنچ چکے ہیں۔"

" مولانا مودودی صاحب کا خیال بھی یہی ہے:

حامیانِ علی (ع) کا گروہ ابتداء میں شیعیانِ علی (ع) کہلاتا تھا۔ بعد میں اصطلاحاً انہیں صرف شیعہ کہا جانے لگا۔"[۴]

---

[۱] طبری ج ۳ ص ۱۰۸۔ اس عقیدہ کی چند شخصیات کے نام طبری میں موجود ہیں۔ ج ۴ ص ۹۲، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۲
[۲] ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۴۴۔ [۳] یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۷۔
[۴] خلافت و ملوکیت ص ۲۱۰۔

واضح رہے جناب مودودی کے نزدیک مختلف اسلامی مذاہب کی پیدائش قتل حضرت عثمان کے بعد ہوئی۔ لہٰذا حامیان حضرت علی (ع) سے ان کی مراد وہ گروہ ہے جس نے ایام جنگ میں آپ (ع) کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"حضرت علی (ع) کی لڑائیوں میں جس طرح کچھ لوگ ان کے پرجوش حامی اور کچھ ان کے سخت مخالف تھے"[1]

بہرحال شیعۂ علی (ع) کے دو مفہوم ہیں:

i۔ حضرت علی (ع) کو پہلا خلیفہ تسلیم کرنے والا۔ اس کی تعداد اس وقت کم تھی۔ ہم اس گروہ کا نام حقیقی شیعہ رکھتے ہیں۔

ii۔ خلیفہ سوم کے قتل کے بعد پیدا شدہ سیاسی بحران، کرسی کی رسہ کشی اور جنگ و جدال میں حضرت علی (ع) کی حمایت کرنے والے طلحہ و زبیر اور بنی امیہ کے مخالف اور ان کے خلاف لڑنے والے اس سے قطع نظر کہ وہ ثلاثہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ چنانچہ ہم آئندہ صفحات میں وضاحت کریں گے کہ اہل کوفہ کی اکثریت سابقہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو بھی تسلیم کرتی تھی (یعنی وہ سنی تھے) بلکہ ابن ابی الحدید کی نقل کے مطابق کوفہ کے اکثر لوگ حضرت علی (ع) سے دشمنی رکھتے تھے[2] اس گروہ کو ہم سیاسی شیعہ سے موسوم کرتے ہیں

اس امر کی تائید ابن حجر کے قول سے بھی ہوتی ہے ان کے خیال کے مطابق متقدمین کی اصطلاح میں لفظ "شیعہ" کا اطلاق ان افراد پر ہوتا تھا جو خلافت شیخین اور

---

[1] خلافت و ملوکیت ص ۲۱۶۔

[2] ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۱۰۳۔

حضرت عثمان کے معتقد ہوں اور حضرت علی (ع) کو آپ (ع) کی جنگوں میں حق بجانب سمجھیں[1]۔

ابن ندیم بھی اسی معنیٰ کی تشریح کرتے ہیں:

"طلحہ و زبیر نے جب حضرت علی (ع) کی مخالفت کی اور وہ جب آپ (ع) سے لڑنے کیلئے گئے تو آپ (ع) کا ساتھ دینے والوں کو شیعہ کہا جاتا تھا۔"[2]

یہ گروہ جب تک حضرت علی اور اہل بیت (علیہم السلام) کا مطیع و حامی رہے۔ شیعہ کہلائے گا اور جب یہ ان (ع) کی اطاعت و حمایت سے سرکشی کرے یا دوسرے فرد یا گروہ کی اطاعت اختیار کرے تو وہ اس کا شیعہ بن جائے گا نہ کہ حضرت علی (ع) کا شیعہ رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل کوفہ جب یزیدی لشکر بن کر کربلا میں حضرت امام حسین (علیہ السلام) سے جنگ کرنے آیا تو آپ (ع) نے روز عاشور ان کو شیعیان آل ابی سفیان کہہ کر پکارا: "یا شیعة آل ابی سفیان ان لم یکن لکم۔"

اہل کوفہ کی اکثریت حضرت علی (علیہ السلام) کے سیاسی شیعہ پر مشتمل تھی نہ کہ حقیقی شیعوں پر۔ یعنی وہ موجودہ اصطلاح کے مطابق دراصل اہل سنت تھے۔ اس مدعیٰ کی دلیل یہ ہے:

۱۔ تاریخی تسلسل کے لحاظ سے حضرت علی (علیہ السلام) کی بیعت کرنے والے جن میں اہل کوفہ بھی شامل ہیں، وہی لوگ تھے جو خلفائے ثلاثہ کی بیعت کر چکے تھے یا ان کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے۔ ہم ابتداء میں کہہ چکے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ (اکثریتی اور اقلیتی) تھے۔ جو تینوں خلفاء کے عہد میں پائے جاتے تھے ان دونوں گروہوں نے خلافتِ حضرت عثمان

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۹۳ منقول از الامام الصادق[2] والمذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۴۷۔

[2] الامام الصادق ج ۳ ص ۳۲۔

کے بعد امیر المؤمنین (ع) کی بیعت کی اور آپ (ع) کی بیعت بعنوان خلیفہ بلافصل نہیں ہوئی بلکہ اکثریتی گروہ کے نزدیک آپ (ع) چوتھے خلیفہ اور اقلیتی گروہ کے نزدیک وصی رسول (ص) اور آپ (ص) کے حقیقی جانشین کے طور پر یہ بیعت عمل میں آئی تھی اور اس سلسلے میں ہر ایک کا الگ الگ عقیدہ و نظریہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت کے بعد بھی وہ عموماً اپنے اپنے عقیدے پر قائم تھے۔ اگرچہ کچھ ایسے بھی تھے جو واقعہ رُحبہ سے اپنا عقیدہ تبدیل کر چکے تھے۔ لیکن ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ اہل کوفہ، سارے کے سارے خلافت راشدہ کو مسترد کر کے حضرت امیر المومنین (ع) کے حقیقی شیعہ بن گئے تھے۔

۲۔ تراویح

مذہب اہل بیت رسول (ص) کے مطابق سوائے نماز استسقاء کے کوئی اور نافلہ نماز، باجماعت ادا نہیں کی جا سکتی کیونکہ جماعت صرف اور صرف واجب نمازوں میں جائز ہے۔ لہٰذا ماہ مبارک رمضان میں نماز تراویح آئمہ اہل بیت (ع) کے نظریہ کے مطابق درست نہیں ہے اور رسول اکرم (ص) سے منقول روایات میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے۔

تاریخی لحاظ سے نماز نافلہ رمضان کو بشکل جماعت (تراویح) پڑھنا حضرت عمر کے عہد سے شروع کیا گیا تھا[۱] حضرت علی (علیہ السلام) نے اپنے عہد خلافت میں اہل کوفہ کو نماز تراویح پڑھنے سے منع کیا لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا! اصل واقعہ یہ ہے:

"اہل کوفہ نے حضرت علی (علیہ السلام) سے نافلہ ماہ رمضان (تراویح) پڑھانے کے لئے کسی فرد کو امام مقرر کرنے کے لئے کہا۔ آپ (ع) نے انہیں ڈانٹ دیا اور بتا دیا کہ

۱؎ النص والاجتہاد ص ۲۱۲ - ۲۱۴، دلائل الصدق ج ۳ ص ۲۱۲۔

یہ طریقہ سنتِ رسول (ص) کے خلاف ہے۔ وہ لوگ حضرت علی (علیہ السلام) کے پاس سے چلے گئے اور آپس میں صلاح مشورہ کر کے اپنے میں سے کسی کو امام بنا دیا حضرت علی (ع) نے (یہ خبر ملتے ہی) حضرت امام حسن (علیہ السلام) کو بھیجا کہ آپ (ع) انہیں منع فرمائیں۔ حضرت امام حسن (علیہ السلام) ہاتھ میں تازیانہ لئے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے جب لوگوں کی نظر آپ (ع) پر پڑی تو سب لوگ "واعمراہ" کہتے ہوئے مسجد کے دروازے کی طرف نکل گئے۔" [2]

یہ واقعہ باقی کتب میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے لیکن ہم اسے یہاں بقدر ضرورت پیش کرتے ہیں:

امام صادق (ع) نے فرمایا:

"حضرت علی (علیہ السلام) جب کوفہ تشریف لائے تو حضرت امام حسن (علیہ السلام) کو یہ اعلان کرنے پر مامور کیا کہ ماہ رمضان میں مسجد میں کوئی جماعت (نماز نافلہ کی) منعقد نہیں ہوگی۔ لوگوں نے جب امام حسن (علیہ السلام) کی آواز سنی تو فریاد کرنے لگے:

واسنۃ عمراہ، واعمراہ، واعمراہ" [1]

ایک مرتبہ حضرت علی (علیہ السلام) نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"... میرے پیشرو حکمرانوں نے کچھ ایسے اعمال چھوڑے ہیں جو سنتِ رسول (ص) کے مخالف ہیں۔ اگر میں لوگوں کو انہیں ترک کرنے پر مجبور کردوں تو وہ سب مجھ سے متفرق ہو جائیں گے اور میرے اور میرے (حقیقی) شیعوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ پھر فرمایا:

---

[1] جواہر الکلام ج ۱۳ ص ۱۴۱، وسائل ج ۵ ص ۱۹۲۔

[2] دلائل الصدق ج ۳ ص ۲۱۲۔

اللہ کی قسم! میں نے لوگوں کو ماہ رمضان میں واجب نماز کے علاوہ کوئی اور نماز با جماعت ادا کرنے سے منع کیا تھا اور ان کو سمجھایا تھا کہ نافلہ نماز میں جماعت بدعت ہے۔ مگر میرے لشکر کے کچھ افراد، جو میرے ہمراہ دشمن سے لڑتے بھی ہیں، فریاد کرنے لگے: اے اسلام والو! عمر کی سنت تبدیل ہو رہی ہے اور ہمیں ماہ رمضان میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ مجھے یہ خوف لاحق ہو گیا کہ میرے لشکر میں کوئی انقلاب تو نہیں آ رہا؟ ۔" [۱]

اس واقعہ میں چند نکات قابلِ ذکر ہیں۔

i۔ حضرت علی (علیہ السلام) نے نماز تراویح پڑھنے سے منع کیا۔

ii۔ اکثر لوگوں نے سنتِ حضرت عمر سے دفاع کرتے ہوئے اس کی مخالفت کی۔

iii۔ آپ (ع) کے ساتھ حقیقی شیعہ بھی موجود تھے۔ لیکن ان کی تعداد کم تھی۔

اگر کوفے کی پوری آبادی حقیقی شیعوں پر مشتمل ہوتی تو وہ آپ (ع) کی اطاعت واجب قرار دیتے کیونکہ سنتِ خلیفہ ثانی کی کوئی شرعی حیثیت نہ تھی! البتہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خلفائے راشدین خصوصاً پہلے تینوں خلفاء کی سنت و کردار کو آئینی حیثیت حاصل ہے۔

مگر (حقیقی) شیعوں کے نزدیک قرآن کریم، سنتِ رسول (ص) کے بعد صرف اور صرف قول فعل اور تقریر معصوم کو آئینی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن احترام کچھ اور ہے اور ان کے اعمال، افعال اور کردار کو آئینی حیثیت دینا کچھ اور۔

۳۔ اعرابی کا شکوہ

ایک اعرابی نے مسجد کوفہ میں حضرت علی (علیہ السلام) کے پاس آ کر کہا: میں مظلوم ہوں آپ نے اسے نزدیک بلا کر پوچھا: تیرے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے۔ اعرابی نے اپنے ساتھ ہونے والے

---

[۱] وسائل الشیعہ ج ۵ ص ۱۹۳، الجواہر ج ۱۳ ص ۱۴۱، فروغ کافی ج ۸ ص ۶۲۔

ظلم کا ماجرا سنایا۔ آپ ؑ نے فرمایا: اے اعرابی! میں تجھ سے زیادہ مظلوم ہوں میرے ساتھ ہونے والے ظلم کا قصہ عرب کے گھر گھر تک پھیلا ہوا ہے:

"ظلمنی المدر والوبر... مازلت مظلوما حتی قعدت مقعدی هذا۔"

" سنگ و کلوخ تک نے مجھ پر ظلم کیا۔ حتیٰ کہ مسند (خلافت) پر بیٹھنے تک مجھ پر مسلسل ظلم ہوتا رہا۔"

پھر آپ (ع) نے اعرابی (بادیہ نشین) کو ایک تحریر دی اور وہ چلا گیا۔ اس پر لوگوں میں ہیجان پیدا ہوا، اور وہ کہنے لگے: علی (ع)، نے دو آدمیوں (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) پر طعن و تنقید کی ہے۔[۱]

۴۔ واقعہ تحکیم

معاویہ نے مرکزی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کی اس کے نتیجے میں جنگ صفین برپا ہوئی۔ جب معاویہ نے اپنی شکست کا خطرہ محسوس کیا تو اپنے وزیر عمرو بن عاص کے مشورے کے مطابق تقریباً پانچ سو قرآن نیزوں پر بلند کروا دیئے۔ تاکہ حضرت علی (ع)، کے لشکر میں تفرقہ ڈالا جا سکے۔[۲]

جنگ بندی اور کتاب خدا پر عمل کرنے کا پر فریب نعرہ لگایا گیا۔ حضرت علی (ع)، جنگ بندی کے سخت مخالف تھے اور آپ (ع)، نے اپنی مسلح افواج کو جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا اور نیزوں

---

[۱] بحار ج ۲۹ ص ۱۸۷۔۱۸۸۔ اس واقعہ کے پہلے حصے کا ذکر ابن ابی الحدید نے بھی کیا ہے: ج ۴ ص ۱۰۶

[۲] مروج الذهب ج ۲ ص ۴۰۰۔

پر قرآن بلند کرنے کو معاویہ کی سیاسی چال سے تعبیر کیا۔[1]

لیکن آپ (ع) کے فرمان کی نہ صرف تعمیل نہیں کی گئی بلکہ اکثریت نے آپ (ع) کی مخالفت کرتے ہوئے جنگ بندی پر زور دیا اور جنگ بندی نہ کرنے کی صورت میں آپ (ع) کو قتل کرنے کی دھمکی تک دی گئی۔[2]

اب حضرت علی (علیہ السلام) کی فوج کی حالت یہ تھی کہ چند افراد کے علاوہ آپ (ع) کے ساتھ کوئی نہ رہا۔ چنانچہ خود آپ (ع) اس کی طرف واضح الفاظ میں اشارہ فرماتے ہیں۔ آپ (ع) نے خوارج کے جواب میں فرمایا:

"لقد کنتم عدداً جماً یوم ذاک وکنت انا واہل بیتی فی عدۃ یسیرۃ۔"[3]

"تم لوگ اس (تحکیم کے) وقت بہت زیادہ تھے اور میرے اور میرے اہل بیت کے ساتھ بہت تھوڑے (حقیقی شیعہ) افراد تھے۔"

حضرت علی علیہ السلام کے نہ چاہتے ہوئے جنگ بندی عمل میں آئی۔ اسی طرح ابو موسیٰ اشعری کے حکم مقرر کئے جانے پر بھی آپ (ع) راضی نہ تھے بلکہ آپؑ چاہتے تھے کہ عبداللہ ابن عباس یا مالک اشتر کو حاکم مقرر کیا جائے۔ مگر اندرونی مخالفت کی وجہ سے ابو موسیٰ کو حاکم بنانا پڑا حالانکہ

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۲۷۳-۲۷۴۔

[2] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹، طبری ج ۳ ص ۱۰۲۔ الامامہ ج ۱ ص ۱۱۱۔ مروج الذہب ج ۲ ص ۴۰۱۔

[3] یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۳۔

آپ (ع)، قطعاً اس پر مطمئن نہ تھے۔[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے: حضرت علی (ع) کا سارا لشکر آپ (ع) کے حقیقی شیعہ پر مشتمل نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو دونوں واقعات میں آپ (ع) کی مخالفت کے کیا معنی؟

آپ (ع) کے لشکر میں حقیقی شیعوں کی تعداد کم تھی اور یہی تعداد آپ (ع) کی زندگی میں آپ (ع) کی مطیع و فرمانبردار اور آپ (ع) کی رحلت کے بعد ہر قسم کی اذیتیں اٹھاتے ہوئے اپنے عقیدہ اور حبِ علی (علیہ السلام) پر ثابت قدم رہی۔

بیس سال کا تاریک دور

حضرت علی (علیہ السلام) کی شہادت اور امام حسن (علیہ السلام) کی صلح سے لے کر معاویہ کی وفات تک کا عہد شیعیان علی (علیہ السلام) کے لئے بالعموم اور اہلِ کوفہ کے لئے بالخصوص طاقت فرسا اور جان لیوا ثابت ہوا۔ اس دور میں ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔

اس سلسلے میں تاریخ کے حوالے سے شاہی فرامین اور گورنروں کے کردار کی ایک جھلک ہم باب دوم[2] میں پیش کر چکے ہیں جس میں شیعیان و محبانِ علی (علیہ السلام) پر کئے جانے والے مظالم کا نمونہ پیش کیا گیا ہے تاہم اہل کوفہ سے مربوط معاویہ کے سلوک کا مختصر تذکرہ یہاں پیش کرتے ہیں:

اہلِ کوفہ بیس سال تک، قید و بند، پھانسی، اقتصادی پابندی، دہشت گردی، اموال کی غارتگری اور قتل جیسے مظالم کا نشانہ بنتے رہے کیونکہ حاکم وقت بخوبی واقف تھا کہ دیگر شہروں میں بسنے والے شیعوں کی بہ نسبت کوفہ میں بسنے والے شیعوں کی تعداد زیادہ ہے

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۸، مروج الذہب ج ۲ ص ۴۰۲۔ طبری ج ۳ ص ۱۰۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۷۷

[2] یہ باب مؤلف کی طویل بحث کا خلاصہ ہے۔

لہٰذا معاویہ اور اس کے حامیوں کی توجہ خاص طور پر کوفہ پر مرکوز تھی۔ سخت سے سخت ترین اور سفاک سے سفاک ترین گورنروں کا کوفہ میں تقرر کیا جاتا تھا۔ یہ بہیمانہ رویہ رکھنے والوں میں سے ایک، زیاد بن سمیہ تھا جسے معاویہ نے اپنا سیاسی بھائی بنا لیا تھا۔ اس دور کے وحشتناک ترین حالات کا تصور ان الفاظ میں ملاحظہ کریں:

"اہلِ کوفہ سب سے زیادہ ان مصائب و مظالم کا نشانہ بنے۔ کیونکہ کوفہ میں شیعیان علی (ع) کی تعداد زیادہ تھی۔ پھر زیاد بن سمیہ کو کوفہ کا حاکم بنا دیا گیا اور بصرہ بھی اس کے ماتحت کر دیا گیا۔ وہ شیعیان علی (ع) کو خوب جانتا تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی دورِ حکومتِ علی (ع) میں انہی میں سے تھا۔ اس نے ایک ایک شیعہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا ان کو ہراساں کیا۔ کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے، کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر اسے ہمیشہ کے لئے اندھا کر دیا بہت سوں کو درختوں پر سولی دی اور عراق سے جلا وطن کر دیا۔ حتیٰ کہ عراق (بصرہ و کوفہ) میں کوئی مشہور شیعہ باقی نہ رہا۔ شیعوں کے کشت و خون، قتل و غارتگری اور مکانوں کو تباہ کرنے کا سلسلہ جاری رہا اور عبداللہ ابن زیاد قاتلِ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے دور میں اس میں مزید اضافہ ہو گیا۔[1]"

جلاوطنی:۔ زیاد بن سمیہ کے عہد میں بصرہ سے پچیس ہزار اور کوفہ سے بھی پچیس ہزار شیعوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ تاکہ کوفہ شیعیان علی (ع) سے خالی رہے۔[2]

اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس قدر جبر و تشدد اور بیس سال تک مسلسل ان کو نیست و نابود کرنے کی کوششوں کے بعد بچے کھچے اور چھپے ہوئے شیعوں کی تعداد کتنی ہو گی؟

---

(۱) شرح ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۴۳-۴۴، بحار ج ۴۴ ص ۱۲۵، سلیم بن قیس ص ۲۰۳

(۲) طبری ج ۳ ص ۳۰۰۔

پھر یہ کہنا کہاں تک عقل و انصاف کی بات ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کو خود آپ (ع) کے شیعوں نے قتل کیا ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ اس وحشی اور بربریت کے دور میں شیعیانِ علی (ع) کا وجود باقی رہنا سیاسی اور معمولی معیار کے مطابق خارج از امکان ہے۔ مگر یہ حق کی طاقت ہے کہ حاکم نظام کے تشدد کا سلسلہ بڑھتا گیا تو دوسری طرف طالبین حق کے ایمان میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ لہذا کوفہ میں ان تمام مظالم کے باوجود ایسے عناصر بھی موجود تھے۔ جن کا شمار واقعی معنوں میں حقیقی شیعیان علی (ع) میں ہوتا تھا۔

ہم دفاع نہیں کرتے : مذکورہ بیان سے ہرگز یہ اخذ نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم اس دور کے شیعہ کو حق بجانب اور بے خطا سمجھتے ہیں۔ اس سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے بلکہ اس دور کے ہر اس مسلمان کو، خواہ وہ شیعہ ہو یا سنی، جس نے دعوت نامہ بھیجا ہو یا نہ ہو، شرعی نقطۂ نگاہ سے قصوروار سمجھتے ہیں جس نے بغیر کسی عذر کے حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے نمائندہ مسلم بن عقیل سے غداری کی اور پھر خود امام حسین (علیہ السلام) کی مدد کرنے سے دریغ کیا۔

امام حسین (علیہ السلام) کی مدد نہ کرنا ناقابلِ تلافی جرم ہے۔ البتہ ان افراد کا حکم الگ ہے جو عقلی یا شرعی اعتبار سے آپ (ع) کا ساتھ دینے سے معذور تھے لیکن وہ افراد جو کمزور ایمان، حاکم نظام کے خوف و ہراس اور دیگر مادی و قبائلی اعتبارات کی بنا پر راہِ خدا میں امام حسین (علیہ السلام) کی قیادت میں جان و مال کا نذرانہ پیش کرنے سے باز رہے اور فرزندِ رسول (ع) کی مدد و نصرت کے لئے کربلا جانے کی بجائے کوفہ یا کسی اور جگہ گوشہ نشین ہو گئے تو ان پر قتلِ امام حسین (ع) کے جرم کا الزام عائد نہیں ہوتا مگر دوسرے جرم کے ملزم ضرور ٹھہرائے جاتے ہیں یعنی آپ (ع) کی نصرت نہ کرنا۔ امامِ حق کی قیادت میں اسلام، قرآن اور نظام الٰہی کا دفاع نہ کرنا بذاتِ خود ایک

مستقل جرم ہے۔ لیکن اس پر قتل کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

واقعہ کربلا میں ملوث لوگوں کی اقسام

انقلاب اور قتلِ امام حسین (علیہ السلام) کے بارے میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں:

ا۔ پہلی قسم: یہ وہ افراد ہیں جو یزیدی فوج میں شامل تھے اور یزید اور ابنِ زیاد کے حکم پر عمر بن سعد کی قیادت میں کربلا آئے اور حضرت امام حسین (علیہ السلام) کو آپ (ع) کے ساتھیوں سمیت، انتہائی وحشیانہ اور بہیمانہ انداز میں شہید کیا۔ اس فوج کے عناصر ان گروہوں پر مشتمل تھے:

ا۔ خوارج:۔ یہ وہ لوگ ہیں جو واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی (علیہ السلام) کے لشکر سے الگ ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ جنگ نہروان میں مارے گئے اور کچھ وہاں سے فرار ہو کر حرورہ اور کوفہ میں جا بسے۔ یزیدی فوج کا سفاک جرنیل شبث بن ربعی کا تعلق بھی اسی گروہ سے تھا۔

اا۔ حزب بنی امیہ: یہ بنی امیہ کے حامیوں اور وفاداروں کا ایک گروہ تھا جو ہمیشہ بنی امیہ کی حکومت کے استحکام اور اس کے خلاف برپا ہونے والی حرکت کی سرکوبی میں مشغول رہا۔ چنانچہ جناب مسلم بن عقیل کی تحریک کا مقابلہ اور آپ کو شہید کرنے والے یہی افراد تھے۔ یہی افراد کوفہ کے حالات سے مرکزی حکومت (یزید) کو آگاہ کرتے رہے۔ چنانچہ بنی امیہ کے کچھ حامیوں نے جن میں عمر بن سعد بھی شامل تھا، یزید کو مسلم بن عقیل کی آمد کے بعد کوفہ میں پیدا شدہ کشیدہ حالات سے آگاہ کیا تو اس نے بصرہ میں ابن زیاد کو گورنر مقرر کرتے ہوئے لکھا:

"فانہ کتب الی شیعتی من اھل کوفہ..." [۱]

---

[۱] ارشاد ص ۲۰۵-۲۰۶، طبری ج ۳ ص ۲۸۰۔

"کوفہ میں میرے شیعوں نے مجھے اطلاع دی ہے ...."

یزیدی فوج کے اکثر سربراہوں کا تعلق اسی حزب سے تھا اور اس حزب کے سرکردہ افراد یہ ہیں:

قیس بن اشعث، عمرو بن حجاج زبیدی، یزید بن حوث، شبث بن ربعی، عمرو بن حریث عمر بن سعد[1]...."

چونکہ یہ اپنے قبیلے کے سرکردہ افراد تھے لہذا قبائلی نظام وعادات کے تحت باقی افراد ان کے پیرو تھے۔

کربلا آنے والوں میں اس حزب کے افراد زیادہ تھے۔ لہذا حضرت امام حسین علیہ السلام نے یوم عاشورا ان کو "شیعۂ آل ابی سفیان" کہہ کر مخاطب کیا اسی طرح خود ابن زیاد نے واقعہ کربلا کے بعد قاتلانِ امام حسین (علیہ السلام) کو حزبِ یزید اور شہداء کربلا کو شیعیان حسین (علیہ السلام) سے تعبیر کیا ہے[2]

(iii) بے شعور گروہ: یہ وہ افراد تھے جو سیاسی، سماجی اور مذہبی شعور و ذمہ داریوں سے بالکل بے خبر تھے۔ امتِ اسلامیہ کے مسائل اور مشکلات سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس گروہ کے دین و مذہب کا خلاصہ دو پہلوؤں میں ہوتا ہے۔

۱۔ رئیس قبیلہ قبائلی رسوم و عادات کے تحت اپنی صوابدید سے فیصلہ کرتا تھا اور اس کے ماتحت افراد اس فیصلہ کو دل وجان سے قبول کرتے تھے۔ خواہ یہ جنگ سے مربوط ہو یا امن وامان سے۔ دین ومذہب کے مطابق ہو یا اس کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ

---

[1] حیاۃ الامام الحسین ج ۲ ص ۱۴۴

[2] ابن الاثیر ج ۱ ص ۳۴ - المقرم ص ۴۲۶ - طبری ج ۳ ص ۲۳۷۔

ہو یا جہاد فی سبیل الشیطان۔ بہرحال وہ حکم کے منتظر ہوتے تھے اور ان میں قوت تمیز کا نقدان ہوتا تھا۔

ب۔ دوسرا پہلو ہر دور کی حکومت کی وفاداری میں مضمر ہے۔ ان میں اس بحث کی صلاحیت نہیں تھی کہ آیا موجودہ حکومت واجب الاطاعت ہے یا نہیں؟ ان افراد کو گمراہ کرنے میں سرکاری علماء کا بڑا کردار تھا۔ چنانچہ ہر قبیلہ کے رئیس کا مؤقف بھی نہایت موثر ہوتا تھا۔

(۱۷)۔ **منافق گروہ**:۔ اس گروہ سے میری مراد وہ افراد ہیں جن کا اپنا کوئی خاص نظریہ نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اپنے مفاد و مصلحت کے بندے ہوتے ہیں۔ یہ ہمیشہ اکثریت کا ساتھ دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ و مذہب رشوت اور مادی مال و منال میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

یہ گروہ پہلی قسم کے عناصر میں سے ہے جو کربلا میں موجود تھا اور حضرت امام حسین (علیہ السلام) کو اس نے شہید کیا۔ اس کا نام شیعیان آل ابی سفیان تھا چنانچہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے اسے اسی نام سے پکارا۔

لہٰذا قتلِ امام حسین (علیہ السلام) کی ذمہ داری سب سے پہلے مرکزی حکومت پھر صوبائی حکومت اور آخر میں اس فوج پر عائد ہوتی ہے جو حکومت وقت کے حکم کے مطابق امام حسین (علیہ السلام) کا خون بہانے میں بذات خود شریک تھی یا اس نے آپ (ع) کا خون بہانے والوں کا ساتھ دیا تھا۔

دوسری قسم

کوفہ میں ایک اور گروہ بھی تھا جو سابقہ گروہوں سے مختلف تھا۔ اس گروہ کی دلی تمنا تھی کہ حاکم نظام کے خاتمے کے بعد ایک ایسی حکومت قائم ہو جو عدل و انصاف اور برابری

و مساوات کے اصولوں پر مبنی ہو اور اسلام کے اصلی خدوخال جو بنی امیہ کے دور میں مٹ چکے تھے دوبارہ نمایاں ہوں یہ افراد اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب مواقع کے منتظر تھے معاویہ کی موت کے بعد وہ حالات پیدا ہوئے جن کا وہ انتظار کر رہے تھے۔

دوسری طرف پوری ملت اسلامیہ میں حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی شخصیت وہ واحد اور لاثانی شخصیت تھی جو امت اسلامیہ کی سیاسی، علمی اور ہر میدان میں قیادت سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ لہذا اہل کوفہ نے جن میں یہ گروہ پیش پیش تھا جب آپ (ع) کی مکہ میں تشریف آوری کی خبر سنی تو ہزاروں کی تعداد میں دعوت نامے بھیجے۔ یاد رہے دعوت نامے بھیجنے والوں میں صرف آپ (ع) کے (حقیقی) شیعہ نہ تھے بلکہ ہر اس فرد نے اس میں یقیناً حصہ لیا ہو گا جو بنی امیہ کے ظلم و جور کا شکار ہوا تھا۔ کیونکہ سابقہ عقاید سے قطع نظر، اس دور میں حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے سوا کوئی دوسرا فرد نہیں تھا جو مسلمانوں کی قیادت اور خلافت کا سزاوار ہو[1]۔ لہذا ہر وہ شخص امام (ع) کی آمد کا منتظر تھا، جو بنی امیہ کی حکومت کی تبدیلی کا خواہاں تھا۔ لیکن عین موقع پر یہ لوگ ابن زیاد کی تہدید اور متوقع خطرات کی زد میں آکر حضرت امام حسین (علیہ السلام) کو تنہا چھوڑ گئے۔

چنانچہ گروہ توابین کا حال یہی تھا۔ اسی طرح سلیمان بن صرد خزاعی جو مذکورہ گروہ کے سربراہ تھے، آپ (ع) کو دعوت نامے بھیجنے والوں میں شامل تھے مگر انہوں نے ابن زیاد کے خوف سے آپ (ع) کا ساتھ نہیں دیا[2]۔ اسی طرح سے کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو جناب

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۰-۱۵۱
[2] نفس الرسول ص ۲۴۴۔ تذکرۃ الخواص ص ۲۵۵، طبری ج ۳ ص ۲۷۷۔ ارشاد ص ۲۰۳۔

مسلم کے مقرب ترین حمایتیوں میں شمار ہونے کے باوجود عین وقت پر جناب مسلم کو اکیلے چھوڑ گئے۔ مگر انہوں نے کربلا میں آکر شہادت کی سعادت حاصل کرلی۔ جیسے حبیب بن مظاہر اور مسلم بن عوسجہ[۱] تھے۔ کچھ افراد ابن زیاد کے زنداں میں قید تھے۔

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی نصرت نہ کرنا بذاتِ خود ایک سنگین جرم ہے۔ لہٰذا یہ افراد اس لحاظ سے قابلِ مذمت ہیں۔ لیکن قتل امام حسین (ع) میں ان افراد کا عملاً دخل نہ ہونے کی وجہ سے قتل کی ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہوتی۔

ان افراد نے اپنی کوتاہی و تقصیر کا احساس اس وقت کیا جب موقع ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور حضرت امام حسین (علیہ السلام) اپنے ساتھیوں سمیت شہادت کی بلند ترین منازل پر فائز ہو چکے تھے اور آپ (ع) کے اہلِ حرم کو قیدی بنا لیا گیا تھا یہ لوگ آپ (ع) کی نصرت نہ کرنے پر شرمندہ تھے۔

جب ابن زیاد اپنے لشکرگاہ نخیلہ سے واپس کوفہ میں آیا اور آپ (ع) کی شہادت ہو چکی تو شیعیان علی (ع) ایک دوسرے کو ملامت اور اپنی ندامت کا اظہار کرنے لگے:

ہم سے نہایت سنگین جرم سرزد ہوا۔ پہلے ہم نے امام حسین (علیہ السلام) سے نصرت کا وعدہ کیا اور جب آپ (ع) عراق تشریف لائے تو ہم آپ (ع) کی نصرت و تائید نہ کر سکے حتیٰ کہ آپ (ع) کو ہمارے بالکل قریب قتل کر دیا گیا۔

لہٰذا یہ طے ہوا کہ اس ننگ و عار[۲] کو دور کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ قاتلان امام حسین (علیہ السلام) سے انتقام لیا جائے۔ چنانچہ شیعیان علی (ع) کا پہلا اجلاس سلیمان بن

---

[۱] طبری ج ۳ ص ۲۷۷۔

[۲] طبری ج ۳ ص ۳۹۰۔ تذکرۃ الخواص ص ۲۵۳۔

صرد خزاعی کے گھر منعقد ہوا۔ ایک طویل گفت وشنید اور پرجوش تقریروجوابی تقریر کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ قاتلانِ امام حسین (ع) بالعموم اور آپ (ع) کے اصلی قاتل ومجرموں سے بالخصوص انتقام لیا جائے یا وہ خود اسی راہ میں قتل ہوجائیں۔[1]

سلیمان کے گھر میں ہونے والی کسی تقریر اور ان کے دیگر مراسلوں میں کوئی ایک ایسا لفظ نہیں ملتا جس سے ان کے جرم کا قتلِ امام حسین (ع) سے مربوط ہونے کا پتہ چلتا ہو بلکہ وضاحت کے ساتھ ان کا یہ اعتراف تواریخ میں ثبت ہے کہ ان افراد کا جرم صرف اور صرف یہ ہے کہ انہوں نے امام حسین (ع) کی نصرت ومدد نہیں کی۔[2]

بنابرایں مذکورہ تاریخی واقعات ونظریات کی روشنی میں واضح ہوا:

(i)۔ کوفہ کی پوری آبادی شیعیانِ علی (ع) (حقیقی شیعوں) پر مشتمل نہیں تھی۔

(ii)۔ حقیقی شیعوں کی تعداد کم تھی۔

(iii)۔ تاریخی تسلسل کے اعتبار سے ان کا عقیدہ اہلِ سنت کے مطابق تھا۔

(iv)۔ ان سب کو شیعہ کہنا سیاسی مفہوم کے مطابق تو درست ہے لیکن دوسرے مفہوم کے مطابق نہیں۔

(v)۔ تمام اہلِ کوفہ کربلا میں نہیں آئے جیسا کہ توابین وغیرہ ہیں۔

معذرت: اس بحث پر ہم اہلِ سنت کے ان تمام برادران سے معذرت خواہ ہیں جو انقلابِ حسین (ع) کے حق میں ہیں اور یزیدیت سے بیزار وبری ہیں۔ ہماری اس بحث کا مقصد یزیدیت کے ان حامیوں کا منہ بند کرنا ہے جو یزید کا دفاع کرنے پر کمربستہ رہتے

---

[1] ایضاً ص ۳۹۰۔۳۹۱۔۳۹۲۔ ایضاً۔ اس کی مزید تفصیل باب پنجم میں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] البدایہ ج ۸ ص ۲۵۵

ہیں اور واقعہ کربلا کی ذمہ داری بالواسطہ یا بلاواسطہ خود حضرت امام حسین (علیہ السلام) پر عاید کرتے ہیں ۔ ان الزامات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ (ع) کو یزید نے شہید کیا اور نہ کسی اور نے بلکہ آپ (ع) کو آپ (ع) کے شیعوں نے شہید کیا ہے ۔ اس بے بنیاد الزام کی حقیقت نمایاں کرنے کے لئے اس بحث کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ ہر ایک پر یہ واضح رہے کہ دراصل کوفہ میں اکثریت اور کربلا میں موجود یزیدی افواج کے تمام افراد ، مذہب و عقیدہ کے اعتبار سے خود معترضین کے ہم مسلک تھے ۔ اور ان میں کوئی شیعہ نہیں تھا ۔

قاتلانِ امام حسین علیہ السلام نہ شیعہ تھے نہ سُنّی

مذکورہ بحث و تمحیص کہ قاتلانِ امام حسین (علیہ السلام) مذہبی اعتبار سے شیعہ تھے یا سنی واقعہ کربلا رونما ہونے سے پہلے کے ادوار سے مربوط تھی یعنی اس عظیم جرم کو انجام دینے سے پہلے ان کا تعلق شیعہ نظریہ سے تھا یا سنی نظریہ سے ۔ لیکن درحقیقت یہ اس عظیم جرم کے ارتکاب کے بعد وہ شیعہ رہے اور نہ سنی ۔ اگر ہم بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیں کہ واقعہ کربلا سے پہلے تمام اہلِ کوفہ شیعہ تھے مگر اس واقعہ کے بعد بھی ان کو شیعہ ٹھہرانا شریعت اسلامیہ اور مفہوم تشیع کے اعتبار سے نہ صرف غلط ہوگا بلکہ یہ ایک متضاد مفہوم ہے ۔

ہم تمام مسلمانوں سے ایک فرضی سوال کرتے ہیں ۔ مسلمانوں میں سے کوئی فرد اگر رسول اللہ (ص) کو شہید کرے تو کیا وہ اس کے بعد بھی مسلمان رہ سکتا ہے ؟

اسی طرح اہلِ کوفہ کی اکثریت اور یزیدی فوج کے تمام افراد مذہبی اعتبار سے اہلِ سنت تھے اور وہ خلافتِ راشدہ کی تقدیس کرتے تھے چنانچہ تاریخی شواہد یہی بتاتے ہیں لیکن امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کے بعد پھر وہ سنی نہیں رہ سکتے ۔ ایسا کون سا سنی ہے جو سنتِ رسول (ص)

پرعمل کرنے کا دعویدار ہو اور نواسہ رسولؐ کو شہید کرے رسول اللہ کے نواسوں کو قیدی بنا کر شہر بشہر پھرائے یا اس قبیح عمل پر راضی ہو۔

لہذا قاتلانِ امام حسین (علیہ السلام) صرف اور صرف یزیدی تھے اور ان کا تعلق حزب بنی امیہ سے تھا۔ چنانچہ آپ (ع) نے کربلا میں ان کو شیعہ آلِ ابی سفیان سے تعبیر فرمایا اسی طرح حزب بنی امیہ کے نامور فرد اور کوفے کے گورنر ابن زیاد کا قول اس مدعا کا روشن گواہ ہے اس نے قاتلانِ امام حسین (ع) کو یزیدی حزب سے موسوم کیا تھا۔

یہ حزب فی الواقع نظریات وعقاید، اغراضِ زندگی، مقاصدِ حکمرانی اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں طرزِ عمل اور روش کے اعتبار سے مکمل جاہلیت کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس حزب کا اللہ پر ایمان تھا اور نہ یہ رسالت کو منصب الٰہی سمجھتا تھا۔ یہ اسلام کا نام اپنے مفاد کی خاطر استعمال کرتا اور اسلام کے نام پہ اسلام کی بیخ کنی میں شب و روز معروف عمل تھا۔

اس حزب کی قیادت اس وقت یزید بن معاویہ کر رہا تھا اور کوفہ میں اس کا نمائندہ ابن زیاد تھا۔ جبکہ اس کی مسلح افواج عمر بن سعد کی قیادت میں تھیں۔ دوسری طرف اس حزب کے مقابلے میں حزب اللہ تھی۔ جس کی قیادت حضرت امام حسین (علیہ السلام) فرما رہے تھے۔ اور دونوں احزاب کے اغراض و مقاصد الگ الگ تھے۔ ان میں سے ہر ایک حزب مستقل تہذیب و تمدن کا وارث تھا اور کوئی بھی دوسرے کے نظریات اور عقاید و اقدار کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے جنگ و ستیزہ کا واقع ہونا اس کا لازمی نتیجہ تھا۔

گزشتہ ابواب میں ہم بیان کر چکے ہیں معرکہ کربلا اسلام و جاہلیت کا معرکہ تھا لہذا جو حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ تھا وہ اسلام کا سچا محافظ تھا اور جو یزیدؔ کے ساتھ تھا وہ جاہلیت اور اسلام دشمن نظریات کا پکا حامی تھا۔ اب اس بات کا کوئی مفہوم

نہیں بنتا کہ جاہلیت کا دفاع کرنے والا شیعہ تھا یا سنی ؟ اسلام کی بیخ کنی کرنے والے کا عقیدہ مسلمانوں جیسا تھا یا نہیں ؟

معرکہ کربلا ابھی بھی ختم نہیں ہوا اور ہر اس فرد یا گروہ پر قاتل امام حسین (علیہ السلام) کا اطلاق ہوتا ہے جو اہداف و مقاصد انقلاب حسین (علیہ السلام) کو مٹانے میں معروف عمل ہو اور کسی نہ کسی صورت میں یزید کی تائید کر رہا ہو یا اس کے سلوک و رویے کو اپنا رکھا ہو۔ اس میں فرق نہیں کہ ان کا تعلق کسی مذہب یا خاندان سے ہے، موجودہ دور میں ہیں یا اس سے پہلے کے ادوار میں گزر چکے ہیں بلکہ اس کا معیار خود انسان کے اعمال و سلوک اور نظریات و عقاید ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاصر یہودیوں کو ان کے اسلاف کی طرح "قاتلانِ انبیاء (ع)" ٹھہرایا ہے۔ باوجودیکہ وہ یہودی بذات خود کسی نبی یا رسول کا خون بہانے میں شریک نہیں تھے وہ صرف اپنے قاتل اسلاف کے جرم پر راضی تھے اور اسی لئے انہیں قاتل ٹھہرایا گیا :

"قل فلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل ان کنتم مومنین" (۲:۹۱)

ترجمہ: تم (یہودیوں سے) کہدو اگر تم مومن ہوتے تو اس سے پہلے انبیائے خدا کو کیوں قتل کرتے ؟

"لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء سنکتب ما قالوا وقتلھم الانبیاء بغیر حق۔ (۳:۸۱)

ترجمہ: یقیناً اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تو محتاج ہے ۔

اور ہم مالدار۔ جو کچھ انہوں نے کہا وہ اور ان کا انبیاء (ع) کو ناحق قتل کرنا ہم لکھ لیں گے"۔

فلم قتلتموهم ان كنتم صادقين " (۳ : ۱۸۳)

ترجمہ:۔ پھر اگر تم سچے ہو تو تم نے ان (انبیاء) کو قتل کیوں کیا تھا "

باب هشتم

انقلابِ حسین علیہ السلام میں جوانوں کا کردار

- فوج حسینی کا سپہ سالار ابولفضل عباس
- علی اکبر
- قاسم بن حسن علیہ السلام
- فرزندانِ عقیل
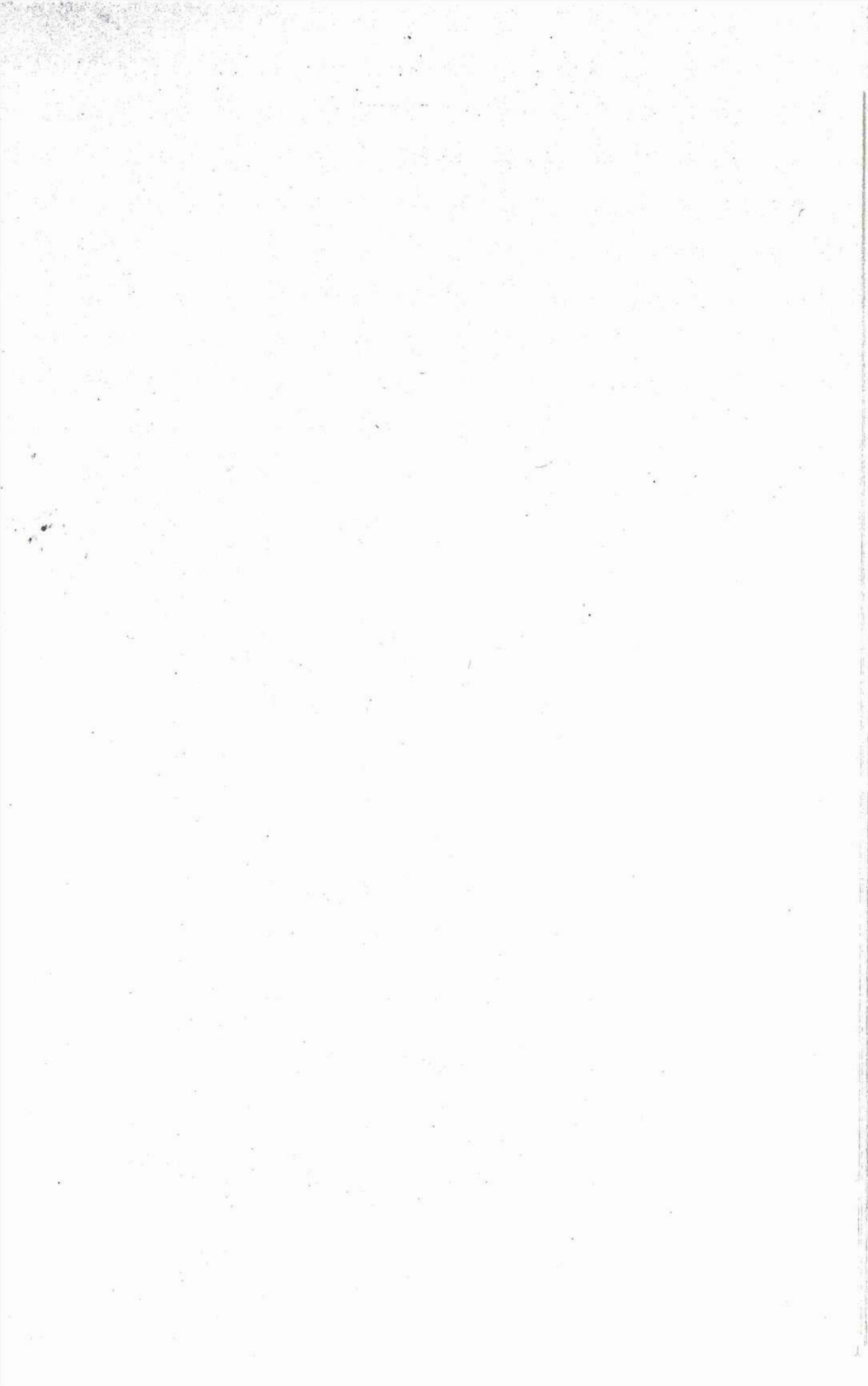
سانحہ کربلا میں جوانوں کا کردار بہت نمایاں اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے اور مختلف مقامات اور مواقع پر مختلف شکلوں میں ان کی شرکت چمکتی نظر آتی ہے ۔میدان کربلا ہو یا اس سے پہلے کے مراحل ہوں ہر جگہ انہوں نے بے مثال نمونے پیش کئے ہیں ۔ان جوانوں میں بنی ہاشم بھی تھے اور غیر بنی ہاشم بھی ۔سب کے سب اس انقلاب میں برابر کے شریک ہیں ۔چنانچہ طبقہ نسواں میں بھی یہی کیفیت ہے ۔

اس کی وجہ واضح ہے ۔حضرت امام حسین (علیہ السلام) کا قیام وانقلاب ،کسی مادی ، قبائلی اور خاندانی رقابت اور دنیاوی اقتدار کے حصول کی کشمکش کی بنا ء پر عمل میں نہیں آیا تھا بلکہ یہ مکمل جاہلیت کے درمیان تنازعہ بقا اور ہر ایک کے اصول ومبانی کی موت وحیات کا معرکہ تھا اس نوعیت کے معرکہ میں شریک ہوتے اور اسلام کے اصول وضوابط کا دفاع کرنے کی ذمہ داری صرف بنی ہاشم یا ایک مخصوص طبقہ پر عاید نہیں ہوتی بلکہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اسلام و قرآن کے تقدس کا دفاع کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ،بنی ہاشم کے خاندان سے ہو یا دوسرے خاندان سے ۔

لیکن یہ اور بات ہے کہ ان میں بنی ہاشم کے جوانوں کی تعداد دوسروں کی نسبت زیادہ تھی ۔کچھ جوانوں نے اپنی شہادت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے قبل اپنے دوسرے اعزاء کو بھی قربان گاہ میں پیش کیا اور اپنی آنکھوں سے ان کو خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا تو سکون قلب محسوس کیا اور نہایت اطمینان سے خوشی ومسرت کے عالم میں وعدہ گاہ کی طرف روانہ ہو گئے ۔

ہے کوئی ایسی انسانی تاریخ جو ہمارے سامنے علی اکبر کے جذبۂ جہاد ، قاسم کے شوق شہادت عباس علمدار کی مثالی وفا ، علی اصغر کے پر معنی تبسم ، باقی شہدائے کربلا کے راہ حق واسلام میں بے نظیر ولولۂ شہادت وجوش قربانی اور بالآخرہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے سجدۂ

آخر کی کوئی مثال پیش کر سکے ؟

جوانوں کا عام خیال یہی ہوتا ہے کہ مدتِ جوانی مکمل آزاد ماحول میں گزرے وہ ہر قسم کے عیش و عشرت کی طلب، عشق و رومانس، کھیل کود، انحراف و فساد اور کجروی جیسے اخلاقی، جنسی فکری اور عملی امراض کا شکار ہوتے ہیں وہ اپنی ذات اور اس کی مادی بقاء کے علاوہ کسی دوسرے موضوع پر نہیں سوچتے ۔ اس مادی زندگی کی حدود سے باہر ان کی کوئی جستجو اور آرزو نہیں ہوتی ۔ لیکن یہ انقلاب حسین (علیہ السلام) کی خصوصیت ہے کہ اس نے جوانوں اور نوجوانوں کے ایک طبقہ کو حقیقت و نظامِ اسلام کے دفاع میں اتنے مضبوط اور آہنی ارادوں کا مالک بنا دیا کہ وہ شہادت کی منزل کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں ۔

فی الحال ہم اس موضوع پر تفصیلی گفتگو نہیں کریں گے اور صرف چند جوانوں کے مواقف، اور ان کے مثالی کردار کے تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں جس سے مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق باقی ان جوانوں کے متعلق بھی یہی رائے قائم کی جا سکتی ہے جن کا تذکرہ اس کتاب میں نہیں ہوا ۔ چنانچہ سارے جوانوں کے کردار کی تفصیلات کے طالبین دیگر کتب مقاتل کی طرف رجوع کر سکتے ہیں ۔

۱۔ فوج حسینی کا سپہ سالار ابوالفضل عباس

حضرت ابوالفضل عباس کے مختلف کارنامے انقلاب حسینی میں نمایاں ہیں جو ہر جوان کے لئے قابل رشک و تقلید ہیں۔ شجاعت و جرأت، مصمم ارادہ بے نظیر وفاداری اور اپنے آقا حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے ہر قول و فعل میں مطیع و فرمانبردار ہونا کچھ ایسے اوصاف ہیں جو عباس علمدار میں واضح طور پر پائے جاتے ہیں۔

واقعہ کربلا کے وقت آپ کی عمر ۳۴ برس تھی۔ آپ کے حسن و جمال اور صورت و سیما کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ آپ قمر بنی ہاشم معروف تھے۔

آپ کے قوت ایمان کی بلندی اور علم و معرفت کے اوقیانوس کے متعلق معصوم کی شہادت سے بڑھ کر اور کوئی شہادت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ امام زین العابدین (علیہ السلام)، ابوالفضل عباس کی بصیرت، ایمان کی منزل اور آپ کے مقام و منزلت کے بارے میں فرماتے ہیں:

بے شک میرے چچا عباس کے لئے روز قیامت اللہ تعالیٰ کے پاس اتنا مقام ہے جس کی تمام شہداء آرزو کرتے ہیں [۱]۔

چنانچہ امام صادق (علیہ السلام) بھی اس بارے میں فرماتے ہیں:

"ہمارے چچا عباس وسیع اور راسخ بصیرت کے مالک اور کامل ایمان تھے" [۲]

امام صادق (ع)، سے مروی زیارت میں بھی جناب عباس کی علو مرتبت بصیرت دین اور پختہ

۱۔ مفاتیح الجنان ۴۳۷

۲۔ معالی السبطین ص ۲۷۰

ایمان کی نشاندہی ہوتی ہے ۔

"اشهد و اشهد الله انك مضيت على ما مضى عليه البدريون والمجاهدون فى سبيل الله المناصحون له فى جهاد اعوائه المبالغون فى نصرة اوليائه الذابون عن احبائه اشهد انك لم تهن ولم تنكل وانك مضيت من امرك مقتديا بالصالحين ومتبعا للنبيين اشهد انك نصحت لله ولرسوله ولاخيك فنعم الاخ المواسى لاخيه"

(ترجمہ) "میں گواہی دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ آپ اسی راہ پر چلے جس پر اصحاب بدر، راہِ خدا کے مجاہد، دشمنانِ خدا کے مقابلے میں جہاد کرنے والے خدا کی نصرت میں پیش پیش رہنے والے اور دوستان خدا کا دفاع کرنیوالے چلے ۔میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے (نصرتِ حق میں) سستی وکوتاہی برتی اور نہ حق کے راستے سے انحراف کیا ۔نیز اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ (ع) نے بصیرت سے صالحین کی پیروی اور انبیاء (ع) کی اتباع کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا ۔میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (ع) نے خدا رسول (ص) اور بھائی (ع) کے لئے نصیحت کی اور اپنے بھائی کیلئے بہترین ہمدرد اور مددگار ثابت ہوئے ۔"

آپ کی وفاداری ،آپ کے پختہ یقین ،غیر متزلزل ایمان اور حق و حقیقت کے دفاع کے غیر معمولی ثبوت کے لئے یہی واقعہ کافی ہے ۔جب شمر بن ذی الجوشن ابن زیاد کی طرف سے آپ کے لئے امان نامہ لایا تو آپ نے نہایت جرأت کے ساتھ اسے بلا تامل ٹھکرا دیا آپ کی طرف سے بغیر کسی سوچ بچار ،اندیشہ اور تذبذب کے امان نامے کو مسترد کر

دینا اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ آپ سنجیدگی، معاملہ فہمی، مکر و فریب کے حربوں کی معرفت، اصول و عقیدہ سے وفاداری اور امام برحق پر جانثاری کی آخری منزل پر فائز تھے۔

عباس وفادار نہ صرف امان نامے کو مسترد کرتے ہیں بلکہ شمر کو شدید لہجے میں دندان شکن جواب بھی دیتے ہیں:

اللہ تم پر اور تمہاری امان پر لعنت کرے۔ تم مجھے تو امان دیتے ہو لیکن نواسۂ رسول (ص) کے لئے امان نہیں ہے؟[1]

حضرت عباس علمدار کی وفاداری کا دوسرا مظہر شب عاشور تھی۔ چنانچہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے اس رات اپنے تمام اصحاب اور اہل بیت سے اپنی بیعت اٹھانے کا اعلان فرمایا اور اجازت دی کہ جو جہاں جانا چاہے چلا جائے۔ مگر حضرت عباس آپ (ع) کا یہ خطبہ سنتے ہی بیتاب ہو گئے سب سے پہلے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا:

ہم ایسا کس لئے کریں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپ (ع) کے بعد زندہ رہیں؟ ہرگز نہیں۔ اللہ وہ دن ہمیں نہ دکھائے ۔ ۔ ۔ ۔"[2]

کربلا کے چٹیل میدان میں ہر طرف سے عاشقانِ شہادت، شہادت کی منزل کی طرف ایک دوسرے پر سبقت لے جا رہے تھے۔ اور تمام اصحاب باوفا اپنے اپنے خون میں غلطاں منزلِ مقصود پا چکے تھے۔ اب حضرت عباس کیسے صبر و تحمل کرتے۔ لہٰذا آپ حصولِ شہادت کی تیاری کرنے لگے۔ لیکن وفاشعاری اور جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے اپنے سے پہلے اپنے تین

ص۱ انساب الاشراف، حیاۃ الامام الحسین (ع)، ج ۳ ص ۱۳۵۔ ارشاد ص ۲۳۰ تذکرۃ الخواص ص ۲۲۴۔ المقرم ص ۲۵۲۔ اعلام الوریٰ ص ۲۷۵ طبری ج ۳ ص ۳۱۴۔

ص۲ طبری ج ۳ ص ۳۱۵۔ ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۸۵۔ ارشاد مفید ص ۲۳۱۔ اعلام الوریٰ ص ۲۷۶۔

بھائیوں کو جہاد پر مامور کیا تاکہ آپ ان کی مصیبت میں بھی شریک ہو سکیں اور یہ بھی بتا دیں کہ فی الحال ان کے پاس ان بھائیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اگر ہوتا تو اسے بھی راہِ خدا اور امام برحق پر قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے۔

حضرت عباس نے اپنے تینوں بھائیوں عبداللہ، جعفر اور عثمان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تقدموا یا بنی امی حتی اراکم نصحتم للہ ولرسولہ"[۱]

"اے میرے بھائیو! آگے بڑھو تاکہ میں تم کو اللہ اور اس کے رسول (ص) کی راہ میں قربان ہوتا دیکھ سکوں"

حضرت علی (علیہ السلام) کے یہ تینوں مجاہد فرزند اصولِ اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے نثار ہو گئے اور حضرت عباس کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ حضرت عباس نصرت امام حسین (ع) میں جان کی بازی لگانے پر آمادہ ہوئے اور امام (ع) سے اذنِ جہاد طلب کیا۔

حضرت عباس کی شہادت اور جرأت کا واقعہ اور اس میں اخلاق، بہادری، شجاعت اور جرأت و وفاداری کے جو مظاہر نمایاں ہوتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان سب کا تذکرہ کرنا فی الحال موضوعِ کلام نہیں ہے۔ لیکن ان بلند اوصاف کے چند پہلو بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

حضرت ابوالفضل عباس مشکیزہ لے کر نہر علقمہ کی جانب روانہ ہوئے اور دشمن کی چار ہزار فوج، جو نہر علقمہ پر پہرہ دے رہی تھی۔ پر حیدر کرار (ع) کی طرح ٹوٹ پڑے اور نہر علقمہ کا راستہ کھول دیا۔ لیکن آپ نے وفاداری کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے فرات پر دستیابی کے باوجود چلو سے پانی پھینک دیا۔

۱۔ ارشاد ۲۴۰۔ اعلام الوریٰ ۲۸۷۔

حضرت عباس نہر سے باہر آئے اور خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن چاروں طرف سے دشمن لشکر نے انہیں گھیر لیا۔ آپ نے اپنی عدیم المثال شجاعت و جرأت کے تقاضے کے مطابق نہایت جوش و خروش سے دشمن پر حملے شروع کر دیئے اور یہ اشعار جو آپ کے اطمینان و ایمان کی کامل نشاندہی کرتے ہیں، آپ کی زبان پر تھے:

موت کتنے ہی نعرے لگائے میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوتا حتیٰ کہ تلواروں کے سائے میں زمین پر گرا دیا جاؤں۔ میری جان نواسۂ رسول (ص) پر قربان ہو۔ میرا نام عباس ہے اور میں سقائے حرم مشہور ہوں۔ ہنگام جنگ میں موت کی کوئی پرواہ نہیں کروں گا۔ ؎۱

یہ رجز اس وقت کا تھا جب حضرت عباس کے بازو سالم تھے۔ وفاداری کا مثالی نمونہ اس وقت سامنے آیا جب آپ کا دایاں بازو قطع کر دیا گیا مگر نصرت حق، امام عالیمقام (ع) کے دفاع کا نعرہ اس وقت بھی ان کے ورد زبان تھا۔ ہاتھ تو دے دیا لیکن اس حقیقت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ آپ فرماتے ہیں:

"اللہ کی قسم! تم نے میرا داہنا ہاتھ تو قطع کر دیا لیکن میں اپنے دین اور اسلام کے اصول کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوں گا اور امام برحق، جو فرزند رسول (ص) ہیں، کی حمایت کا فریضہ میں ہمیشہ انجام دیتا رہوں گا"۔ ؎۲

مگر ایک وقت ایسا آیا جب حضرت عباس کی آخری آواز:

"بھائی میری خبر لیجئے" امام حسین (علیہ السلام) کے کان میں پہنچی اور امام حسین (علیہ السلام) شاہین کی مانند جھپٹ کر بھائی کی لاش پر پہنچے تو جو منظر آپ (ع) کو دکھائی دیتا ہے اس کی کوئی

؎۱ المقرم ص ۳۳۶۔

؎۲ المقرم ص ۳۳۷۔

تصویر کشی نہیں کر سکتا۔ آپ (ع) نے دیکھا کہ حضرت عباس زخموں سے چور ہیں۔ ان کے دونوں ہاتھ قلم، پیشانی شکستہ، آنکھ میں تیر پیوست، سر مبارک پر گرز کا نشان زمین پر خاک و خون میں غلطاں دم توڑ رہے ہیں اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر رہے ہیں۔

اس وقت حضرت عباس کے بارے میں امام حسین (ع) سے نقل شدہ کلام میں سے ایک یہ ہے جو حضرت عباس کے لئے بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ آپ (ع) نے فرمایا۔

"عباس! میری جان تم پر فدا ہو" [1]

۲۔ علی اکبر

حضرت علی اکبر، امام حسین (علیہ السلام) کے فرزند تھے اور صورت و سیرت دونوں میں رسول اللہ (ص) کا نمونہ تھے۔ منطق و بیاں میں بھی آپ رسول اکرم (ص) سے نمایاں شباہت رکھتے تھے۔ لہذا امام حسین (علیہ السلام) کو آپ کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ حضرت

علی اکبر نے واقعہ کربلا میں بے مثال کارنامے انجام دیئے اور ایثار، شجاعت، بہادری اور اخلاص و ایمانِ کامل کے لافانی مظاہرے کئے۔ موت سے آپ نہ صرف کبھی خوفزدہ نہیں ہوئے بلکہ کشادہ روی، خندہ پیشانی اور پر سکون کیفیت میں آپ نے موت کا استقبال کیا۔

چنانچہ جب قافلہ امام حسین (علیہ السلام) کربلا کی طرف رواں دواں تھا۔ یکدم امام حسین (ع) کی

---

[1] حماسہ حسینی ج ۲ ص ۱۱۷۔

زبان پر کلمہ استرجاع[1] جاری ہوا۔حضرت علی اکبر نے اس کی وجہ دریافت کی۔آپ نے فرمایا:

"ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی۔میں نے ایک سوار کو یہ کہتے دیکھا: یہ قافلہ تو راستے پر چل رہا ہے اور موت اس کی طرف آ رہی ہے۔میں سمجھتا ہوں اس طرح ہماری موت کی اطلاع ہمیں دی گئی ہے"

حضرت علی اکبر نے کہا:

"بابا! اللہ آپ کو رنج کی صورت نہ دکھائے۔کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟"

امام (ع) نے فرمایا:

"کیوں نہیں۔قسم اس خدا کی جس کی جانب تمام مخلوق کی بازگشت ہے ہم حق پر ہیں۔"

حضرت علی اکبر نے مکمل اطمینان اور سکون کی حالت میں کہا:

"بابا پھر ہمیں موت کی کیا پرواہ ہے؟"

امام (ع) نے اپنے لخت جگر کے اس جواب سے خوش ہو کر فرمایا:

"بیٹا! خدا تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور وہ بہترین جزا جو کسی بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے مل سکتی ہے[2]۔"

حضرت علی اکبر کا یہ کردار رہتی دنیا تک ان تمام جوانوں کے لئے خصوصی درس ہے جو حضرت علی اکبر کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کر چکے ہیں۔اس قول سے بڑھ کر کوئی اور قول ایسا مل سکتا ہے جو عزت نفس، سکون قلب، اطمینان خاطر، ثابت قدمی، ثبات ضمیر اور راہ حق میں

---

[1] انا للہ و انا الیہ راجعون۔
[2] المقرم ص ۲۲۷-حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۳ ص ۳۷۔ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۲۔انساب الاشراف ج ۳ ص ۱۸۵
ارشاد ص ۲۲۶۔

ایثار وقربانی کا اتنا واضح مظاہرہ اور عجیب مرقع ہو!

مرگ اگر مرد است گو پیش من آی
تا در آغوشش بگیرم تنگ تنگ

یعنی موت کی اگر یہ جرأت ہے تو اس سے کہدو
میرے پاس آجا تا کہ میں اسے آغوش میں
لے کر اس پر عرصہ حیات تنگ کردوں

حق وصداقت اور اسلام کے اصول ونظریات کی راہ میں موت کی بازی لگانے والے اس جوان نے ایک اور کارنامہ یہ انجام دیا کہ جب ابن سعد نے اپنی فوج کے کسی فرد کے ذریعے حضرت علی اکبر کو یہ پیغام بھیجا:

"تیری تو امیر المؤمنین یزید کے ساتھ قرابت ہے اور ہم اس کی رعایت کرنے پر آمادہ ہیں۔ اگر چاہتے ہو تو ہم تجھے امان دے دیں گے"!

مگر بصیرت سے لبریز، علم و ایمان سے لیس اور دشمن کے مکروفریب سے واقف اس جوان نے اس کا دندان شکن جواب دیتے اور مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

رسول اللہ (ص) کی قرابت کی نگہداشت اس سے زیادہ سزاوار ہے"[1]

حضرت علی اکبر میدان جہاد میں گئے لیکن اس حیثیت سے کہ آپ کے رجز کا خاص رنگ تھا۔ جو آپ کے پدر بزرگوار امام حسین بن علی (علیہما السلام) کے خطبات و کلمات سے ملتا جلتا

---

[1] حیاۃ الامام الحسین (ع)، ج ۳ ص ۲۴۴ - معالی السبطین ص ۲۴۹۔

تھا۔ اس سے ایک طرف سے جرأت و شجاعت اور عزتِ نفس کا پتہ ملتا تھا تو دوسری طرف سے حاکم نظام اور اس کے آلہ کاروں کی پستی و خواری کی نشاندہی ہوتی تھی:

"میں ہوں علی بن حسینؑ بن علیؑ۔ ربِ کعبہ کی قسم! رسول اللہ (ص) سے سب سے زیادہ خصوصیات ہم کو حاصل ہیں۔ خدا کی قسم! زنازادہ کی اولاد ہرگز فیصلہ نہیں کرسکتی میں اپنے بابا کا دفاع کرتے ہوئے تلواروں کے وار کرتا رہوں گا۔[1]"

حضرت علی اکبر کی شخصیت، بلند مرتبت اور آپ کی شہادت پر حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے تاثرات کا اندازہ ان جملوں سے ہوسکتا ہے جو امام حسین (علیہ السلام) نے علی اکبر کے سرہانے بیٹھ کر فرمائے تھے:

"اللہ نابود کرے اس جماعت کو جس نے تجھے قتل کیا۔ اے میرے فرزند! کتنی جرأتیں بڑھ گئیں ان لوگوں کی اللہ اور اس کے رسول (ص) کے مقابلے میں۔ تیرے بعد دنیا کی زندگی پر خاک ہے۔[2]"

۳۔ قاسم بن حسن علیہ السلام

آپ حضرت امام حسن بن علی (علیہما السلام) کے فرزند تھے اور واقعہ کربلا کے وقت آپ حدِ بلوغِ شرعی کو نہ پہنچے تھے۔ حسن و جمال میں آپ کو چاند کے ٹکڑے سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ چنانچہ جب آپ میدان میں نکلے تو یوں معلوم ہوا گویا چاند کا ٹکڑا نکلا ہے۔

---

[1] ارشاد ص ۲۳۸۔ المقرم ص ۳۲۱۔ اعلام الوریٰ ص ۲۸۵۔ حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۳ ص ۲۴۵۔ طبری ج ۳ ص ۳۳۰۔

[2] طبری ج ۳ ص ۳۳۱۔ المقرم ص ۳۲۵۔ مترجم لہوف ص ۷۵۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۲۔ اعلام الوریٰ ص ۲۸۵

جناب قاسم بن حسن (ع) کا ظاہر ان کے باطن کا آئینہ تھا۔ آپ اخلاق، ایمان، پختہ یقین اور جذبۂ شہادت جیسے اوصاف سے سرشار تھے عمر کے لحاظ سے اگرچہ نابالغ تھے لیکن عقل وفہم کے اعتبار سے اور اصول ونظریات کی خاطر جان کی قربانی دینے کی منزل پر ہزار بالغ افراد سے آگے نکل چکے تھے۔ بڑے بڑے افراد جب آزمائش میں مبتلا کیئے جاتے ہیں۔ یعنی انسان سازی کے سانچے میں ڈالے جاتے ہیں تو وہ ناکام رہتے ہیں۔ مگر قاسم بن حسن (ع) کی حالت عجیب اور حیرت انگیز ہے اور درس آموز بھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے:

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے شب عاشورا اپنے باوفا اصحاب اور اہل بیت کے سامنے ایک فصیح وبلیغ اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا اور ان سب کو رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نکل جانے کو کہا لیکن کوئی ایک بھی امام (ع) کو چھوڑ کر جانے پر راضی نہ تھا اور سب نے راہِ ہدف میں ایک بار نہیں، کئی بار شہید ہونے کا مصمم ارادہ اور شوقِ دل کا اظہار کیا۔ پھر آپ (ع) نے ان سب کو شہادت کی بشارت دی۔ جناب قاسم کم عمری کی وجہ سے ایک کونے سے اس نشست کو دیکھ رہے تھے۔ آپ اپنے دل میں مختلف افکار میں گھرے ہوئے تھے اور شاید یہ سوچ رہے تھے۔ شاید شہادت کی بشارت صرف بڑے اور بالغ افراد کے لئے ہوگی میں تو نابالغ ہوں لہذا شہادت کے فیض سے محروم رہوں۔

قاسم پریشان ہیں۔ دل میں شہادت کی تمنا ہے مگر سکون نہیں حالت نہایت نازک اور دگرگوں ہے اس اضطراب قلب کو دور کرنے اور اطمینان خاطر حاصل کرنے کا اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہ تھا کہ آپ خود اس بارے میں امام (ع) سے استفسار کرتے۔ چنانچہ آپ نے امام (ع) سے پوچھا:

"چچا جان! کیا میرا بھی شہدائیں شمار ہوگا یا نہیں؟"

حضرت امام حسین (ع) نے نفی یا اثبات میں جواب دینے سے پہلے جناب قاسم سے ایک

سوال پوچھا تاکہ وہ خود اپنے ما فی الضمیر کی ترجمانی کر سکیں۔ آپ (ع) نے فرمایا:

"یا بنیّ کیف الموت عندک"

"بیٹا! موت و شہادت کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے"

جناب قاسم نے بلا تامل فوراً جواب دیا:

"یا عم فیک احلی من العسل"

"چچا جان! آپ کی اطاعت میں موت میرے نزدیک شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے"

امام (ع) نے جناب قاسم کو شہادت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

"تیرا چچا تجھ پر فدا ہو۔ تو بھی میرے ہمراہ شہید ہونے والوں میں سے ایک ہے"[1]

جناب قاسم نہایت جوش و خروش کے ساتھ، جذبہ قربانی اور آرزو شہادت دل میں لئے اذنِ جہاد طلب کرتے ہوئے امام (ع) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام (ع) نے اجازت دینے سے انکار کیا آپ امام (ع) کے ہاتھ اور پیروں کو مسلسل چومتے تھے تاکہ امام حسین (ع) کو راضی کر سکیں[2]

امام حسین (علیہ السلام) کا انکار اور جناب قاسم کا مسلسل اصرار یقیناً شہادت کے طالبین اور شہادت پر اعتراض کرنے والوں کے لئے بحیثیت دستاویز باقی رہے گا۔ بہرحال جناب قاسم کو جہاد کی اجازت مل گئی مگر آپ کی کم سنی کی وجہ سے اسلحہ حرب اس نازک اندام اور چھوٹے بدن کے برابر نہیں تھا۔ لہٰذا آپ کے جسم پر زرہ بھی نہیں تھی۔ آپ ایک لنگ اور پیراہن پہنے ہوئے تھے پیروں میں نعلین ایسے تھے جن میں سے ایک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا اور ہاتھ میں ایک

---

[1] معالی السبطین ص ۲۱۱۔ حماسہ حسینی ج ۱ ص ۲۸، ۲۹، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲ اور ج ۲ ص ۱۴۶-۱۴۷۔

[2] بحار ج ۴۵ : معالی السبطین ص ۲۸۰۔

تلوار تھی۔ ؎۱

جناب قاسم اس کیفیت سے ظاہر ہوئے کہ آپ اسلحہ جنگ سے مسلح نہیں تھے چونکہ آپ عمر کے لحاظ سے ساز و سامان جنگ اٹھانے کے قابل نہ تھے صرف قوت ایمان، محکم عقیدہ اور تمنائے شہادت کچھ ایسے عوامل تھے جنہوں نے جناب قاسم کو میدان جنگ میں آنے پر مجبور کر دیا اور آپ کم سنی کے باوجود دشمن کی کثیر فوج پر حملہ آور ہوئے آپ نے دشمنان اسلام و انسانیت کے ساتھ گھمسان کی جنگ لڑی اور جام شہادت نوش کیا۔

فرزندانِ عقیل

انقلاب حسین (ع) میں فرزندانِ عقیل بن ابی طالب کی حیرت انگیز قربانیاں اور ان کا نمایاں کردار صفحہ تاریخ پر سنہرے رنگ میں ثبت ہے۔ امام برحق (ع) پر نثار ہونا، سخت سے سخت ترین مرحلہ میں ٹھوس اور غیر متزلزل فیصلہ کرنا، موت سے راہ فرار ہونے کے باوجود صرف اور صرف موت و شہادت فی سبیل اللہ اختیار کرنا اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی جان کی بازی لگا دینا ایسے ہی نادر افراد کی قسمت میں قلم تقدیر نے لکھ رکھا ہے ورنہ اکثر لوگ اس قسم کی جاویدانی فیوضات، سعادت ابدی اور فریضہ کی انجام دہی سے محروم رہتے ہیں۔

فرزندانِ عقیل اس قلیل گروہ کا ایک حصہ ہیں جو تاریخ، اصول، عقیدہ، جرأتمندی اور جانثاری کے آسمان پر ستارے کی طرح چمکتا رہے گا اور جہاد و شہادت فی سبیل اللہ کے تشنہ افراد کے لئے سیراب ہونے کے اسباب و سامان فراہم کرتا رہے گا۔ یہ فیصلہ تو ہم خود کر سکتے ہیں کہ اس مکتب شہادت کے بے ساحل سمندر میں ہم کہاں تک

؎۱ ارشاد ص ۲۲۹، اعلام الوریٰ ص ۲۴۶، المقرم ص ۳۳۱۔ طبری ج ۳ ص ۳۳۱۔ بحار ج ۴۵ معالی السبطین ص ۲۸۱

غوطہ زن ہو سکتے ہیں۔

مکہ سے کربلا تک امام (ع) کے ہمراہ رہنے والے خاندانِ عقیل ابن ابی طالب کے آٹھ فرزندان کے نام یہ ہیں:

۱۔ جعفر بن عقیل بن ابی طالب۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالب۔

۳۔ عبداللہ بن عقیل بن ابی طالب۔

۴۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل بن ابی طالب۔

۵۔ محمد بن سعد بن عقیل بن ابی طالب۔

۶۔ محمد بن مسلم بن عقیل بن ابی طالب۔

۷۔ محمد بن عقیل بن ابی طالب۔

۸۔ جعفر بن محمد بن عقیل بن ابی طالب[۱]۔

انقلاب حسین (ع) کے پہلے شہید بھی عقیل کے فرزند جناب مسلم بن عقیل تھے جو کوفہ میں جناب ہانی کے ساتھ منزل شہادت پر فائز ہوئے لہذا حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے جناب مسلم کی شہادت کی خبر ملنے پر اولاد عقیل کو مخاطب کر کے فرمایا:

تمہاری کیا رائے ہے۔ مسلم تو شہید ہو گئے؟"

اولاد عقیل کے جذبہ شہادت اور قوت ایمانی کا عالم یہ تھا کہ تمام جوان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا:

---

[۱] انصار الحسین (ع) ص ۱۳۲۔ ۱۳۴۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ یہی تعداد حیاۃ الامام الحسین (ع) میں مذکور ہے لیکن نمبر ۸ میں علی بن عقیل کا نام درج ہے۔ ج ۳ ص ۲۵۰۔ ۲۵۴

"خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک مسلم کے خون کا بدلہ نہ لے لیں یا اسی موت کا ذائقہ ہم بھی نہ چکھ لیں جس کا ذائقہ مسلم نے چکھا ہے"۔ [1]

آلِ عقیل کا ایک اور موقف ہمارے لئے نمونہ عمل ہے اور وہ ہے شب عاشور کا واقعہ چنانچہ اس کا تذکرہ مکرر گزر چکا ہے کہ آپ (ع) نے اپنے سارے اصحاب و انصار اور بنی ہاشم کے جوانوں کو جمع کر کے وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ وہ سب آپ (ع) کو چھوڑ کر واپس چلے جائیں تاکہ کوئی شخص بادلِ نخواستہ آپ (ع) کا ساتھ دینے پر مجبور نہ ہو اور شہادت و موت فی سبیل اللہ کو عین اپنے ارادے اور آزادی کے ساتھ اختیار کرے لیکن ان تمام باوفا انصار اور بنی ہاشم کے جوانوں اور نوجوانوں نے بیک لہجہ عرض کیا تھا کہ وہ اپنے خون کا آخری قطرہ تک آپ (ع) پر نثار کریں گے۔

اس کے بعد امام حسین (علیہ السلام) نے فرزندان عقیل کی طرف خصوصی توجہ دے کر فرمایا:

"تمہارے لئے مسلم کا قتل ہو جانا ہی کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔''

فرزندانِ عقیل نے متفق اللہجہ ہو کر جو جواب دیا اس کا لب لباب یہ ہے:

"ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ آپ (ع) کے بعد زندہ رہنے میں کوئی مزہ نہیں بلکہ ہم آپ (ع) پر جان، مال اہل و عیال سب کچھ نثار کریں گے۔" [2]

فرزندانِ عقیل کی مجاہدت اور شہادت طلبی کا یہ ایک بے مثال مظاہرہ تھا اور اس مظاہرہ میں جذبۂ شہادت کے سوا کسی دوسرے عنصر کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ عسکری کامیابی کے تمام امکانات ختم ہو چکے تھے اور جو واحد راستہ ان کے سامنے تھا وہ صرف جاں نثاری کا تھا۔ لہذا

---

[1] المقرم ص ۲۰۹۔ ابن اثیر ج ۴ ص ۱۱۔ ارشاد ص ۲۲۲۔ طبری ج ۳ ص ۲۹۸۔ اعلام الوریٰ ص ۲۶۹۔

[2] طبری ج ۳ ص ۳۱۵۔ ارشاد ۲۳۱۔ اعلام الوریٰ ص ۲۷۶۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۵۔ معالی السبطین ص ۲۰۸۔ ۲۰۷

ان کلمات میں حتیٰ کہ مسلم بن عقیل کے خون کے انتقام کا بھی ذکر نہیں ہے۔ جیسا کہ ان کے پہلے موقف میں، جو انہوں نے جناب مسلم کی شہادت کی خبر ملنے پر اختیار کیا تھا۔ عنصر انتقام کا بھی تذکرہ تھا۔

شریعت اسلامیہ کے مطابق کسی قاتل سے انتقام لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ شرعی حق ہے جو مقتول کے ولی کو حاصل ہے۔ لیکن انتقام لیتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہونا لامحالہ اس درجہ شہادت سے مختلف ہے جو فی سبیل اللہ اور عنصر انتقام سے آزاد ہو کر اپنی شہادت پیش کرنے سے کسی فرد کو حاصل ہوتا ہے۔

لہذا فرزندانِ عقیل کے اخلاص، قلب سلیم، بلند نظری، معاملہ فہمی اور صدق عملی جیسے بلند اوصاف و کمالات کی نشاندہی ان کے شب عاشور کے جواب سے ہوتی ہے کہ شرعاً وہ خون مسلم کے ولی ہیں اور اہل کوفہ یا حاکم نظام سے اس خون کا مطالبہ کرتے ہوئے یا خود منزلِ شہادت پر پہنچ سکتے ہیں یا ان کو جہنم واصل کر سکتے ہیں۔ لیکن وحی الٰہی اور مکتب اسلام کے تعلیم و تربیت یافتہ ان جوانوں نے شہادت فی سبیل اللہ کو خالص بنانے کے لئے اس عنصر انتقام کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اور حضرت امام برحق (ع) کے دفاع اسلام کے اصول و نظریات کے لئے قربانی دینے کے جذبہ اور احساسِ ذمہ داری کے تقاضوں کو معیار شہادت قرار دے کر جانثاری کا عدیم المثال کردار پیش کیا۔ شاید اسی لئے امام حسین (علیہ السلام) نے آلِ عقیل کو جنت کی خصوصی بشارت دی اور ان کے قاتلوں کی نابودی کی دعا فرمائی۔[1]

اسی طرح واقعہ کربلا کے بعد امام سجاد (علیہ السلام)، فرزندانِ عقیل کی بہادری، جانثاری، فنا فی اللہ ہونے اور بے مثال وفاداری کی بنا پر ان کے پسماندگان کو بنی ہاشم

---

[1] حیاۃ الامام الحسین (ع)، ج ۳ ص ۲۴۹۔

کے باقی افراد پر ترجیح دیتے تھے۔ اور آپ (ع) کی نظرِ شفقت آلِ عقیل پر زیادہ ہوتی تھی۔"[1]

---

[1] حیاۃ الامام الحسین (ع) ج ۳ ص ۲۴۹

باب نہم

انقلابِ حسین علیہ السلام میں خواتین کا کردار

حضرت زینب کبریٰ (ع) کا کردار ○ یکساں چیلنج ○ دربار پسر مرجانہ ○ دربار یزید ○ حضرت زینبؑ کا خطبہ ○ زوجہ زہیر بن قین ○ زوجہ عبداللہ بن عمیر ○ ام وہب ○ بجریہ بنت مسعود ○ رباب بنت امراؤ القیس ○
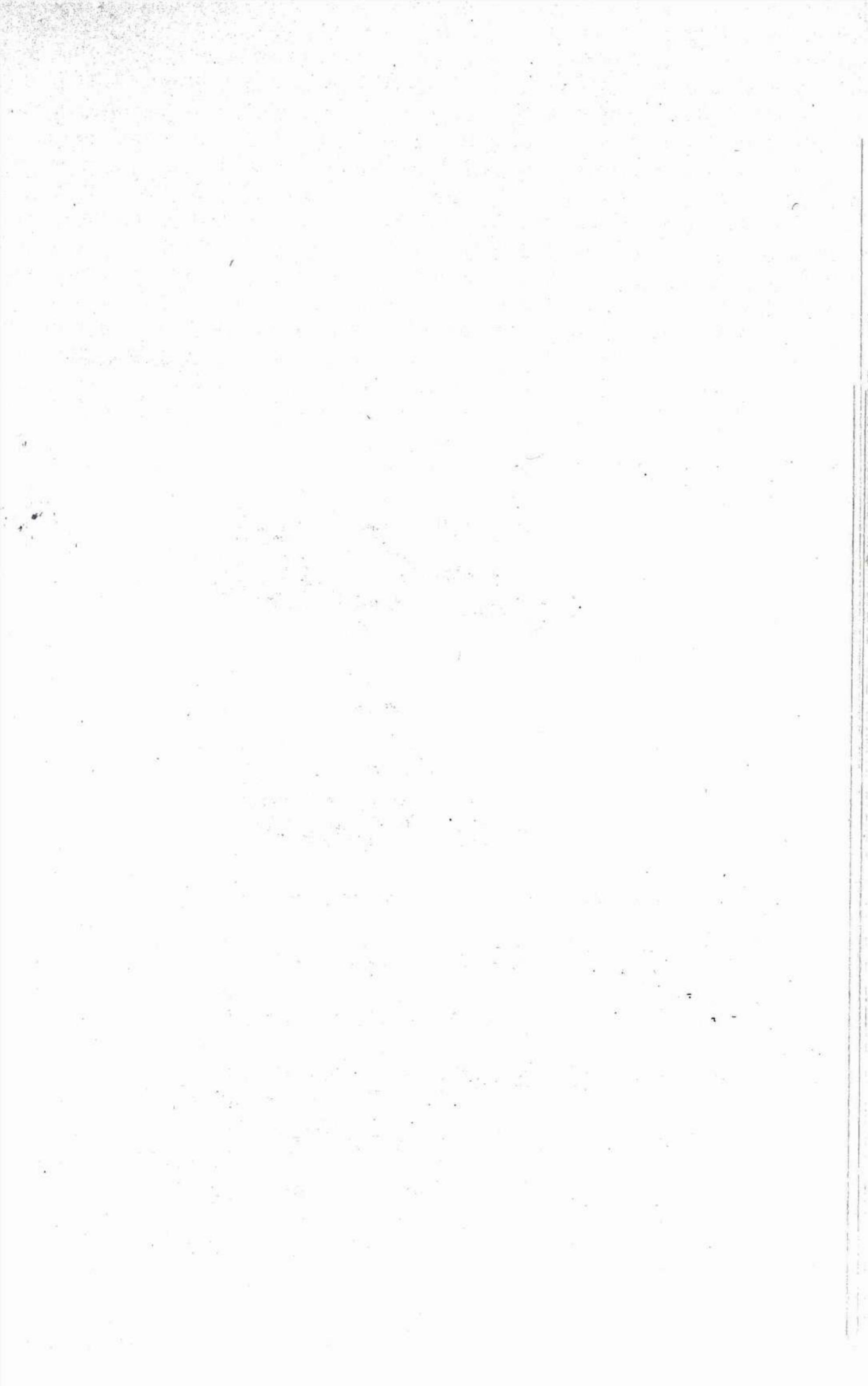
حضرت امام حسین (علیہ السلام) کا اپنی دور اندیشی، بے انتہا بصیرت اور اپنے جامع و ہمہ گیر لائحہ عمل کے تحت اپنے اہل و عیال کو اپنے ہمراہ لانا اس انقلاب کا دوسرا مرحلہ تھا اور اس مرحلہ کے بغیر آپ (ع) کے قیام و انقلاب کے اہداف و مقاصد کی تکمیل ناممکن ہو سکتی تھی۔ چنانچہ باب چہارم میں اس مرحلہ کے فوائد اور اہل حرم کو ساتھ لانے کی افادیت کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے اور اس میں اس مرحلہ سے انقلاب حسین علیہ السلام کی بقاء و جاویدانی کی ضمانت فراہم ہونے کا بھی مدلل جائزہ لیا گیا مگر یہاں ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ اور چیز ہے

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انقلاب حسین (ع) کو وجود میں لانے یا اس کے برقرار رکھنے میں بہت سے عناصر اور مختلف طبقے شامل تھے جس میں طبقہ نسواں کلیدی اور اہم ترین حیثیت کا حامل ہے۔

چنانچہ اس باب کے عنوان سے بھی ظاہر ہے کہ ہم انقلاب حسین (ع) میں عورتوں کے کردار کے موضوع پر تفصیل سے نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں اور ان کی گراں قدر خدمات کا تذکرہ کر کے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہماری مستورات مائیں، بہنیں، بیٹیاں اور جملہ خواتین وہ مثبت کردار ادا کریں گی جس کا اعلیٰ نمونہ اور اسوۂ حسنہ کربلا میں موجود خواتین نے پیش کیا تھا۔

قیام امام حسین (ع) میں عورتوں کا کردار دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے پہلا حصہ آغاز انقلاب سے حضرت امام حسین (ع) کی شہادت تک ہے اور دوسرا حصہ آپ (ع) کی شہادت

عظمیٰ کے بعد شروع ہوتا ہے اس عنوان میں بنی ہاشم کی مخدرات کے شانہ بشانہ دوسری مخدرات بھی شامل ہیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے دینی فرائض کی انجام دہی میں لازوال مثالیں قائم کیں اور دونوں مرحلوں میں، متعلقہ تقاضوں کے مطابق صبر و تحمل، ضبط نفس، بلند ہمتی، عزم و ارادہ، اخلاص و وفاداری، عقیدہ توحید اور اسلامی نظام کا دفاع کرتے ہوئے ہر چیز سے درگزر کرنے، اسیری کی حالت میں بھی ظالم و جابر کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے آخر دم تک، اپنے موقف پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند قائم رہنے اور ظالم کو اس کے اپنے دربار اور قلمرو میں ذلیل و خوار کرنے جیسے بہادرانہ مظاہروں کے علاوہ سینکڑوں حیرت انگیز صفات اور مردانہ کمالات، تاریخ کی پیشانی پر جلی و سنہری حروف میں ثبت کیے ہیں جن سے تاریخ کو نیا رخ ملا اور وہ جدید سمت کی طرف رواں ہوئی۔

یہاں پر بنی ہاشم کی چند خواتین کے علاوہ باقی خواتین کے بارے میں یہ سوال پیش آتا ہے کہ خواتین عموماً ظاہر بین اور انفعال مزاج ہوتی ہیں ان میں یہ گہری سوچ اور اس انداز میں اسلام کا دفاع کرنے کی ضرورت کا ادراک کہاں سے آیا؟ یقیناً باقی عوامل کے علاوہ اس فکر و غور کا سرچشمہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی ذات گرامی تھی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کچھ خواتین بذات خود کربلا میں حاضر نہیں تھیں۔ مگر اس انقلاب کے بعد اسے زندہ رکھنے اور یاد شہداء کے احیاء میں انہوں نے جو رویہ اختیار کیا وہ اگر کربلا میں موجود بعض خواتین کے کردار سے زیادہ مؤثر نہ ہو تو یقیناً کم بھی نہیں ہے۔ چنانچہ جناب ابو الفضل عباس کی والدہ ماجدہ ام البنین کے حالات زندگی اس مدعی پر روشن گواہ ہیں۔

حضرت زینب کبریٰ کا کردار

انقلاب حسین (ع) میں حضرت زینب کبریٰ کا کردار باقی تمام عورتوں سے ممتاز مقام کا حامل ہے اور آپ حقیقتاً شریکۃ الحسین (ع) ہیں۔ اس انقلاب کے اہداف و مقاصد میں شریک اور اس کی تبلیغ و ترویج میں سب سے پہلی مبلغ اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے امام حسین بن علی (علیہما السلام) کے رویہ کے تسلسل کو برقرار رکھنے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

اسیری سے پہلے جناب زینب کی شراکت کا مسئلہ بہت واضح ہے کیونکہ بنی ہاشم کے نوجوان جناب زینب کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو کہ سب کے سب شہید ہوئے اور فی الواقع یہ حضرت زینب کی جانب سے پیش کردہ ہدیۂ عقیدت تھا۔ اس کے علاوہ آپ کا اپنے دو فرزندوں عون و محمدؑ کو قربانی کے لئے پیش کرنا مفہوم شراکت انقلاب کو واضح شکل میں عملاً بیان کرنے کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔

حضرت زینب کا کردار جس طرح شہادت عظمیٰ سے قبل انقلاب حسین (ع) میں کلیدی حیثیت کا مالک تھا اسی طرح شہادت کے بعد اس کی افادیت و اہمیت میں چند گنا اضافہ ہوا فی الحال پہلے مرحلے کے متعلق تذکرہ کرنا مقصد نہیں ہے۔ صرف دوسرے مرحلہ یعنی شہادت کے بعد کے حالات کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

جب تک حضرت امام حسین (علیہ السلام) زندہ تھے، سارے قافلۂ کربلا کا دار و مدار آپؑ کی ذات گرامی تھی مگر آپ (ع) کی شہادت کے بعد، قافلۂ اسیران کے تمام معاملات، ان کی

ص۱ جناب عون حضرت زینب کے صلبی فرزند اور جناب محمد ان کے سوتیلے بیٹے تھے۔ حیاۃ الامام الحسینؑ ج ۳ ص ۲۵۸

حفاظت ونگہداشت اور حسینی انقلاب کی پیغام رسانی کی تمام تر ذمہ داری حضرت زینب کبریٰ پر عائد ہوئی۔ امام سجاد (علیہ السلام) امام کی حیثیت سے صرف اوامر صادر فرماتے تھے لیکن سپہ سالاری کا کام حضرت زینب ہی انجام دیتی تھیں۔

چنانچہ حضرت زینب (ع) نے حکومتِ وقت کے خلاف ظالموں وستمگروں کے سامنے خصوصاً ابنِ زیاد اور یزید کے دربار میں ایسا رویہ اور منطق اختیار کی جس کی انجام دہی سے کوئی مرد قاصر رہتا اور کسی دوسری عورت کے لئے بھی اس انداز سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل تھا۔ جس طرح حضرت زینبؑ عہدہ برآ ہوئیں۔

اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اعراب کے قبائلی رسم ورواج اور موروثی عادات کے مطابق عورتوں سے معترض ہونا یا ان کو زدوکوب اور قتل کرنا بزدلانہ عمل تصور کیا جاتا تھا۔ لہٰذا عورتوں کو ایک طرح کا تحفظ حاصل تھا چاہے وہ حکومت کے خلاف ہی کیوں نہ بولیں یہ تحفظ مردوں کو حاصل نہیں تھا اور اگر کوئی مرد حکومت کے خلاف بولتا تو اس کا انجام قتل پر منتج ہو سکتا تھا لہٰذا حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے دوسرے مرحلہ کی تکمیل کا کام عورتوں کے سپرد فرمایا اس مطلب کی واضح مثال حضرت زینبؑ اور ابن زیادؑ کے درمیان ہونے والی گفتگو اور ابن زیاد کا آپ کی بے ادبی یا آپ کو قتل کرنے کا حکم دینے کے بعد عمرو بن حریث کا اس میں آڑے آنا اور جب عبداللہ عفیف نے ابن زیاد پر اعتراض کیا تو اس کو شہید کر دیا جانا ہے۔

حضرت زینبؑ کے خطبات میں ایک چیز باقی چیزوں سے بہت نمایاں دکھائی دیتی ہے اور وہ ہے موجودہ نظام اور حاکم کو چیلنج۔ جی ہاں! حضرت زینبؑ امام حسین بن علی (علیہما السلام) مشن برقرار رکھنے کا پختہ عزم اور مکمل ارادہ کر چکی تھیں۔ لہٰذا حکومت امیہ کے خلاف آپ نے اس چیلنج کو آخری دم تک باقی رکھا جو امام حسین علیہ السلام نے اپنی زندگی میں دیا تھا۔

اب ہم ایک مختصر سا جائزہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) اور حضرت زینب کبریٰ کے موقف میں کس حد تک تشابہ اور وحدتِ فکر پائی جاتی ہے۔ اس طرح آخر میں یہ نتیجہ اخذ کرنے میں بہت آسانی ہوگی کہ یہ دونوں بہن بھائی ایک انقلاب کے دو مرحلوں کے تقاضوں کے مطابق اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے۔

یکساں چیلنج

یزیدی نظام یعنی حکومت جاہلیت کے سامنے امام حسین بن علی (علیہما السلام) کا وجود بذات خود ایک چیلنج تھا اور حامیانِ نظامِ جاہلیت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا حضرت امام حسینؑ کو یزید کی بیعت لینے کی غرض سے مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ نے بلا بھیجا اور مروان نے مداخلت کرتے ہوئے جب آپ (ع) کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تو آپ (ع) نے اس کی رسوائے زمانہ ماں کا نام لیتے ہوئے فرمایا:

"اے پسر زرقا! تیری یا ولید کی کیا مجال کہ مجھے قتل کرے"۔

اس واقعہ کی تفصیل ہم پہلے ہی قلم بند کر چکے ہیں اور اسے دوبارہ بیان نہیں کریں گے امام (ع) کا مذکورہ کلام یہاں نقل کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ آپ (ع) کے کلام میں حکومت، وقت سے ساتھ ٹکرانے، اس کی دولت اور شان و شوکت کے باوجود اسے چیلنج کرنے کی قوت اور مقابلے کے لب و لہجے کی شدت کا اندازہ لگایا جائے۔

امام حسین (علیہ السلام) کی زیر قیادت قافلہ حق مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ابن زیاد کی طرف سے بھیجی گئی فوج، جس کی قیادت حر ریاحی کر رہا تھا۔ سے آمنا سامنا ہوا۔ فریقین کی فوجی تعداد کا موازنہ فوجی اعتبار سے نہیں کیا جا سکتا۔ حر کے ساتھ ایک ہزار اور امام (ع)

کے ہمراہ زیادہ سے زیادہ ایک سو سے زیادہ سپاہی تھے۔ مگر آپ (ع) کے رویہ میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی بلکہ جب آپس میں گفتگو کا آغاز ہوا تو امام (ع) نے نہایت ترش جواب، سخت الفاظ اور تحقیر آمیز لہجہ اختیار فرمایا جس نے حر کی غیرت کو بیدار کیا۔ امام نے حر سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے حر! تیری ماں تیری مصیبت پر روئے۔ تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟" [1]

یہ کلام حر کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اس سے اس کی توہین و تحقیر کے علاوہ حکومت وقت سے مقابلے کی دعوت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ حر بہت ناراض ہوا اور اس نے اپنے غیض و غضب کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"خدا کی قسم! عرب کا کوئی اور فرد یہ کہتا تو اسے اسی طرح کا جواب دینے سے گریز نہ کرتا۔ مگر آپ کی والدہ (ع) کا کیا کہنا!" [2]

حضرت امام حسین (ع) کی طرف سے قدم قدم پر چیلنجوں کا سلسلہ جاری رہا حتی کہ بالآخر کربلا میں اپنے قلیل ساتھیوں کے ہمراہ آ ٹھہرے۔ دشمن کی تعداد میں اضافہ ہوتا۔ دشمن آپ [3] پر ہر طرح کا دباؤ ڈالنے میں سرگرم عمل تھا۔ اسلامی اصول تو بجائے خود، انسانی اصولوں کے تقاضوں کے خلاف بھی ہر ممکن کوشش کی گئی تاکہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کا سر تسلیم خم کیا جا سکے۔ حاکم نظام کی طرف سے آپ (ع) کی مدد کو آنے والے امکانی افراد کے راستے بند کر دیئے گئے [3] اور بالآخرہ سات محرم سے پانی بھی بند کر دیا گیا۔ [4]

---

[1] ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۸۰ - اعلام الوریٰ ص ۲۷۱ -

[2] ایضاً " ایضاً "

[3] طبری ج ۳ ص ۲۹۹ -

[4] المقرم ص ۲۴۵ - طبری ج ۳ ص ۳۱۱ - ارشاد ص ۲۲۸

دوسری جانب آپ (ع) سے جنگ کرنے کے لئے ابن زیاد کی امدادی فوج کے آنے کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ لیکن آپ (ع) کے موقف اور قول و فعل اور لہجے میں نہ صرف کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی بلکہ اس کی سختی اور شدت میں مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

آپ (ع) کے خطبات، اقوال اور گفتگو میں بزرگی، شرافت، کرامتِ انسانی اور جذبۂ شہادت کے مکمل ظہور کے علاوہ حاکم نظام کی تحقیر و توہین اور اس سے مقابلے کے عناصر سب سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ آپ (ع) کے گراں بہا فرامین کے کچھ حصے ہم باب سوم میں نقل کر چکے ہیں۔ یہاں ہم آپ (ع) کا ایک کلام بطور شاہد نقل کرتے ہیں جو آپ (ع) نے دہشت گرد حاکم کوفہ ابن زیاد کے بارے میں علی الاعلان فرمایا تھا۔

"الا ان الدعی بن الدعی قد رکز بین الثنتین بین السلة والذلة"
آگاہ رہو اے لوگو! حرام زادہ پسرِ حرام زادہ نے مجھے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے راہ خدا و اسلام کا دفاع کرتے ہوئے درجۂ شہادت پر فائز ہو جاؤں یا اس کی اطاعت و بیعت کروں جس میں ذلت و خواری اور بدبختی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

حاکم کوفہ ابن زیادہ کا نام آپ (ع) نے نہ امیر و گورنر کی حیثیت سے لیا اور نہ کسی القاب کے ساتھ بلکہ آپ (ع) اسے نسبی اعتبار سے، اس کے حقیقی خد و خال اور اصلی چہرہ میں پیش کر کے یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ میرے دل میں حاکم نظام کے کسی قسم کی خوف و ہراس کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد انقلاب کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ جناب زینب ؑ نے حاکم نظام کو دیئے جانے والا چیلنج برقرار رکھا جو پہلے مرحلے میں ان کے ساتھ تھا۔

حضرت زینبؑ نے اس مرحلہ کی ذمہ داری قبول فرمالی لیکن ایک خوفزدہ، مصیبت میں مبتلا اور قیدی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک شیر دل خاتون، بت شکن باپ کی بیٹی اور شریکۃ الحسینؑ کی حیثیت سے۔ آپ بے مثال عزم وارادہ کی مالک تھیں۔ ہر چیز کا مقابلہ کرنا اس مرحلے کا تقاضا تھا۔ جس میں مصائب، اسیری اور دشمنوں کے طعنوں کا مقابلہ کرنا سرفہرست تھا۔ چنانچہ حاکم نظام کو چیلنج اور اس کی تحقیر و تذلیل کرنا اصلی مقصد تھا۔

دربار پسر مرجانہ

خاندان رسالت (ص) کو قیدی بنا کر کوفہ لایا گیا۔ ابن زیاد نے ان کی حاضری کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خاندان رسالت (ص) کو قیدی کی حیثیت سے پسر مرجانہ کے دربار میں کھڑا کر دیا گیا۔

لیکن جناب زینبؑ نے اس کے سامنے ایک مصیبت زدہ عورت کی مانند انکساری و عاجزی کے عالم میں حاضر ہونے کو اپنی شان اور وقت کے تقاضے کے منافی سمجھا۔ ابن زیاد بحیثیت حاکم متکبر پہلے ہی تھا۔ مگر واقعہ کربلا کے بعد اس کے تکبر، خود بینی و غرور میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ لہذا جناب زینب (سلام اللہ علیہا) "التکبر مع التکبر" یعنی متکبر کے سامنے تکبر کرنا ہی بڑی عبادت ہے" کے مصداق بڑی شان و شوکت اور غرور و بزرگی کے ساتھ دربار میں حاضر ہوئیں۔ کنیزوں (باقی قیدی عورتوں) نے آپ کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا۔ حاکم کی اجازت کے بغیر نہایت عظمت و جلال کے ساتھ آپ دربار میں تشریف فرما ہوئیں [1]

ابن زیاد کو یہ حالت گوارا نہ ہوئی۔ اس نے جناب زینبؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا:

---

[1] بطلۃ کربلا ص ۱۳۴۔

وہ عورت کون ہے؟ مگر آپ نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح اس نے تین مرتبہ پوچھا مگر اسے جواب نہیں ملا۔ یعنی اسے حقیر اور ذلیل اور جواب و گفتگو کے ناقابل سمجھتے ہوئے اسے جواب نہیں دیا۔ آخر ایک کنیز نے کہہ دیا کہ زینب بنت فاطمہ ہیں۔

یہ سن کر ابنِ زیاد، جو ایک طرف سے وہمی فتح و ظفر کے نشہ میں چور تھا اور دوسری طرف اسے اپنی تحقیر و تذلیل کا احساس شدت سے ہو رہا تھا، نے آپ سے مخاطب ہو کر کفر آمیز اور بغض و کینہ سے لبریز چند جملے اپنی ناپاک زبان سے ادا کئے۔ جناب زینبؑ یہ جملے، جو براہ راست اسلامی اصولوں کی نفی پر مشتمل تھے، سن کر خاموش نہیں رہ سکتی تھیں چونکہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا دفاع انقلابِ حسینؑ کا روح رواں تھا۔ اس کے علاوہ اس متکبر اور باغی حاکم کو نہ بھولنے والے درس کی تلقین بہت ضروری تھی۔ لہذا خاموشی کے بعد اب بولنے کا موقع تھا۔ لیکن جب آپ نے بولنا شروع کیا تو گویا آپ آگ کے شعلے برسا رہی تھیں۔ علی (ع)، کی بیٹی علی (ع)، کی فصاحت و بلاغت کی یاد دلاتے ہوئے اس انداز سے اس پر ٹوٹ پڑی جس طرح حضرت علی (علیہ السلام) بذاتِ خود ذوالفقار چلاتے ہوئے دشمنانِ خدا پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

"حمد ہے اس خدا کے لئے جس نے ہمیں عزت دی محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ اور ہمیں پاک و پاکیزہ قرار دیا اس طرح جو حق ہے پاکیزہ قرار دینے کا۔ رسواہ ہوتا ہے جو فاسق و فاجر ہو اور وہ ہمارا غیر ہے (یعنی تو خود ہے)"

ابنِ زیاد نے جناب زینبؑ سے کہا:

"دیکھا تم نے! اللہ نے تمہارے بھائی اور دیگر عزیزوں کے ساتھ کیا کیا؟"

جناب زینبؑ نے نہایت سکون اور اطمینان قلب کے ساتھ فرمایا:

تیں نے تو اچھا ہی اچھا دیکھا ہے۔ وہ خاصانِ خدا تھے۔ جن کے لئے درجہ شہادت تقدیر میں دیا گیا تھا اور وہ اپنے پیروں پر چل کر قربان گاہ میں گئے وہ دن بھی دور نہیں جب اللہ کے حضور تیرا اور ان کا مقابلہ ہوگا۔ اور تو دیکھے گا کہ وہاں کامیابی کس کی ہوگی۔ اے پسر مرجانہ! تیری ماں کو تیری مصیبت پر رونا پڑے[1]"

ابن زیاد نے میدانی جنگ ختم ہونے کے بعد اب اہل بیت کے ساتھ نفسیاتی جنگ کا آغاز کیا اور اپنے خیال خام کے مطابق اہل حرم کی تذلیل و توہین کے سارے حربے استعمال کئے مگر وہ کارگر ثابت نہیں ہوتے۔

جناب زینب (ع) نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابن زیاد پر جو کہ نظام جاہلیت کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ کے سامنے تھا جوابی حملہ کیا اور اس کی مٹی پلید کر دی۔ ثانی زہراؑ کے گذشتہ چند جملے اتنے وزنی اور کارگر اور اس کے نفسیاتی ماحول میں اس حد تک دھماکہ خیز ثابت ہوئے کہ ہزاروں ٹن دھماکہ خیز مادے سے زیادہ ان کے اثرات مرتب ہوتے۔ بنتِ حیدر (ع) کی ضرب اتنی تباہ کن ثابت ہوئی کہ ہزاروں تلواریں بھی ایسی کاری ضرب لگانے سے قاصر رہتیں۔

یہ نعرہ "اے مرجانہ کے بیٹے!" اس کے ماضی کے تمام حالات اور اس کی نسبی پستی و خواری کے تمام واقعات پر مشتمل تھا۔ اگر اس میں غیرت و مردانگی کی ذرہ بھر رمق ہوتی تو اس کے زندہ رہنے سے اس کا مرنا بہت مناسب تھا۔ مگر وہ اپنے اسلاف فرعون و نمرود، شداد، مشرکین قریش اور اپنے باپ زیاد وغیرہ کی سیرت پر عمل پیرا ہوا۔ یعنی انسانی تاریخ میں ظالموں، جابروں اور سرکشوں کا ایک مشترکہ عمل چلا آرہا ہے اور جب وہ اپنے حریف کے دلائل و معجزات

---

[1] المقرم ص ۴۲۲۔ حیاۃ الامام الحسین (ع) ج ۳ ص ۳۴۵۔ اعلام الوریٰ ص ۲۹۱۔

سے شکست کھاتے ہیں تو ان کو قتل و جلا وطنی کی سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ سابق الذکر افراد کی تاریخ اس مدعی پر گواہ ہے۔

مرجانہ کے بیٹے نے حضرت زینب کی منطق، جوابی حملوں اور واضح چیلنج کے سامنے جب اپنی ذلت آمیز شکست محسوس کی تو عربی قبائل کی تمام عادات و رسوم کو بالائے طاق رکھ کر ایک چوب کے ذریعہ بنت زہرا (ع) کی بے ادبی کرنے کا ارادہ کیا مگر عمرو بن حریث کی فوری مداخلت سے اس فعل سے باز آیا۔[1]

دربار یزید

جناب زینب کبریٰ نے دربار یزید میں حاکم نظام کے خلاف چیلنج اور کھلم کھلا مخالفت کا علم جو امام حسین (علیہ السلام) نے بلند کیا تھا، قائم و برقرار رکھا۔

دربار یزید کا منظر انتہائی حزیں تھا۔ خوف و ہراس اور دہشت کی فضا حاکم تھی۔ شام اور دیگر علاقوں کے اعیان و اشراف موجود تھے۔ جلاد اور ظالموں کی بڑی تعداد حاضر تھی۔ اس ہولناک دربار میں جناب زینب کبریٰ کو مع اہل بیت طہارت و رسالت لایا گیا اور پھر اہل بیت کے قلوب کے زخموں پر نمک پاشی کا عمل انجام دیا گیا۔ جب یزید نے امام حسینؑ کے سر مبارک کو سامنے رکھ کر بے ادبی کرنا شروع کی۔ وہ اپنے کفر آمیز اشعار کہہ رہا تھا۔

مصری ڈاکٹر عائشہ اپنی کتاب "بطلۃ کربلا" کے صفحہ ۱۴۰ پر لکھتی ہیں:

سارے اہل حرم سے آہ و بکا کی آواز بلند ہوئی مگر حضرت زینب سے نہیں"۔

ہاں! حضرت زینبؑ سے مخصوص نوعیت کی آواز بلند ہوئی، جو یزید کے خلاف اعتراض،

---

[1] من وحی الثورۃ ص ۶۸۔

نظام کی توہین ، یزید کے پورے خاندان کے بخیئے ادھیڑنے اور اس کے شیطانی اہداف وجاہلی نظریات وعقاید کی نشاندہی پر مشتمل تھی ۔ چنانچہ انقلاب حسین (ع) کے پہلے مرحلہ میں یہ کام خود حضرت امام حسین (ع) نے انجام دیا اور دوسرے مرحلہ میں شریکتہ الحسینؑ جناب زینب نے اسے انجام دیا ۔ علی (ع) کی بیٹی نے اپنے پدر بزرگوار کی فصاحت و بلاغت ، مادر گرامی (ع) کی جرأت حسن مجتبیٰ (ع) کی صبر و شکیبائی اور امام حسین (ع) کی صراحت لہجہ اور جنگ وجہاد کی روح کا نمونہ بنتے ہوئے ایک بے مثال تقریر فرمائی جو اپنے ہر لفظ اور ہر فقرہ میں روح شہامت ، کرامت نفس ، خود اعتمادی اور چیلنج کے ساتھ ساتھ دیگر حیرت انگیز صفات سے لبریز تھی ۔

اب ہم صرف خطبہ کو بغیر کسی تبصرہ کے نقل کرتے ہیں ۔ پڑھنے والے کو اس کا بغور مطالعہ کرنے سے حضرت زینبؑ کی قوت ارادی ، شجاعت اور مصائب و مشکلات سے مقابلہ کرنے کے بے انتہا حوصلے کا بخوبی علم ہوتا ہے ۔ چنانچہ اس نے یزید کے ظلم وستم کی عمارت اور جاہ وجلال اور عظمت وشوکت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ۔ اور اس کی وہمی فتح وخوشی کی محفل کو ہمیشہ کے لئے مجلس عزا میں تبدیل کر دیا :

حضرت زینبؑ کا خطبہ

" کتنا سچا ہے میرے پروردگار کا ارشاد : آخر ان لوگوں کی جو برے اعمال کرتے ہیں یہ نوبت پہنچی کہ وہ آیات خداوندی کی تکذیب کرنے ان کی ہنسی اڑانے لگے (۳۰ : ۱۰) ۔

اے یزید ! کیا تیرا یہ گمان ہے کہ چونکہ تو نے ہم پر زمین و آسمان کے تمام راستے بند کرتے ہوئے ہمیں اس حالت پر پہنچا دیا ہے کہ آج ہم تیرے سامنے قیدیوں کی طرح لائے جا رہے ہیں اور اس طرح ہم خدا کے نزدیک حقیر اور تو باعزت قرار دیا گیا ہے ؟

یا یہ کہ تجھے یہ ظاہری کامیابی (وہمی فتح) تیرے مقرب بارگاہ الٰہی ہونے کی جہت سے حاصل ہوئی ہے؟ اس خیال کے تحت تو خوش ہوکر اپنے شانوں پر نظر ڈال رہا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت تجھے یہی دکھائی دے رہا ہے کہ دنیا تیرے حکم کی پابند اور امور مملکت منظم و مرتب ہیں اور ہماری حکومت و سلطنت تیرے لئے صاف ہوگئی ہے۔ ذرا ٹھہر جا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کو بھول گیا ہے: نہ خیال کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے کہ ہم ان کو جو مہلت دیتے ہیں وہ ان کے لئے بہتری کا باعث ہوگی۔ ہم ان کو صرف اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کریں۔ بالآخر ان کے لئے حقارت آمیز سزا ہی مقرر ہے۔" اے پسر طلقاء[1]! کیا انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ تیری عورتیں اور کنیزیں پس پردہ ہوں۔ اور رسول (ص) کی نواسیوں کو قید کر کے دربدر اور دیار بدیار بے مقنع و چادر پھرایا جائے تاکہ ہر قریب، و بعید اور ذلیل و شریف شخص ہمارے چہروں کو دیکھے اس حالت میں کہ ہمارے ہمراہ نہ کوئی ولی ہے اور نہ بنی ہاشم کا کوئی اور جوان۔ تجھ سے کیا امید کیونکہ تو اسی ماں کا بیٹا ہے جو حضرت حمزہ کی جگر خوار ہے۔۔۔۔ پھر تو اس پہ یہ کہنے کی جرأت کرے۔۔۔۔ اور اب عبداللہ الحسین (ع) کے دندان شریف کے ساتھ بے ادبی کرے؟۔۔۔ گویا تو اپنے مشرک بزرگوں سے داد کا طالب ہے۔ گھبرا نہیں! تھوڑے ہی دنوں میں تجھے بھی اسی گھاٹ پر اتار دیا جائے گا اور اس وقت تو آرزو کرے گا کہ کاش تیرے ہاتھ شل اور زبان گنگ ہوتی اور تو نے جو کچھ کہا اور کیا وہ نہ کہا اور کیا ہوتا۔ بارالٰہا! ان ظالموں سے ہمارا حق ہمیں

---

[1] آزادشدگان کے بیٹے۔ یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔ جب رسول اکرم (ص) نے بنی امیہ کے تمام خاندان کو جس میں ابو سفیان و معاویہ بھی شامل ہیں۔ آزاد کیا تھا۔

دلا اور ہم پر ظلم کرنے والوں سے ہمارا انتقام لے ۔ ان پر اور ان کے حمائیتوں پر اپنا غضب اور عذاب نازل فرما ۔ اے یزید! تو نے اپنے اس گناہ عظیم کے ارتکاب سے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ تو نے اپنی ہی کھال ادھیڑی اور اپنا ہی گوشت پارہ پارہ کیا ۔ بہت جلد تو رسول اللہ (ص) سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اولادِ رسول (ص) کے خون کا بھاری بوجھ تیری گردن پر ہوگا ۔ اور آپ (ص) کی آل کی بے حرمتی کا جرم تیرے سر ہوگا اس دن جب اللہ تعالیٰ سب کو جمع کرے گا اور ہم پر ظلم کرنے والوں سے ہمارا حق دلائے گا ۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے : "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس رزق پاتے ہیں" (۳ : ۱۶۹) ۔ تیرے لئے اس سے بدتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ روزِ محشر اللہ تیرا فیصلہ کرنے والا محمد مصطفیٰ (ص) تیرے مدمقابل اور جبرائیل آپ (ص) کے مددگار ہوں گے اس وقت ان تمام لوگوں کو جنہوں نے تیرا ساتھ دیا اور تجھے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر رکھا ہے[1] معلوم ہو جائے گا کہ ظالموں کو کیسا برا بدلہ دیا جاتا ہے ۔ اگرچہ انقلابِ زمانہ نے یہ نوبت پہنچا دی ہے کہ میں تجھ سے گفتگو کر رہی ہوں اور میری نظروں میں تیری کوئی وقعت نہیں ہے ۔ لیکن کیا کیا جائے ۔ آنکھیں اشکبار اور دل میں آگ لگی ہوئی ہے ۔ اے سننے والے! اس سے زیادہ عجیب بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ خدا پرست افراد (حزب اللہ) جو پاکیزگی و نجابت کا نمونہ تھے شیطانی لشکر (حزب الشیطان) جو آزاد کردہ غلام تھے ۔ کے ہاتھوں قتل ہو جائیں ۔ ہمارے خون سے تمہارے ہاتھ رنگین ہیں ۔ تمہارے دھن سے ہمارا گوشت کھانے کی لذت ابھی زائل نہیں ہوئی اور طیب و طاہر اجسامِ شہدا ر بے گور و کفن پڑے

---

[1] اس میں معاویہ بھی شامل ہے ۔

ہوئے ہیں ۔ اگر تو ہماری یہ حالت اپنے لئے غنیمت و سود مند تصور کرتا ہے یہ در واقع تیرے لئے وبالِ جان ثابت ہوگی اس روز جب اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کے سوا اور کچھ نہ پائے گا ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ۔ میں اسی کی بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں اور اسی پر میرا اعتماد ہے ۔ اچھا! تو کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھ اور اپنی پوری کوشش صرف کر دے ، اپنی تمام جد و جہد کر لے ۔ لیکن خدا کی قسم! تو ہمارے ذکر و نام و نمود کو محو نہیں کر سکتا ہے ۔ اور نہ ہی ہمارے اصلی مشن و مقصد کو کوئی ٹھیس پہنچا سکتا ہے ۔ اس خونِ ناحق کا دھبہ تیرے دامن پر قیامت تک باقی رہے گا اور تو اسے کبھی بھی دھو نہیں سکتا ۔ تیری راہ یقیناً غلط ، تیری زندگی کے ایام قلیل اور تیری جماعت جلد ہی پراگندہ ہونے والی ہے ۔ وہ دن بہت نزدیک ہے جب منادی ندا کرے گا : "ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ۔" شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے پیشرو بزرگوں کا انجام سعادت اور آخری بزرگوں کا انجام شہادت و رحمت کے ساتھ مقرر فرمایا ہے ۔۔۔" [۱]

یہ ہے جناب زینب کا کردار جس نے ظالموں کے درباروں میں حالتِ اسیری میں ان کو ان کے خاندان سمیت بے نقاب کر دیا ۔ ابن زیاد ہو یا یزید ، دونوں کی حکومتوں کی بنیادیں ہلا ڈالیں ۔

زوجہ زہیر بن قین

آپ کا نام دیلم بنت عمرو تھا ۔ آپ اپنے شوہر زہیر بن قین جو شروع سے اہلِ بیت

---

۱ المقرم ص ۴۶۲ ۔ ۴۶۴ ۔ حیاۃ الامام الحسین (ع) ج ۳ ص ۳۷۸ ۔ ۳۸۰ ۔

سے منحرف تھے۔ کے ہمراہ حج پر گئیں اور حج کی ادائیگی کے بعد کوفہ واپس آرہی تھیں۔ اتفاقاً مقام "زرود" پر زہیر اور اس کے ساتھیوں کے خیمے حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے مقام نزول کے قریب نصب تھے۔

امام حسین (ع) نے زہیر کو بلا بھیجا۔ زہیر نے نفی یا اثبات میں جواب نہیں دیا۔ اس کے سابقہ موقف اور دیرینہ دشمنی کی وجہ سے اس کا رجحان یہ تھا کہ وہ نفی میں جواب دے گا۔ مگر زہیر کی پاک طینت زوجہ نے اس پر انکار کا راستہ بند کر دیا۔ اس کے احساسات کو زندہ کیا اور فطرتِ توحید کو تعصب کی آلودگیوں سے صاف کر دیا۔ اس نے زہیر کو مخاطب کر کے کہا:

"غضب خدا کا، فرزند رسول (ص) تمہیں پیغام ملاقات بھیجیں اور تم اس سے انکار کرتے ہو؟ کیا حرج ہے اگر تم جا کر حسین بن علی (علیہما السلام) کی بات سن آؤ۔۔۔"

زہیر اس بات سے متاثر ہو کر امام حسین (ع) کی خدمت میں پہنچے۔ اب خدا جانے آپ نے اس سے کیا راز و اسرار کی باتیں کیں کہ جب وہ آپ (ع) کے پاس سے اٹھے تو مکمل طور پر منقلب ہو چکے تھے اور ان کا سارا وجود بدل گیا تھا۔ انہوں نے امام حسین (ع) کا سپاہی بننے کا مکمل عزم کر کے اپنے ساتھیوں کو چلے جانے کی اجازت دے دی اور اپنی اس بابرکت زوجہ کو طلاق دے کر اسے اپنے اہلِ خاندان کے پاس چلے جانے کے لئے کہا۔[1]

زوجہ عبداللہ بن عمیر

آپ کا نام ام وہب بنت عبداللہ اور قبیلہ نمر بن قاسط سے تعلق تھا آپ عبداللہ بن عمیر

---

[1] بحار ج ۴۴ ص ۳۷۱، المقرم ۲۰۸۔ ترجمہ لہوف ص ۵۴۔ حیاۃ الحسینؑ ج ۳ ص ۶۸۔ طبری ج ۳ ص ۳۰۳

کلبی کی زوجہ تھیں۔ ابن زیاد کی طرف سے فرزندِ فاطمہ (ع) سے جنگ کے لئے فوجیں روانہ کرنے کا جب عبداللہ کو علم ہوا تو کہنے لگا:

"مجھے مشرکین سے جہاد کرنے کی ہمیشہ حسرت رہی ہے۔ ان لوگوں سے جہاد کرنا جو اپنے رسول (ص) کے نواسے کے ساتھ جنگ کر رہے ہوں یقیناً اللہ کے نزدیک مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے سے کم تر نہیں۔"

عبداللہ بن عمیر پھر اپنی زوجہ کے پاس گئے اور اسے اپنے ارادے سے مطلع کیا۔ اس پاکباز عورت نے عام عورتوں کے مزاج سے خلاف ان کے عزم و ارادہ کو اور زیادہ مضبوط کیا اور ان کے جذبۂ شہادت اور آتشِ عشق کو مزید بھڑکایا۔ اس نے کہا:

"تم نے صحیح فیصلہ کیا ہے۔ خدا تیرا رہبر و رہنما ہو۔ تو خود بھی جا اور مجھے بھی ساتھ لے چل"۔
چنانچہ رات کے وقت دونوں روانہ ہوئے اور کربلا پہنچ کر انصارِ حسین (علیہ السلام) کے ساتھ ملحق ہو گئے۔[1]

روزِ عاشور عبداللہ بن عمیر اذنِ جہاد لے کر میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ دشمنانِ خدا کو جہنم رسید کیا اور خود بھی کچھ زخم سہے۔ اس حالت میں عربوں کی عادت کے مطابق رجز پڑھنے لگے۔ ان اشعار نے ام وہب کے پیمانہ صبر کو لبریز کر دیا اور وہ بے ساختہ ایک گرز ہاتھ میں لے کر میدانِ جنگ میں آ گئیں اور پکار کر کہنے لگیں:

"میرے ماں باپ تم پر نثار! اولادِ رسول (ص) کی نصرت میں کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔"

دلیر و غیور عبداللہ کے لئے یہ منظر انتہائی صبر شکن ثابت ہوا۔ لہٰذا وہ فوراً اپنی زوجہ

---

[1] طبری ج ۳ ص ۳۲۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۱

کے پاس پہنچے اور چاہا کہ اسے خیمہ میں پہنچا دیں۔ مگر وہ خاتون واپسی سے انکار کرتے ہوئے کہنے لگیں:

"میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں حتیٰ کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ قتل نہ کر دیا جائے۔"

امام حسین (علیہ السلام) نے جب یہ منظر دیکھا تو آپ (ع) نے انہیں آواز دی:

"اللہ تم دونوں کو جزائے خیر دے۔ اے مومنہ! اہل حرم میں واپس آجاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھی رہو۔ کیونکہ عورتوں پر جہاد ساقط ہے"۔

ام وہب یہ سن کر حکم امام (ع) کی تعمیل میں واپس خواتین کے پاس خیمہ میں آگئیں۔[۱]

عبداللہ ابن عمیر انتہائی پامردی سے میدانِ جنگ میں مقابلہ کر رہے تھے۔ انہوں نے فوج اشقیا کے انیس سوار اور بارہ پیادہ افراد کو قتل کیا۔ وہ خود بھی زخموں سے چور ہو چکے تھے بالآخر ہانی بن ثبت حضرمی اور بکیر بن حیّ تیمی کے ہاتھوں وہ درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ ان کی زوجہ ام وہب اپنے شوہر کی لاش دیکھنے کی غرض سے میدان میں پہنچیں وہ اپنے شوہر کے سرہانے بیٹھ کر ان کے چہرہ سے گرد و غبار صاف کرتیں اور کہتی تھیں:

"تمہیں جنت مبارک ہو۔ بہشت کی سیر مبارک ہو۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو!"

اس حالت میں شمر کی نگاہ ان پر پڑی۔ اس نے اپنے غلام رستم کو آواز دی کہ ان کا بھی کام تمام کر دے۔ اس ظالم غلام نے اس ستم رسیدہ خاتون کی پشت کی جانب سے ان کے سر پر اچانک ایک گرز ایسا مارا کہ جس سے وہ شہید ہو گئیں۔

اس طرح کربلا کے خونیں انقلاب میں ایک انقلابی خاتون کا مقدس خون بھی شامل ہو گیا اور آپ (ع)

---

[۱] طبری ج ۳ ص ۳۲۲۔ المقرم ص ۲۹۴۔ حیاۃ الامام الحسین ج ۳ ص ۲۰۶۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۷

کی فوج میں یہ پہلی خاتون ہیں جن کا لہو باقی مجاہدین و سرفروش فداکاروں کے خون میں جا ملا۔[1]

ام وہب۔

وہب بن جناح کلبی میدان کارزار میں آگئے اور فوج اشقیا سے نہایت دلیری کے ساتھ جنگ کی۔ اس کے بعد اپنی والدہ اور زوجہ کی جانب جو کربلا میں ان کے ہمراہ تھیں واپس لوٹے اور کہنے لگے: "اے مادر گرامی کیا آپ مجھ سے راضی ہیں؟" ۔ اس باوقار ماں نے جواب دیا: "جب تک تم اپنی جان امام حسین (ع) کی نصرت میں قربان نہیں کر دیتے میں تجھ سے راضی نہیں ہوں۔" ان کی زوجہ نے راہِ شہادت میں رکاوٹ بننا چاہا مگر ان کی والدہ نے فوراً مداخلت کی اور کہا: "اے وہب! اسکی بات مت مانو اور دوبارہ میدانِ جہاد میں واپس جاؤ اور اپنی جان فرزندِ رسول (ص) پر نثار کر دو تاکہ امام حسین (ع) کے جدِ بزرگوار (ص) کی شفاعت نصیب ہو۔"

وہب میدان میں پلٹ آئے اور دونوں ہاتھوں سے محروم ہو گئے۔ جب یہ منظر اس بی بی کو نظر آیا تو وہ خیمہ سے نکل آئی اور ایک گرز اٹھا کر وہب کی جانب روانہ ہوئی اور کہہ رہی تھی: "میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ اولادِ رسول (ص) کی نصرت میں جہاد کرو۔" وہب نے چاہا کہ ان کو خیمہ کی طرف لوٹا دے مگر وہ کہہ رہی تھی: "جب تک میری جان باقی ہے میں نہیں جاؤں گی ۔ ۔ ۔"

امام حسین (علیہ السلام) نے جب اس حالت کا مشاہدہ کیا تو فرمایا: "اللہ تم دونوں کو جزائے خیر دے۔ اے امِ وہب! خیمہ میں واپس چلی جاؤ۔"[2]

۱۔ حیاۃ امام الحسین (ع) ج ۳ ص ۲۱۴ ۔ طبری ج ۳ ص ۳۲۶ ۔

۲۔ ترجمہ لہوف ص ۶۸ ۔ معالی السبطین ص ۲۲۵ پر یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ درج ہے ۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۲۰ ۔ مورخین اور اصحاب مقاتل میں یہ واقعہ محل بحث ہے کہ ام وہب کا واقعہ بعینہ زوجہ عبداللہ بن عمیر کا واقعہ ہے یا یہ دونو ں الگ الگ واقعات اور مستقل شخصیتیں ہیں؟ چونکہ

بحریہ بنت مسعود

یہ خاتون جنادہ بن کعب انصاری جو حملہ اولیٰ میں شہید ہو گئے تھے، کی زوجہ تھیں۔ ان کا ایک چھوٹا نابالغ بیٹا تھا جس کی عمر گیارہ سال تھی انھوں نے اپنے کم سن فرزند کو نصرت امام حسین (علیہ السلام) کے لئے بھیجا۔ اس نے خدمت امام (ع) میں حاضر ہو کر اذنِ جہاد طلب کیا مگر آپ (ع) نے اجازت دینے میں تامل فرمایا اس لئے کہ یہ نابالغ بچہ ہے اس کا والد ابھی ابھی درجہ شہادت پر فائز ہوا ہے۔ شاید اس کی بیوہ ماں اسے جہاد پر بھیجنے پر راضی نہ ہو۔ لیکن بچہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا: مجھے میری ماں نے ہی اس کا حکم دیا ہے۔

بالآخر امام (ع) نے اذن شہادت دے دیا۔ یہ بچہ عالم مسرت میں میدان کی طرف روانہ ہو گیا۔ سفاک دشمنوں نے اس کا سر کاٹ کر افواج حسین کی طرف پھینک دیا۔ اس کی شیر دل والدہ نے اس کا سر اٹھا لیا گرد و غبار سے اسے صاف کیا۔ اسے بوسہ دیا اور کہنے لگی: تو نے میرا دل خوش کر دیا۔ میری آنکھیں ٹھنڈی کیں۔

اس مجاہدہ اور صابر ماں نے اپنے بیٹے کے کٹے ہوئے سر کا استقبال کرنے پر اکتفا

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) وہب کے والد کے نام کے بارے میں اختلاف کے علاوہ یہ اختلافات بھی پائے جاتے ہیں: آیا یہ افراد کوفے سے آئے تھے یا امام حسین (ع) کی کربلا کی طرف روانگی کے وقت ان سے ملحق ہوئے تھے کیا یہ پہلے سے مسلمان تھے یا یہ نصرانی تھے اور امام حسین (ع) کے ہاتھوں مسلمان ہوئے تھے۔ عبداللہ بن عمیر کے ہمراہ صرف ان کی زوجہ تھیں یا ماں اور زوجہ دونوں ساتھ تھیں درجہ شہادت پر ان کی ماں فائز ہوئی تھی یا ان کی زوجہ شہید ہوئی تھیں۔ یہ مجاہد میدان جنگ میں شہید ہوا یا انہیں زندہ پکڑ کر عمر بن سعد کے سامنے پیش کیا گیا اور پھر ان کا سر کاٹ کر ان کی والدہ کی طرف پھینک دیا گیا۔ بہرحال بعض مورخین اسے ایک واقعہ اور بعض دو مستقل واقعات سمجھتے ہیں۔ فی الحال اس مسئلے کی تحقیق کرنا موضوع بحث سے خارج ہے۔ جو بھی نظریہ صحیح ہو وہ خواتین کے کردار کا بے مثال نمونہ ہے۔

نہ کی بلکہ جذبۂ جہاد وشہادت اور شوقِ ملاقاتِ خدا کا ایک نیا تصور بھی اس نے پیش کیا۔ اس نے اپنے فرزند کا سر فوج اشقیا کے ایک شخص پر دے مارا۔ جو قریب ہی کھڑا تھا اور وہ اس ضرب سے داخلِ جہنم ہو گیا۔ اس کے بعد ایک گرز یا تلوار لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمنانِ خدا پر ٹوٹ پڑی:

انا عجوز فی النساء ضعیفة　　خاویة بالیة نحیفة

اضربکم بضربة عنیفة　　دون بنی فاطمة الشریفة

میں طبقہ نسواں کی ایک بوڑھی ضعیفہ ہوں جو جسمانی لحاظ سے بہت کمزور ہے مگر اولادِ زہرا کے دفاع میں تم پر نہایت کاری ضرب لگاؤں گی۔

امام حسین (علیہ السلام) اس ضعیفہ کو خیمے میں واپس لائے لیکن اس سے پہلے وہ فوج کوفہ کے دو افراد کو زخمی کر چکی تھی۔[1]

رباب بنت امراؤ القیس

آپ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی زوجہ اور حضرت علی اصغر و سکینہ کی والدہ تھیں آپ میدانِ کربلا اور پھر اسیری میں شریک رہیں۔ آپ کو امام حسین (علیہ السلام) کے ساتھ بے انتہا محبت تھی۔ چنانچہ امام (ع) کی شہادت کے بعد بھی انھوں نے اسی محبت و مودّت کی لاثانی مثالیں قائم کیں۔ اگر آپ کو پیکرِ وفا سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہوگا۔

یہ باوفا خاتون اسیری میں بھی اور رہائی کے بعد بھی شب و روز مجلسِ عزا، گریہ و بکا، نوحہ خوانی اور ماتم میں ہمیشہ مصروف رہتی تھیں۔ چنانچہ امام حسین (علیہ السلام) کے وصف

---

[1] المقرم ص ۳۱۴۔ حیاۃ الامام الحسین (ع)، ج ۳ ص ۲۴۳۔ ابصار العین فی انصار الحسینؑ ص ۱۳۷۔

ومصیبت میں یہ اشعار ان کے ورد زبان بن چکے تھے ۔

ان الذی کان نوراً یستضاء بہ

بکربلا قتیل غیر مدفون

قد کنت لی جبلا صعبا الوذ بہ

وکنت تصحبنا بالرحم والدین

من للیتامی ومن للسائلین ومن

یغنی ویاوی الیہ کل مسکین

سبط النبی جزاک اللہ صالحۃ

عنا وجنبت خسران الموازین

واللہ لا ابتغی صہرا بصہرکم

حتی اغیب بین الرمل والطین

"بے شک وہ شخص جو نورِ ہدایت تھا کربلا میں شہید کئے جانے کے بعد بلا دفن پڑا رہا ۔ (اے حسینؑ !) آپؑ میرے لئے پہاڑ کی مانند ایک مضبوط قلعہ تھے ۔ اور بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آتے تھے ۔ آپ (ع) کی شہادت کے بعد یتیموں ، ناداروں اور ضعیفوں کو سہارا کون دے گا ؛ اے نواسۂ رسول (ص) اللہ آپ کو بہترین جزا دے اور آپ (ع) کے ترازو کا پلڑا تو بہت وزنی ہے ۔ قسم بخدا ! جب تک زندہ ہوں آپؑ جیسے شوہر کے بدلے میں کسی دوسرے فرد کو پسند نہیں کروں گی ۔ ۔ ۔ ۔ "

اسیری سے رہائی کے بعد آپ ایک سال تک اپنی کنیزوں اور اُن سے وابستہ خواتین کے ہمراہ امام حسین (علیہ السلام) پر گریہ وزاری میں مصروف رہیں اور اس طویل عرصہ میں

کسی چھت کے سایہ میں نہیں بیٹھیں۔ اسی طرح آپ نے یادِ امام حسین (علیہ السلام) میں دھوپ کی تپش میں زندگی بسر کردی۔

امام حسین بن علی (علیہما السلام) کے دریائے عشق میں ڈوبی ہوئی یہ خاتون، اپنے محبوب اور فرزندِ رسول (ص) کے غم میں اتنا روئیں کہ ان کی آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے چنانچہ ان کی ایک کنیز نے انہیں بتایا کہ سویق [۱] کے شربت کے استعمال سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں لہٰذا ان کے حکم سے یہ شربت تیار کیا جاتا جو یہ کھانے کے ساتھ استعمال کرتیں [۲]

اس حالت میں ایک سال گزارنے کے بعد، فرزندِ رسول (ص) کی حسرت و غم لئے آپ اس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی جانب رحلت کر گئیں [۳]

اسی طرح باقی خواتین خاص کر رسول اکرم (ص) کی نواسیوں نے شایانِ شان کردار ادا کیا ہے مگر ہم اختصار کے پیشِ نظر ان سب کے حالات بیان نہیں کر رہے۔ آپ خود مطول کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

یہ نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض خواتین کے بارے میں صحیح تاریخی مدارک سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ وہ کربلا میں امام حسین (ع) کے ہمراہ تھیں۔ جیسے حضرت علی اکبر کی والدہ ماجدہ جناب لیلیٰ کے بارے میں شبہ ہے کہ وہ کربلا میں نہیں تھیں [۴]

جناب شہید مطہری ان کے بارے میں فرماتے ہیں :

---

[۱] ایک خاص قسم کا شربت جو ستو سے تیار کیا جاتا ہے۔

[۲] کافی ج ۱ ص ۳۸۷۔

[۳] حیاۃ الامام الحسین (ع) ج ۳ ص ۴۲۹، فاطمہ بنت الحسین (ع) ص ۱۷-۱۸، آغانی ج ۱ ص ۱۴۱-۱۴۲

[۴] شرائط مبلغین ص ۱۷۸۔

"حتیٰ کہ ایک مورّخ نے بھی نہیں کہا ہے کہ وہ کربلا میں موجود تھیں[1]"۔

حضرت علی اکبر کو اذن جہاد ملنے سے پہلے یا بعد کے جو واقعات و حکایات جناب لیلیٰ سے منسوب کئے گئے ہیں اور جو آج کل زبان زد عام و خواص ہیں وہ ان کی شان کے قطعاً منافی ہیں۔ یقیناً وہ اس فکری و ایمانی سطح سے بالاتر تھیں۔

باقی خواتین تو اپنے اپنے لخت جگر اور عزیز و اقارب کو شہادت کے لئے آمادہ کر کے خندہ پیشانی سے انہیں پیش کرتی ہیں۔ لیکن کیا صرف جناب لیلیٰ ایسی ہیں جو نہ صرف حضرت علی اکبر کو شہادت کے لئے تیار نہیں کرتیں بلکہ اذنِ جہاد دینے میں بھی تامل کرتی ہیں اور جب انہیں اذنِ جہاد مل جاتا ہے تو اتنی پریشان حال اور بے بس ہو جاتی ہیں کہ کھلے بال دستِ دعا بلند کرتی ہیں یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو جناب لیلیٰ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ منسوب نہیں۔ کیا جناب لیلیٰ کی قوت ایمانی اور پختہ ارادہ باقی خواتین سے کم تھا؟ بہرحال یہ موضوع دیگر موضوعات کی طرح تشنۂ تحقیق ہے۔

---

[1] حماسہ حسینی ج ۱ ص ۲۰

باب دھم

انقلابِ حسینی مشعلِ راہ ہے

عزتِ نفس ○ منصوبہ بندی ○ زمان کے لحاظ سے ○ مکانی منصوبہ بندی ○ اسلحہ کے لحاظ سے ○ غیر متزلزل ارادہ ○ ایثار ○ فریضہ کی انجام دہی ○ قلیل گروہ کی کامیابی ○ قیادت اور رعایا ○ شہادت فی سبیل اللہ ○ عقیدہ اور خوف ○ دین و سیاست ○ بے بندو باری سے رہائی ○ خواتین کے لئے سنہری تقلید ○ مقررین و ذاکرین کے لئے اعلیٰ نمونہ ○ اتحاد بین المسلمین ○ دو متوازی راہیں ○ خلاصہ کلام ○

نبی اکرم (ص) کا امام حسین بن علی (علیہما السلام) کے بارے میں ارشاد ہے :
"حسین (ع) شمع ہدایت اور کشتیٔ نجات ہیں ۔"

ہاں ! امام حسین (علیہ السلام) ہر مقام پر مینار ہدایت ، ہر طوفانی سمندر میں کشتیٔ نجات ، ہر ظلمت و تاریکی میں شمع فروزاں ، ہر مظلوم و محروم کے دل کا سہارا ہر ظالم و جابر کے لئے تیغ براں ، ہر سکوت و جمود میں حرکت و انقلاب ، ہر مجاہد و آزادی خواہ کی سپر ، ہر اجتماعی و اخلاقی بحران کا حل اور ہر سیاسی ، فکری و ثقافتی مرض کا واحد علاج ہیں ۔

حسینی انقلاب کا ہر پہلو درس زندگی دیتا ہے یہ انقلاب سراپا سبق و نصیحت ہے اس کا ہر مرحلہ ، ہمارے مراحل عمل کا عملی علاج پیش کرتا ہے اور یہ زندگی کے ہر حیرت ، تذبذب اور تردد کے تاریک مراحل میں مشعل راہ ہے ۔

یہ اور بات ہے کہ ہم اس عظیم انقلاب سے فائدہ اٹھانے میں کتنے مستعد ہیں ۔ وہ افراد بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں جو واقعہ کربلا کو واقعہ کی حد تک زندہ رکھنے پر اکتفا کرتے ہیں اور اس کی سبق آموز اور ہمہ گیر اطراف کو نظر انداز کر دیتے ہیں یا صرف اس کے مصائب اور مظلومیت کے پہلو کو لے لیتے ہیں ۔ اور اس کی حیات بخش تعلیمات کو بھول جاتے ہیں ۔

یہ رویہ رکھنے والے اپنی کج فکری کی وجہ سے نہ صرف اپنے آپ کو اس انسان ساز انقلاب کی عملی فیوضات اور اعلیٰ ترین تعلیمات سے محروم رکھتے ہیں بلکہ دانستہ یا نادانستہ اس انقلاب

کی پشت میں خنجر گھونپنے کے مترادف بن جاتے ہیں چنانچہ خود حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے کلمات و فرامین کا سرسری جائزہ لینے سے کسی شک و تردید کے بغیر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مذکورہ رویہ حسینی مکتب سے کتنا دور اور مکمل طور پر مردود ہے ۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت امام حسین کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ صرف آپ(ع) خود اپنے جد بزرگوار(ص) اور پدر عالیمقام (ع) کی سیرت طیبہ پر عمل کرتے ہوئے جان و مال اور اپنا تمام وجود ایثار کرنے کی حد آگے بڑھ جائیں اور دوسروں کو ان (ع) کے فرامین پر عمل کرنے سے معافی دے دی جائے ۔ یہ سراسر اصولِ اسلام ، احکامِ قرآن اور سیرت و عملِ ائمہ طاہرین(ع) کے منافی ہے ۔

بہرحال اس باب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ واقعہ کربلا کو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاکم بنایا جائے اور ہم کربلا میں پیش کردہ معیار و کسوٹی کو اپنی انفرادی ، سماجی اور گھریلو زندگی کا معیار بنائیں ۔ لہٰذا اس انقلاب کے مجموعی اطوار اور ہمہ گیر اسباق و تعلیمات کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں ۔ تاکہ گوشِ شنوا اور چشمِ بینا اس بحرِ بیکراں سے مستفیض ہوسکے ۔

یہ واضح ہے کہ انقلاب حسینی(ع) کے اسباق ، اخلاقی ، ایمانی ، عملی اور تحریکی وغیرہ جیسے مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں ۔ لیکن ہماری کوشش یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ عملی میدان سے مربوط پہلو کا تذکرہ ہوجائے

۱۔ عزتِ نفس

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی مجموعی زندگی اور آپ (ع) کے سارے سیاسی مؤقف خاص کر آپ (ع) کے خطبات اور مراسلوں میں مختصر یہ کہ قیام حسینی کی ابتدائے سے انتہا

تک، عزتِ نفس، کرامت و شرافت اور بزرگی کے اسباق کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آتا ہے
آپ (ع)، نے کہیں بھی ایسا موقف و رویہ اختیار نہیں کیا اور نہ ایسا کلام فرمایا جس میں ایک
لمحہ کے بھی ضعفِ نفس، کمزوریٔ ارادہ یا تردد کا شائبہ تک ہو۔ جبکہ بہادر انسان بھی
اپنی زندگی کے سخت مراحل میں کبھی اپنے مؤقف میں لچک پیدا کر لیتا ہے مگر امام حسین
(علیہ السلام) نے سخت ترین مراحل میں بھی عزت نفس، بلند ہمتی اور کرامت و شرافت جیسے بلند ترین
انسانی کمالات کا بے مثال ثبوت فراہم کیا۔ گویا یہ اوصاف آپ (ع)، کے وجود کا ناقابل انکار حصہ ہیں۔

حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے مواقف اور موضوع کے ضمن میں ارشاد کردہ فرامین کی
بلندی کا اندازہ اس وقت صحیح طور پر لگایا جا سکتا ہے جب اس وقت کی سیاسی فضا اور سماجی
ماحول کا علم ہو۔

اس وقت خوف و ہراس اور دہشت گردی کا عالم تھا۔ اہل کوفہ جناب مسلم کی بیعت کرنے
کے بعد ان سے اس لئے غداری کر گئے کہ اس وقت کوفہ میں ابن زیاد کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔
اہلِ کوفہ زیاد اور ابن زیاد کو بخوبی جانتے تھے کہ وہ کتنے خونخوار ہیں۔ لہذا اس کی کوفہ میں آمد
کی خبر پھیلتے ہی لوگ حضرت مسلم کے ارد گرد سے ہٹنا شروع ہو گئے۔

زیاد کی دہشت گردی کا تذکرہ باب دوم میں گزر چکا ہے۔ اب عبید اللہ ابن زیاد کی درندگی کی ایک
مثال یہ ہے کہ امام حسین (علیہ السلام) سے جنگ کے لئے جانے کا کوفہ میں علی الاعلان حکم صادر
کرنے کے بعد ایک مرد "ہمدانی" کو جو کسی میراث کے معاملے میں کوفہ آیا ہوا تھا۔ محض اس لئے
قتل کر دیا گیا کہ وہ دوسروں کے لئے عبرت بن جائے ؂۱

لیکن فرزند علی (علیہ السلام) ہیں کہ آپ (ع)، نے اس کے جبر و تشدد اور خونخواری کی

؂۱ حیاۃ الامام الحسین (ع) ج ۳ ص ۱۱۷۔

پرواہ نہ کرتے ہوئے کربلا میں ایسے آتشیں خطبات دیئے کہ جن میں عزت و شرافت کے دریا موجزن ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف خود عمر بن سعد کو بھی کرنا پڑا جب شمر بن ذی الجوشن، ابن زیاد کا تہدید آمیز خطلے کر آیا تو اس نے کہا:

"حسین (ع) سر تسلیم خم نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ اپنے سینے میں آپ (ع) اپنے باپؑ کا دل رکھتے ہیں۔" [۱]

آپ (ع) علی الاعلان فرمایا کرتے تھے:

"الا ان الدعی ابن الدعی قد رکزنی بین اثنتین بین السلة والذلة وھیھات منا الذلة ....." [۲]

امام حسین (علیہ السلام) ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"سامضی فما بالموت عار علی الفتی
اذا ما نوی حقاً وجاھد مسلما" [۳]

"میں اپنے مؤقف پر قائم رہوں گا اور موت کا سامنا کرنے میں جوانمرد کے لئے کوئی عار و ننگ نہیں جبکہ اس کی نیت میں سچائی اور وہ اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر کے جہاد کر رہا ہو۔"

آپؑ نے فرمایا:

---

[۱] ارشاد ۲۳۰۔ اعلام الوریٰ ۲۷۵۔ طبری میں لفظ باپ کی جگہ "ابیہ" ہے جس کا معنی ہے:
"حسین (ع) اپنے سینے میں ذلت ناپذیر نفس رکھتے ہیں۔" طبری ج ۴ ص ۳۱۳۔

[۲] ترجمہ و حوالہ باب سوم میں گزر چکا ہے۔

[۳] ارشاد ۲۲۵۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۱۴۔ المقرم ۱۹۹۔۲۱۰۔ تذکرۃ الخواص ص ۲۱۷۔ طبری ج ۴ ص ۳۰۶۔

"الموت اولیٰ من رکوب العار
والعار اولیٰ من دخول النار" ؎۱

"ننگ و عار برداشت کرنے سے مرجانا بہتر ہے۔ ظاہری عار و ذلت قابل برداشت ہے آتش میں داخل ہونے سے۔"

"الموت فی عز خیر من حیاۃ فی ذل"۔
ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔"

امام حسین (علیہ السلام) کے پیروکاروں کو چاہیئے کہ امام حسین (علیہ السلام) کی طرح زندگی بسر کریں یا موت و شہادت کو گلے کا ہار بنا لیں جبکہ اس میں اسلام کے اصول اور قرآن کے احکام کی حفاظت مضمر ہو۔

۲۔ منصوبہ بندی

عموماً کسی بھی کام کی کامیابی یا شکست کا انحصار اس کی انجام دہی کی منصوبہ بندی پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی کام اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتا جب تک اس کے تمام مثبت و منفی پہلوؤں کا عمیق جائزہ نہ لے لیا جائے۔ امام حسین (علیہ السلام) کے اس عظیم ترین تاریخی انقلاب کی ایک خاصیت یہ تھی کہ اس کی پلاننگ اس انداز سے کی گئی تھی کہ اس دور کے سیاسی مبصرین بھی اس کے ادراک اور سمجھنے سے قاصر رہے چنانچہ آپ (ع) کے دشمن یعنی حاکم نظام کی مشینری بھی غلط فہمی میں مبتلا رہی اور وہ اس وقت آپ (ع) کی بصیرتِ حرب، وسیع النظری اور ہمہ گیر منصوبہ بندی سے واقف ہوئے جب

؎۱ سخنان حسین (ع)، ص ۳۱۷

اس کا تدارک ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ سابقہ مباحث میں گزر چکا ہے کہ انقلاب حسین (ع) کی کامیابی کا سب سے بڑا عنصر اسی منصوبہ بندی میں پوشیدہ تھا۔

حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے چند سمتوں سے اپنے قیام کی بے مثال منصوبہ بندی اور پلاننگ کی۔ اس پلاننگ کی تفصیل اس وقت سامنے آئی جب قیام و انقلاب حسینی کامیابی کے ساتھ ہر مرحلہ سے گزر چکا تھا۔

الف۔ زمان کے لحاظ سے

گذشتہ ابواب میں یہ بات ایک حقیقت کی شکل میں سامنے آگئی تھی کہ امام حسین (علیہ السلام) کی نگاہ میں انقلاب و قیام کے محرکات وعوامل خود معاویہ کے دور میں پائے جاتے تھے مگر عہد معاویہ گزرنے کا آپؑ نہایت صبر و تحمل سے انتظار کرتے رہے اور جب یہ دور گزر گیا تو نظام جاہلیت کے خلاف قیام و انقلاب کے لئے آپ (ع) نے یزیدی دور کا انتخاب فرمایا۔ اگر عہد معاویہ میں یہ قیام عمل میں آتا تو لامحالہ مطلوبہ کامیابی اور مطلوبہ نتائج برآمد نہ ہوتے چنانچہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ب۔ مکانی منصوبہ بندی

مکان کے اعتبار سے بھی کربلا کو منتخب کرنے کی پلاننگ کامیاب ثابت ہوئی۔ چنانچہ اگر امام حسین (علیہ السلام) مدینہ یا مکہ میں قیام کرتے اور یزیدی افواج سے جنگ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو جاتے تو یہ واقعہ کم و بیش واقعہ حرہ اور عبداللہ بن زبیر کے وقائع قتل کے برابر ہوتا۔ انقلاب کے اہداف و مقاصد کا کوئی تذکرہ باقی رہتا اور نہ اس کے آثار و نتائج کا کوئی ذکر ہوتا بلکہ اس بات کا بعد یقین امکان تھا کہ آپ (ع) کی شہادت کو حاکم وقت اپنے مخالفین کی سرکوبی کا ذریعہ بنا لیتا۔

ج۔ اسلحہ کے لحاظ سے

اسی طرح جو اسلحہ حرب اور وسائل انقلاب آپ (ع) اپنے ہمراہ لے کر آئے تھے وہ اگرچہ تلوار و تفنگ اور ایٹم بم وغیرہ تو نہیں تھا لیکن بالکل اور جاہلیت کے نظام و نظریات پر مبنی ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی عمارت کی تباہی میں وہ اتنا کارگر ثابت ہوا کہ اس نے ایٹم بم سے بھی زیادہ کام کیا۔ یہ اسلحہ تھا آل رسول (ص) کو ساتھ لانا ان کی اسیری اور اس کے بعد کے واقعات۔

اِنّ اللہ شاء ان یراھن سبایا۔"

اللہ کی مشیئت یہی ہے کہ اہلِ حرم اسیر بنیں"۔

۳۔ غیر متزلزل ارادہ

امام حسین (ع) قبل از انقلاب ہی اس کے نتائج سے بخوبی آگاہ تھے۔ لہذا آپ (ع) نے کئی بار اپنی شہادت کی خبر خود اپنی زبان مبارک سے دی۔ یزیدی نظام کو قبول نہ کرنے کا حتمی نتیجہ وہی ہو سکتا تھا جو بعد میں پیش آیا۔

مکہ سے عراق روانگی کے موقع پر آپ (ع) نے ان سب کا مشورہ مسترد کیا اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ (ع) عسکری نوعیت کی فتح و کامرانی کے بارے میں پرامید تھے۔ بلکہ آپ (ع) باقی افراد سے زیادہ اپنے انجام اور عراقیوں کی بے وفائی سے واقف تھے۔ مگر مرحلہ کچھ ایسا تھا کہ شہادت و قربانی کے علاوہ کوئی چارہ کار اور متبادل راستہ نہیں تھا۔ لہذا آپ (ع) نے مرحلہ اور وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے مصمم ارادہ کر لیا اور اپنے موقف پر آخر دم تک سیسہ پلائی دیوار سے بھی کہیں زیادہ مضبوطی سے قائم رہے اور استقامت

اور ثابت قدمی کا بے مثال ثبوت دیا۔ چنانچہ آپ (ع) نے اپنے برادرِ گرامی مح
حنفیہ کے جواب میں فرمایا:

"بھائی ساری دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہ بھی ملے تب بھی میں یزید کی بیعت نہیں کروں گ

امام حسین (علیہ السلام) کی استقامت، شجاعت اور ثابت قدمی کا یہ عالم ہے کہ
اشقیاء میں سے ایک سپاہی حمید بن مسلم کا بیان ہے:

خدا کی قسم! میں نے کوئی ایسا دل شکستہ اور زخم رسیدہ آدمی نہیں دیکھا جس کی اول
بھائی اور اعزاء و انصار سب قتل ہو گئے ہوں اور وہ حسین (علیہ السلام) سے زی
مطمئن، مستقل مزاج، ثابت قدم اور باہمت ہو۔" [2]

۴- ایثار

انقلاب حسین (علیہ السلام) نے دوسروں کو حق و حقیقت، عقائد و اقدار او
اصول و نظریات کی حفاظت کی خاطر ہر چیز کی قربانی دینے کا جذبہ رکھنے کا درس دیا او
خود امام حسین (علیہ السلام) نے عملاً یہ کام کر کے دکھا دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ (ع)
تاکید کے ساتھ اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی کہ اسلام کے اصول، قرآنی تعلیمات اور کا
نظام الٰہی کا دفاع ایک عام فریضہ ہے۔ جس کی ادائیگی میں بغیر کسی امتیاز کے چھوٹے بڑے
مرد، عورت، جوان، بچے اور امیر غریب سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں یہ اور بات ہے ک

---

[1] مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۱۸۸ - سخنانِ حسین بن علی ؑ ص ۳۲ -

[2] ارشاد ص ۲۴۱ - اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ ص ۲۸۸ - تاریخ طبری میں اس فقرے کا اضافہ ہے
"خدا کی قسم! میں نے ان سے قبل اور ان کے بعد بھی ان (ع) جیسا کوئی نہیں دیکھا۔"

اس فریضہ کی ادائیگی کی کیفیت ایک دوسرے سے مختلف ہو۔ چنانچہ آپ (ع) کے گوہرفشاں یہ کلمات اس مدعیٰ کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

"پالنے والے! تیری رضا پر ہم راضی ہیں"۔ [1]

آپ (ع) کی زبان حال پر ہر مشکل اور کٹھن حالات میں یہ شعر جاری رہتا تھا:

اگر میرے نانا (ص) کا دین میری رگ حیات کے قطع ہونے پر موقوف ہے تو اے خون آشام تلوارو! آؤ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردو۔"

۵۔ فریضہ کی انجام دہی

امام حسین (علیہ السلام) نے ہمیں یہ درس بھی دیا ہے کہ ایک فریضہ انجام دینے سے دوسرا فریضہ ساقط نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ آپ (ع) نے عین جہاد کے وقت اور سخت ترین حالات میں جب کہ ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی فریضہ نماز قائم کرکے یہ بتا دیا کہ جہاد و شہادت کا مقصد حکم الٰہی کا قیام ہے۔ جس میں نماز کو باقی واجبات پر فوقیت و اولیت حاصل ہے۔ آپ (ع) کے اس مثالی اقدام سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بے حد ضروری ہے کہ جب جہاد پر عمل کرتے ہوئے بھی کسی فرد سے نماز نہیں چھوٹ سکتی تو ان افراد سے بطریق اولیٰ نماز نہیں ترک ہونی چاہیئے۔ جو صرف ذکر جہاد و شہادت امام حسین (ع) میں سرگرم ہوں۔

۶۔ قلیل گروہ کی کامیابی

میدانِ جنگ میں اور دیگر محاذوں پر فتح و کامیابی کا دار و مدار ہمیشہ افراد کی تعداد پر نہیں

---

[1] المقرم ص ۲۵۷۔

ہوتا یعنی یہ کوئی قانون الٰہی نہیں ہے کہ جہاں لشکر کی تعداد زیادہ ہو وہاں کامیابی اور
جہاں کم ہو وہاں شکست ہوگی۔ بلکہ قانونِ الٰہی میں کامیابی و شکست کا معیار اصول و ضوابط
اور حق و باطل ہے۔ کیونکہ حق ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے اور حق بذاتِ خود ناقابل شکست طاقت
ہے لہٰذا جو حق کے ہمراہ ہوتے ہیں وہ لامحالہ کامیاب و کامران رہتے ہیں اگرچہ تعداد میں
وہ کم ہوں اور اس راہ میں جان بھی دے دیں۔ باطل گروہ ہمیشہ شکست کھاتا ہے کیونکہ
باطل بذاتِ خود شکست خوردہ اور ناپائیدار ہوتا ہے اگرچہ وہ وقتی طور پر توپ و تفنگ
کے بل بوتے پر کھڑا کیوں نہ ہو۔

قرآن کریم کی منطق یہی ہے کہ فتح و کامرانی ہمیشہ صحیح عقیدہ، محکم ایمان، اور مردانِ
الٰہی سے مخصوص ہوتی ہے:

"انّا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیاۃ الدنیا و یوم یقوم
الاشہاد" (۴۰:۵۱)

"بے شک ہم زندگانی دنیا میں اپنے رسولوں اور ان لوگوں کی مدد کرتے رہتے ہیں جو
ایمان لائے ہیں اور جس دن (بھی) جب گواہ کھڑے ہوں گے۔"

"ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین"۔ (۳:۱۳۹)
اور ہمت نہ ہارو اور رنجیدہ نہ ہو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر مومن ہو"۔

"کم فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ"۔ (۲:۲۴۹)
بہت سے چھوٹے گروہ بڑے گروہ پر بحکم خدا غالب آگئے ہیں"۔

۷- قیادت اور رعایا

واقعہ کربلا میں قیادت ورعایا کے درمیان مکمل ہم آہنگی اور متبادل اعتماد کا اعلیٰ نمونہ پایا جاتا ہے جو کہ مسلمانوں کے دیگر حکام و رعیت کے لئے قابل تقلید درس ہے۔ حضرت امام حسین (علیہ السلام) اپنے اصحاب و انصار اور اہل بیت کو واپس چلے جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن رعایا یعنی آپ (ع) کے اہل بیت اور اصحاب باوفا بیک زبان ہو کر نہ صرف آپ (ع) کو چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیتے ہیں بلکہ آپ (ع) کی جان پر چندیں بار قربان ہونے کی تمنا بھی کرتے ہیں۔[1]

امام حسین (ع) کے اس موقف سے ایک اور عنصر نمایاں ہوتا ہے اور وہ ہے حقیقت و راست گوئی۔ آپ (ع) نے منزل زبالہ پر اور پھر شب عاشور اپنے ساتھیوں اور اہل بیت کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ یعنی آپ (ع) کے ہمراہ رہنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور آپ (ع) نہیں چاہتے کہ کوئی فرد موت فی سبیل اللہ اور شہادت کو کسی لحاظ سے کسی دباؤ یا عادت اور مجبوری کے تحت اختیار کرے۔ بلکہ ہر فرد کو مکمل آزادی دی جاتی ہے کہ وہ اپنے ارادہ علم اور معرفت سے شہادت کا انتخاب کرے۔

لہٰذا جب اصل واقعہ کربلا علم و معرفت اور حقائق سے آگاہی کے اصول و بنیاد پر مشتمل ہے۔ تو اس واقعہ کا تذکرہ، مصائب و فضائل کے اکثر پہلو۔ مفروضہ و کہانی، غیر معتبر روایات اور من گھڑت احادیث پر مشتمل کیوں ہوتے ہیں ؟!

---

[1] طبری ج ۳ ص ۳۱۵، ارشاد ص ۲۳۱، بحار ج ۴ ص ۳۹۳

۸۔ شہادت فی سبیل اللہ

شہادت در راہِ خدا حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے نزدیک اسلامی اصول کی حفاظت کا ذریعہ تھی۔ گو شہادت بذاتِ خود ایک بلند مقام اور سعادت کا ابدی کا پیغام ضرور ہے لیکن امام حسین (علیہ السلام) اسے ہر حالت میں نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ جب آپ (ع) نے ملاحظہ کیا کہ اب شہادت اپنے اہداف و مقاصد کی تکمیل کا واحد ذریعہ ہے تو آپ (ع) نے ایک تیر سے دو شکار کئے ابدی سعادت اور تکمیل ہدف۔

یہاں سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہادت جب خود امام حسین (علیہ السلام) کی نگاہ میں ذریعہ تھی تو ہمارے نزدیک ذکر شہادت کیسے اور کیوں ہدف بن گیا؟!

۹۔ عقیدہ اور خوف

امام حسین (علیہ السلام) نے ہمارے لئے ایک اصول وضع کیا۔ یعنی عقیدہ کو خون سے باہم مربوط کر دیا اور ان دونوں کے درمیان گہرے اور پائدار تعلق کا ثبوت دیا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت اور مشاہدہ ہے کہ جہاں صرف عقیدہ ہو وہ خون کے بغیر خشک، متزلزل اور ناپائیدار ہوتا ہے۔ لہذا وہ باد مخالف کے پہلے جھونکے سے ہی شکست کھا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کہیں صرف خون ہو عقیدہ کے بغیر (انقلاب بغیر عقیدہ) تو وہ رفتہ رفتہ ایک بت کی شکل اختیار کر جاتا ہے یہ دونوں طریقے انسان کے لئے مہلک نتائج پیدا کرتے ہیں۔

لیکن جو امر انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے لئے مفید و جاوید ثابت ہوتا ہے وہ خون سے رنگین عقیدہ ہے۔ صحیح عقیدہ اگرچہ بذات خود ثابت ہے مگر خون اس کی نشو و نما، پھلنے پھولنے

اس کے ماننے والوں کے دل و جان میں ریشہ دوانی کے مواقع پیدا کرنے اور اسے زندہ و جاوید، موثر و متحرک بنانے کے اسباب و وسائل فراہم کرتا رہتا ہے۔
لہذا خون و عقیدہ کے درمیان موجود رشتہ کے راز کو امام حسین (علیہ السلام) نے عملی طریقے سے فاش کیا۔

۱۰۔ دین و سیاست

حسینیؑ انقلاب دین و سیاست کو جدا جدا ماننے والوں پر ناقابلِ تلافی ضرب کاری تھا اور امام حسین (علیہ السلام) نے عملاً یہ بتادیا کہ ان دونوں کے درمیان نہ صرف گہرا تعلق قائم ہے بلکہ سیاست دین مقدس اسلام کا ایک بنیادی عنصر ہے۔ اس عنصر و سیاسی پہلو سے صرف نظر کرنا خود اسلام کے مجموعی نظام میں نہ پُر ہونے والا شگاف پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

اگر امام حسین (علیہ السلام) کے نزدیک دین سیاست سے جدا اور سیاسی میدان دینی میدان سے الگ ہوتا تو حاکم نظام کو تسلیم کر لینے میں کیا حرج تھا؟ باوجودیکہ آپ (ع)، اپنے دینی معاملات میں بالکل آزاد تھے۔ نیز یہ کہ حکومت یزید سے کل اسلام کو کہاں سے خطرہ لاحق ہوا؟ حالانکہ اس کا دائرہ کار میدانِ سیاست تک محدود تھا اور دینی پہلو دیانتداروں کے پاس۔
حقیقت وہی ہے جو سابقہ مباحث میں گزر چکی ہے۔ دین و سیاست میں کوئی جدائی نہیں تھی۔ لہذا کسی حاکم کا رویہ کبھی دین و دنیا دونوں کی تباہی کا باعث بنتا ہے اور کبھی اس کے برعکس ثابت ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے دین و دنیا (مکمل اسلام) پر بنی امیہ، اسلام کے روپ میں ظاہر ہو کر اپنی

اجارہ داری قائم کئے ہوئے تھے ۔ اور حقیقت میں وہ جاہلیت کے نظریات پیش کر رہے تھے ۔ امام حسین (علیہ السلام) نے حاکم وقت سے مقابلہ کر کے یہ بتا دیا کہ حقیقی اسلام میں دین و دنیا الگ، الگ نہیں اور بنی امیہ دینی و سیاسی دونوں اعتبار سے اس مقام خلافت کے اہل نہیں تھے ۔

۱۱ - بے بندو باری سے رہائی

کربلا کے جوانوں اور نوجوانوں کے مواقف، شوق شہادت اور فداکاری سے ہمارے جوان یہ درس حاصل کریں کہ وہ انہیں اپنی زندگی کا معیار اور اسوہ حسنہ قرار دے کر عقیدہ اسلام اور اصول و اخلاق کے حصول اور پھر اس کے دفاع میں اپنی زندگی صرف کریں اور حضرت علی اکبر، حضرت قاسم، حضرت ابوالفضل اور فرزندانِ آل عقیل کے نقش قدم پر چلیں ۔ حینیت کو اپنا مکتب حیات ماننے والے جوان کو کبھی یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی ساری جوانی کھیل کود، کج روی، آوارگی اور لایعنی کاموں میں صرف کر دے ۔

ہمارے جوان اس نکتہ کی طرف بھی توجہ کریں کہ زندگی اور نفس امارہ کے مادی شہوانی اور انانیت کے جو ناجائز تقاضے ہر فرد میں پائے جاتے ہیں ۔ کربلا کے جوان یقیناً ان تقاضوں سے مستثنیٰ نہ تھے ۔ لہٰذا یہ کہنا کہ عہد جوانی میں ایسے کام کرنا جوانی کے تقاضے ہی ہیں، کسی عقل و منطق کی بنیاد پر قائم نہیں ہے ۔

جوانوں کو چاہیئے کہ جوانان کربلا کے خط پر چلنے کا عہد کریں اور ہر تباہ کن آزادی اور مشرق و مغرب کی کورانہ تقلید سے آزاد ہو کر عقل و منطق کی اتباع کریں اور اپنے میں انقلاب، تبدیلی اور تحریک پیدا کریں ۔ پھر معاشرہ کی اصلاح، اسلام کے پھیلاؤ اور پوری انسانیت

کی نجات کا ہم و غم سینے میں لے کر، میدانِ جہاد میں ہتھیلی پر جان رکھ کر، مکمل ارادہ کے ساتھ نکلیں۔ اس میں زندگی کے حقیقی مقصد اور اسلامی اصولوں پر عملدرآمد کرنے کا واحد ذریعہ پایا جاتا ہے

خواتین کے لئے سنہری تقلید

عورتوں کو جناب زینب کبریٰ (ع) کے نقشِ قدم پہ چلنے کی دعوت دی جاتی ہے کہ ان کی طرح ہر ایک اپنے اپنے شرعی فریضہ پر عمل کرے۔ تبلیغی میدان ہو یا سیاسی۔ جناب زینب (ع) تو اپنے وظیفہ پر عمل کرنے کی اتنی پابند تھیں کہ اسیری کے ایام میں بھی ان سے نماز نافلہ ترک نہیں ہوئی۔ زینبی خواتین کو چاہیئے کہ کم سے کم نماز واجب تو پابندی سے ادا کریں۔

اسی طرح جناب زینب (ع) کو اسوہ حسنہ ماننے والی عورتوں پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ ان عورتوں کو دندان شکن جواب دیں جو اہل بیت رسول (ص) کی اسیری کی حالت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے معاشرہ میں بے پردگی کا پرچار کرتی ہیں اور اہل بیت کی حالت مجبوری کو عام بے پردگی کے جواز پر استدلال کرتی ہیں۔ یہ استدلال بذات خود تار عنکبوت کی حیثیت سے زیادہ وزنی نہ ہونے کے ساتھ ساتھ کتنا بڑا ظلم ہے جو اہل بیت کا نام لیتے ہوئے ان پر روا رکھا جاتا ہے اور یہ منحرف خواتین اس واقعہ سے سبق لینے کے لئے آمادہ نہیں جو حالت اسیری میں شام میں پیش آیا تھا اور جس سے پردہ کی اہمیت اور حسب قدرت اس کی فراہمی کی ضرورت واضح ہوتی ہے :

"۔۔۔ صحابی رسول (ص)، سہل بن سعد جناب سکینہ سے دریافت حال ہوئے۔ جناب سکینہ نے کہا : میں سکینہ بنت حسین (ع) ہوں۔ سہل نے پوچھا : کیا کوئی حاجت ہے جو میں

پوری کر سکوں۔ جناب سکینہ نے کہا: ہاں۔ ہمارے لئے کچھ کپڑوں (پردے) کا بندوبست کردو جس سے ہم اپنے بدن چھپا سکیں۔ سہیل کہتا ہے: میں نے اپنا عمامہ اور باقی کپڑے انہیں دے دیئے۔ [ا]

مقررین وذاکرین کے لئے اعلیٰ نمونہ

واقعہ کربلا تبلیغ وترویج اسلام کا بہترین ذریعہ ہے اور مقررین وذاکرین کو چاہیئے کہ وہ حضرت امام حسین اور حضرت امام سجاد (علیہما السلام) کے تبلیغی اسلوب کا اتباع کرتے ہوئے ہر مخالف فرد یا مخالف مذہب کو مذہب اہل بیت (ع) اور اسلام کے اعلیٰ نظریات وبلند تعلیمات کی طرف دعوت دیں۔

چنانچہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) نے زہیر بن قین اور حر بن ریاحی جو آپ (ع) کے سیاسی مخالف تھے، کو اپنا جانباز وسرفروش مجاہد اور صحیح العقیدہ شیعہ بنادیا۔ اسی طرح امام سجاد (علیہ السلام) نے اپنی اسیری کے دوران بازار شام میں اپنے سخت ترین دشمن کو محب اہل بیت (ع) میں تبدیل کردیا۔ [۲]

اتحاد بین المسلمین

اس وقت کسی فرد کے ذہن میں یہ بات ہرگز نہیں تھی کہ موجودہ اصطلاح کے مطابق حضرت امام حسین (علیہ السلام) شیعہ نظریات کے حامی اور یزید سنی نظریات کا حامل تھا بلکہ حضرت

ا۔ معالی السبطین ج ۲ ص ۸۵

۲۔ المقرم ص ۴۴۸ ۔ معالی السبطین ج ۲ ص ۸۸

امام حسین (علیہ السلام) کل اسلام کی نمائندگی فرما رہے تھے۔ جبکہ یزید بن معاویہ کل جاہلیت یعنی مخالف اسلام نظریات و اصول کی وکالت کر رہا تھا۔ لہٰذا لامحالہ ان دونوں کے درمیان تصادم ہونا تھا اور اس کی نوعیت، اسلام کے تہذیب و تمدن اور جاہلیت کے نظریات و افکار کے درمیان جنگ و جدال کی تھی۔ چنانچہ باب اول میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اسی طرح اس دور کی تمام سیاسی شخصیات اور علماء و اصحاب رسول (ص) نے اس انقلاب کو تفرقہ بین المسلمین سے کبھی تعبیر نہیں کیا۔

ان دونوں دعووں (یہ شیعہ و سنی اور تفرقہ بین المسلمین کا انقلاب نہیں تھا) کی تاریخی دلیل یہ ہے کہ اس دور کی بڑی بڑی شخصیات اور مذہبی رہبر انقلاب حسین (ع) کے ساتھ تھے اگرچہ وہ نظریاتی حد تک محدود کیوں نہ ہوں اور بعض شخصیات نے واقعہ کربلا کے بعد قیام بھی کیا۔ جیسے عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن حنظلہ اور باقی اہل مدینہ یزیدی حکومت کے خلاف تھے۔ البتہ بنی ہاشم کے تمام معروف افراد حضرت امام حسین (علیہ السلام) کے حق میں پہلے ہی سے تھے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یزید کی مخالفت کرنے والوں میں کچھ ایسے افراد بھی موجود تھے جو اہل بیت (ع) کے سخت مخالف یا ان کے نظریات و اصول کے موافق نہیں تھے۔

مثال کے طور پر عبداللہ ابن زبیر کو لیجیے۔ حضرت علی (علیہ السلام) کی مرکزی حکومت کے خلاف شورش برپا کرنے میں انہوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ اور آخر وقت تک اہل بیت رسول (ص) کے ساتھ بغض و عداوت کا اظہار کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا اس کے

باوجود انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ انقلاب، شیعہ انقلاب ہے بلکہ جب حضرت امام حسین (علیہ السلام) مکہ میں قیام پذیر تھے تو انہوں نے آپ (ع)، کی بیعت کرنے کی پیشکش بھی کی تھی[۱]

یہ علیحدہ بات ہے کہ حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی نگاہ میں سابقہ کچھ حکومتیں آئینی حیثیت نہیں رکھتی تھیں بلکہ بنی امیہ کے نمک خواروں، حامیوں اور حکام پرستوں نے اس ہمہ گیر، ظالم سوز، بے لوث اور انسان ساز انقلاب سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اسے شیعہ انقلاب کا رنگ دیا تا کہ اہل سنت کے برادران کو انقلاب حسینیؑ کے فوائد اور شہادت امام حسینؑ کے مقاصد سے محروم رکھا جائے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ بنی امیہ اور ہر دور کے حکام جو عموماً بنی امیہ کے ہم خیال ہوتے ہیں کے خلاف کوئی قدم و قلم اٹھے گا اور نہ حرکت و جنبش پیدا ہوگی۔

وحدت و اتحاد کے پیامبر کے فرزند حسین بن علی (علیہما السلام) اس وہم و گمان سے بدرجہا بلند ہیں کہ کوئی ایسا اقدام کیا جائے جو تفرقہ بین المسلمین کا سبب بنے بلکہ بار بار یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ آپ (ع) کا یہ اقدام شرعی ذمہ داری کو ادا کرنے اور تمام مسلمانوں کو توحید و رسالت کے گرد دوبارہ مجتمع کرنے کی خاطر عمل میں آیا تھا اور یہ روح وحدت اور پیام اتحاد اب بھی حسینیؑ انقلاب کا جزء لاینفک ہے۔ لہذا ہم آپ (ع) کے بلند مقاصد اور اہداف سے الہام لیتے ہوئے اور اس عہد کے سیاسی رہبران اور علمی بزرگوں کے مشترکہ لائحہ عمل اور اسلام کا دفاع کرنے کے عملی منشور کو اسوہ حسنہ قرار دیتے ہوئے، موجودہ دور کے مسائل کا حل، مسلمانوں کی وحدت فکر و عمل میں تلاش کر سکتے ہیں۔ البتہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ان تین بنیادی چیزوں کا ہونا اشد ضروری ہے:

---

[۱] البدایۃ ج ۸ ص ۱۶۶، طبری ج ۳ ص ۲۹۵ - سیرۃ الائمہ ج ۲ ص ۶۶-

i- ایسا قائد جو باقی شرائط کے علاوہ وسیع النظر، روشن فکر، شرح الصدر کا مالک ہو۔ پھر وہ شیعہ ہو یا سنی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ii- مسلمانوں کا ہر فرقہ اپنے اپنے عقیدہ ونظریات پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے عقائد واقدار کا لازماً احترام کرے۔

iii- اسلام کے اندرونی و بیرونی دشمن کی نشاندہی کے بعد مشترکہ دشمن کی حیثیت سے تمام مسلمان اس سے بھرپور مقابلہ کریں۔ چونکہ دشمنانِ اسلام کا مقصد صرف اور صرف اسلام کو مٹانے میں منحصر ہے اور ان کے نزدیک مذاہب و فرقہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

یہی مفہوم و معنیٰ انقلاب حسین (علیہ السلام) کا روحِ رواں ہے اور قیادت یہی درس دیتی رہے گی۔ یہ اور بات ہے کہ ہم مسلمان (شیعہ ہوں یا سنی) اس درس گاہ حسینی سے درس وحدت لیتے ہیں یا خود ساختہ درس تفرقہ۔

دو متوازی راہیں

امام حسین بن علی (علیہما السلام) کے انقلاب سے دو متوازی راہوں کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہ قیامت تک باقی رہ سکتی ہیں۔ یعنی حسینیت اور یزیدیت ان میں سے ہر ایک راہ کی الگ الگ خصوصیات ہیں اور ان میں ایک وصف بھی ایسا نہیں پایا جاتا جو دونوں میں مشترکہ ہو

یزیدیت: نفاق، کفر، شرک، ظلم، بے انصافی، حق تلفی، بے عملی، اسلام کے اصول ونظریات کی بیخ کنی، قرآن و سنت طیبہ کی نابودی جاہلیت کی برقراری منحصر

یہ کہ ہر بدی اور بری چیز کا دوسرا نام اور اس کی مکمل تصویر ہے ۔
مگر حسینیت : ان تمام مذکورہ اوصاف کے برعکس ہر خوبی و خیر اصلاح ، دعوت فکر و نظر ، پیام عمل کا نام اور عملی تصویر ہے ۔

خلاصہ کلام

انقلاب حسین (علیہ السلام) سراپا درس زندگی کا مجموعہ ہے یہ مرنے اور جینے دونوں طریقوں کا سبق سکھاتا ہے نہ کہ صرف رونے کا سبق دیتا ہو لہذا انفرادی ، اجتماعی ، ثقافتی ، ادبی ، گھر ہو یا بازار ، امام بارگاہ ہو یا دوکان ، پڑھتا ہو یا سنتا ہو ، مقرر ہو یا مستمع غرض زندگی کے تمام میدان اور مواقع میں اس عظیم تاریخی واقعہ سے درس لینا چاہیئے اور ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اس انقلاب کو اپنے سارے وجود پر حاکم قرار دے ۔ کیونکہ اس انقلاب کو صرف واقعہ کی حد تک باقی رکھنا ہرگز امام حسین (علیہ السلام) کو منظور نہیں تھا بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ یہ اسلامی معاشرہ کی انفرادی و سماجی زندگی کا ناقابل انفکاک حصہ بن جائے یہ اس کے جسم کی روح اور مردہ بدن کے لئے مسیحا بن جائے اور جامد و ساکن بدن میں حرکت و جنبش پیدا کرے ۔ خستہ رگوں میں نیا خون اور نئے خون میں یہ نشاط و فعالیت کا مواد پیدا کرے ۔ بے عملی و کجروی اور انحرافات کا خاتمہ کرے ۔ عمل ، صراط مستقیم اور صحیح سمت اختیار کرنے میں مسلمان کا رہنما بنے ۔ لہذا آپ (ع) کی آواز استغاثہ :

" ہے کوئی میری فریاد پر لبیک کہنے والا " ابھی تک طالبین حق و حقیقت کے کانوں گونج رہی ہے ۔

امام حسین (علیہ السلام) کے تصور تک میں یہ نہیں تھا کہ آپ (ع) خود تو یزیدیت سے

مقابلہ کریں، اس کو بے نقاب کریں اور اس کے اہداف و مقاصد کو ناکام بنا دیں اور دوسری جانب آپ (ع) کے اسم گرامی اور مکتب فکر کی سرپرستی میں ہزاروں یزید اور اس کے ہم خیال لاتعداد افراد کی سرپرستی ہو

امام حسین بن علی (علیہما السلام) یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی سیرت کو حسینی سانچے میں ڈھالنے کی مسلسل کوشش کرتے رہیں، دوسرے افراد کو اس کے حقائق، فلسفہ اور اہداف و مقاصد سے روشناس کرتے رہیں اور یہ قیام عملی شکل میں ہماری ہر حرکت و سکون میں زندہ رہے تاکہ ہمارے قوائے عمل معطل اور شل نہ ہونے پائیں۔ بلکہ امام حسین (علیہ السلام) کا نام، آپ (ع) کی یاد، آپ (ع) کیلئے ہر آہ بکا، آپ (ع) کی مصیبت میں صف ماتم بچھانا سب کے سب ہمارے لئے بہترین اور موثر ترین محرک عمل بنیں اور ان کے اثرات ہمارے عمل پر رونما ہوں۔

اگر ہم ہر سال امام حسین (علیہ السلام) کی یاد میں رنج و غم اور ملال کا اظہار کرتے ہیں تو اس لئے کہ اس کی حرارت اور طاقت کے تازہ تازہ اثرات ہمارے کردار پر پڑتے ہیں۔

واقعہ کربلا دراصل ایک جامع و ہمہ گیر مدرسہ ہے۔ جہاں دنیا کو مذہب، اخلاق، کردار سازی تعمیر ذات اور فرض شناسی کے اصول سکھائے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک جاری و ساری رہے گا۔

خوش نصیب ہیں وہ افراد جنہوں نے اپنے آپ کو فکر و عمل اور خلوت و جلوت و دلوں میں حسینی انقلاب کا سپاہی بنایا اور اس کے نور سے خود مستفیض ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر ظلمت کدوں کو بھی منور کرنے کی مسلسل کوششیں کرتے رہتے ہیں

•••

فہرست

	صفحہ
انتساب	۵
مقدمہ	۷
باب اوّل	
انقلاب حسینؑ کی نوعیت	۱۱-۳۴
— خاندانی جنگ	۱۳
— طلب حکومت	۱۸
— بغاوت	۲۲
— ناکام انقلاب	۲۴
— شیعوں کا انقلاب	۲۴
— فدا	۲۶
— بنی امیہ اور یزید کے حامی	۲۹
— عظمت صحابہ کا دفاع کرنیوالے	۲۹
— دو متضاد تہذیب و تمدن کا مقابلہ	۳۰
— نظام جاہلیت کی وضاحت	۳۲
باب دوم	
انقلاب حسینؑ کے عوامل و محرکات	۳۵-۱۸۷
— اقدام یزید کے عوامل	۳۹
— عوامل قریب	۴۰
— استحکام حکومت	۴۰
— سابقہ حکومت کا کردار	۴۱
— یزید کی ولیعہدی	۴۴
— نظام جاہلیت حضرت حسینؑ سے پریشان کیوں ؟	۵۲
— خلاصہ کلام	۵۵
— تجدید بیعت	۵۶
— فرمان بیعت	۵۸
— ہر فریق کی جداگانہ حکمت عملی	۶۱
— حضرت امام حسینؑ کو نشانہ طلب کرنیکی دیگر وجوہات	۶۴
— پہلی تدابیر	۶۵
— دوسری تدبیر	۶۵
— مؤتلف سرداران کی وضاحت	۶۶

	صفحہ
— پہلی وجہ	۶۶
— دوسری وجہ	۶۷
— اعلانِ انقلاب	۶۸
— مکہ میں قتل کا منصوبہ	۶۸
— آخری منصوبہ	۷۰
— سیاسی چال	۷۱
— قرابت نامطلوب تھی	۷۳
— انتقام	۷۵
— جسمانی انتقام	۷۶
— ابوسفیان کا اسلام	۷۸
— والئی مدینہ کی خوشی	۷۹
— مروان کا نشۂ انتقام	۸۰
— روحانی انتقام	۸۲
— اسلام سے دشمنی	۸۳
— اسلامی نظام کا خاتمہ	۸۹
— ابوسفیان کا قبولِ اسلام	۸۹
— یزید کا کردار	۹۶
— نظامِ جاہلیت کی برقراری	۹۶
— عوامل بعید	۱۰۲
— واقعہ سقیفہ	۱۰۲

	صفحہ
— سقیفہ کے نتائج	۱۰۳
— انحراف	۱۰۴
— اختلاف وافتراق	۱۰۵
— حکومت پر قبضہ کرنے کا عام موقعہ	۱۰۵
— علوم آلِ محمد (علیہم السلام) سے ملّتِ اسلامیہ کی محرومی	۱۰۷
— شوریٰ	۱۰۸
— شام پر معاویہ کی طویل حکومت	۱۱۱
— مرکزی حکومت کا معاویہ کے ساتھ امتیازی سلوک	۱۱۲
— خالد کی معزولی	۱۱۲
— ابوہریرہ کی برطرفی	۱۱۳
— سعد بن ابی وقاص	۱۱۴
— انحراف	۱۲۱
— پہلا مرحلہ	۱۲۳
— اقتصادی انحراف	۱۲۵
— سیاسی انحراف	۱۲۵
— فقہی انحراف	۱۲۵
— اقتصادی انحراف	۱۲۶

صفحہ

— سیاسی انحراف ۱۲۹
— دوسرا مرحلہ ۱۳۶
— مرکزی حکومت کے متوازی حکومت ۱۳۹
— مرکزی حکومت کے ہر مخالف کی پناہ گاہ ۱۴۶
— دہشت گردی ۱۴۸
— عمال معاویہ کے کارنامے ۱۵۰
— بیت المال المسلمین سے لوگوں کے ضمیر خریدنا ۱۵۶
— وضع احادیث ۱۵۷
— حدیث ساز فیکٹری ۱۶۰
— عجیب تفسیر ۱۶۴
— سب و شتم ۱۶۷
— احکام اسلام میں کھلم کھلا تبدیلی ۱۷۱
— نماز جمعہ ۱۷۱
— شراب نوشی ۱۷۱
— سودی معاملہ ۱۷۲
— حرام ملبوسات کا استعمال ۱۷۳
— زیاد کا استلحاق ۱۷۴

صفحہ

— یزید کی ولیعہدی ۱۷۵
— حکومت بنی امیہ کے برے نتائج ۱۷۷
— نظام جاہلیت کے بارے میں حضرت امام حسینؑ کا موقف ۱۷۹
— حسینی کانفرنس ۱۸۴
— تیسرا مرحلہ دور یزید ۱۸۶
— حسینی اقدام کے عوامل ۱۸۶

باب سوم

انقلاب حسینؑ کے مقاصد و اہداف ۱۸۹-۲۴۱

— اسلامی حکومت کی تشکیل ۱۹۵
— شہادت کا انتخاب ۲۰۲
— اجتماعی پہلو ۲۰۶
— سیاسی پہلو ۲۰۷
— ثقافتی پہلو ۲۱۲
— دینی پہلو ۲۱۵
— امر بالمعروف و نہی عن المنکر ۲۱۶
— شرائط امر بالمعروف و نہی عن المنکر ۲۱۸
— انسانی پہلو ۲۲۱
— تحریک کا پہلو ۲۲۲

	صفحہ
-- حضرت امام حسینؑ کا مقابلہ کس سے تھا۔	۲۲۶
— عہدِ معاویہ میں انقلاب نہ لانے کے اسباب	۲۳۲
— حضرت امام حسنؑ کا مؤقف	۲۳۳
— حضرت امام حسینؑ کا مؤقف	۲۳۶

باب چہارم

	صفحہ
بقاءِ انقلابِ حسینؑ کے علل و اسباب	۲۴۳-۳۳۰
— داخلی عوامل	۲۴۸
— اہداف و مقاصد	۲۴۸
— اسلامی اصولوں کی حفاظت	۲۴۹
— پوری انسانیت کی خیرخواہی	۲۵۱
— حضرت امام حسینؑ کی ہمہ گیر شخصیت	۲۵۵
— احترام حضرت امام حسینؑ پیغمبر اکرم (ص) کے نزدیک۔	۲۵۶
— سیاسی سطح پر	۲۶۶
— یزید کی غیر مقبول شخصیت	۲۷۱
— یزید اپنے کردار کے آئینے میں	۲۷۱
— یزید دوسروں کی نگاہ میں	۲۷۴
— یزید معاویہ کی نگاہ میں	۲۷۸
— یزید اپنے بیٹے معاویہ کی نگاہ میں۔	۲۸۰
— خلاصہ	۲۸۳
— قاتلانِ حضرت امام حسینؑ کا وحشیانہ سلوک	۲۸۶
— قافلہ اسیران کی کربلا [illegible]	
— مدینے تک تبلیغ	[illegible]۵
— اسیران کے کارنامے	۲۹۷
— کوفہ میں	۲۹۹
— یزید کا مبنی بر جھوٹ اعلان	۳۰۳
— خارجی عوامل	۳۰۶
— تربت حسینؑ پر سجدہ	۳۰۶
— زیارت	۳۰۷
— زیارت کی اہمیت	۳۱۰
— عزاداری	۳۱۵
— شعر و شعراء	۳۲۱
— زیارت اور عزاداری جہاد میں	۳۲۳
— جنت صفت	۳۲۸
— عزاداری کے مقاصد	۳۲۹

باب پنجم

	صفحہ
انقلاب حسینؑ کے نتائج و آثار	۳۳۱-۳۶۴

صفحہ

— دینی سطح پر ۳۳۵
— عنصر جہاد کی بحالی ۳۳۶
— سیاسی سطح پر ۳۳۹
— لاتعداد انقلابات کا بیج بونا ۳۴۰
— فوج اشقیاء میں پہلا ردِ عمل ۳۴۱
— کوفہ میں انقلاب کے شعلے ۳۴۲
— اہلِ مدینہ کا انقلاب ۳۴۴
— اہلِ مکہ کی شورش ۳۴۵
— توابین کا انقلاب ۳۴۷
— مختار کا انقلاب ۳۴۹
— صالح بن سرح تمیمی ۳۵۰
— مطرب بن مغیرہ بن شعبہ کی تحریک ۳۵۰
— عبدالرحمن بن اشعث کی شورش ۳۵۰
— زید بن علی بن حسین (ع) کی تحریک ۳۵۱
— انقلابات کا تسلسل ۳۵۳
— انقلاب اسلامی ایران ۳۵۳
— اہلِ بیت کا تعارف ۳۵۴
— اسلامی علوم و ثقافت کا فروغ ۳۵۷

صفحہ

— جامعۃ الامام الصادق (ع) کی ضرورت ۳۶۰
— جامعۃ الامام الصادق (ع) کے اثرات ۳۶۳

باب ششم

کون غالب کون مغلوب ۳۶۵-۳۷۴

باب ہفتم

قاتلانِ حضرت امام حسینؑ کون؟ ۳۷۵-۴۰۰
— شیعہ و سنی میں بنیادی فرق ۳۷۹
— لفظ شیعہ و سنی کا مصداق ۳۸۰
— تراویح ۳۸۶
— اعرابی کا شکوہ ۳۸۸
— واقعہ تحکیم ۳۹۱
— بیس سال کا تاریک دور ۳۹۲
— واقعہ کربلا میں ملوث لوگوں کی اقسام ۳۹۴
— پہلی قسم ۳۹۴
— منافق گروہ ۳۹۶
— دوسری قسم ۳۹۸
— قاتلانِ امام حسین علیہ السلام نہ شیعہ تھے نہ سنی ۴۰۱

صفحہ

باب ہشتم

انقلاب حسینؑ میں جوانوں کا کردار ۴۰۵-۴۲۴

— فوج حسینی کا سپہ سالار

ابوالفضل عباس ۴۰۹

— علی اکبر ۴۱۴

— قاسم بن حسن علیہ السلام ۴۱۷

— فرزندان عقیل ۴۲۴

باب نہم

انقلاب حسین علیہ السلام میں خواتین کا کردار ۴۲۵-۴۵۰

— زینب کبریٰ کا کردار ۴۲۹

— یکساں چیلنج ۴۳۱

— دربار پسر مرجانہ ۴۳۴

— دربار یزید ۴۳۷

— حضرت زینب کا خطبہ ۴۳۸

— زوجہ زہیر بن قین ۴۴۱

— زوجہ عبداللہ بن عمیر ۴۴۳

— ام وہب ۴۴۵

— بحریہ بنت مسعود ۴۴۶

— رباب بنت امرؤ القیس ۴۴۷

باب دہم

انقلاب حسین علیہ السلام مشعل راہ ہے ۴۵۱-۴۷۴

صفحہ

— عزت نفس ۴۵۴

— منصوبہ بندی ۴۵۷

— زمان کے لحاظ سے ۴۵۸

— مکانی منصوبہ بندی ۴۵۸

— اسلحہ کے لحاظ سے ۴۵۹

— غیر متزلزل ارادہ ۴۵۹

— ایثار ۴۶۰

— فریضہ کی انجام دہی ۴۶۱

— قلیل گروہ کی کامیابی ۴۶۱

— قیادت اور رعایا ۴۶۳

— شہادت فی سبیل اللہ ۴۶۴

— عقیدہ اور خوف ۴۶۴

— دین و سیاست ۴۶۵

— بے بند و باری سے رہائی ۴۶۶

— خواتین کیلئے سنہری تقلید ۴۶۷

— مقررین و ذاکرین کے لئے اعلیٰ نمونہ ۴۶۸

— اتحاد بین المسلمین ۴۶۸

— دو متوازی راہیں ۴۷۱

— خلاصہ کلام ۴۷۲

قرآن فہمی
کیلئے
علوم قرآن پر مشتمل کتاب
البیان
فی تفسیر القرآن

کا مطالعہ فرمائیں

المرجع الدینی الاعلیٰ زعیم الحوزة العلمیة

آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الموسوی الخوئی (مد ظلہ)

ترجمہ: محمد شفا نجفی ——— قیمت: ۱۲۵ روپے

عناوین: فضائل قرآن ـ اعجاز قرآن ـ اعجاز قرآن اور اوہام ـ رسول اسلام (ص) کے دیگر معجزات ـ قاریوں پر ایک نظر ـ قراءتوں پر ایک نظر ـ کیا قرآن سات حروف پر نازل ہوا؟ ـ مسئلہ تحریف ـ جمع قرآن کے بارے میں نظریات ـ ظواہر قرآن کی حجیت ـ قرآن میں نسخ ـ عالم خلقت میں بداء ـ اصول التفسیر ـ قرآن حادث ہے یا قدیم ـ تفسیر سورہ فاتحہ ـ بسم اللہ کے بارے میں بحث اول ـ آیۃ "الحمد" کے بارے میں بحث دوم

پیشکش: شعبہ نشریات: جامعۃ اہل البیت (ع) 7/4-F-1 اسلام آباد
پوسٹ بکس نمبر: ۲۴۰۵ فون: ۲۴۲۷۲
ملنے کا پتہ: قرآن سنٹر ۲۴ ـ الفضل مارکیٹ ـ اردو بازار